در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

امام الائمہ سراج الامہ

سیّدنا امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نمبر

پندرہ روزہ

الحسن

پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈیمی یکہ توت پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ
بیادگارِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر | پی ۲۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۲۵۶-۲۶۴ | جلد نمبر ۲۲

۱۶ رجون تا ۳۱ راکتوبر ۲۰۰۳ء | جمادی الاول تا شعبان ۱۴۲۴ھ

مدیر اعلیٰ فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

امامِ اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

خصوصی نمبر

فہرست

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	مدیر اعلیٰ	۳
۲	منقبت بحضور امام اعظم ﷫	محمد عبد القیوم طارق سلطانپوری	۶
۳	حیاتِ امام اعظم ﷫	سید محمد انور شاہ قادری	۸
۴	تقلید کی شرعی حیثیت	مفتی خلیل الرحمٰن قادری گلوزئی	۵۰
۵	فقہ حنفی کے بنیادی ماخذ اور اصول	مولانا سمیع اللہ نعیمی	۷۸
۶	امام اعظم کے فقہی اصول وقواعد	مفتی عبد القیوم ہزاروی	۹۵
۷	منقبت	شیخ فرید الدین عطار نور اللہ مرقدہ	۱۰۹
۸	فقہ کا تاریخی پس منظر اور فقہ حنفی کا تعارف	سید یاسر بخاری	۱۱۰
۹	رحمت الرحمٰن اردو شرح قصیدۃ النعمان	مترجم: مولانا محمد اعظم میر دوال	۱۴۷
۱۰	منقبت	ابو الطاہر فدا حسین فدا	۲۳۶
۱۱	فقہ حنفی منزل بہ منزل	ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی	۲۳۸
۱۲	امام اعظم کا فقہی مزاج	حافظ ظفر حسین الحسینی	۳۱۰
۱۳	امام اعظم کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر شمس سلیمان	۳۱۷
۱۴	منقبت	آفاق ظفر کیفی	۳۴۶
۱۵	امام اعظم اور اکابرین	سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی	۳۴۸
۱۶	سیدنا امام اعظم امام ابوحنیفہ	علاؤ الدین عدیم	۳۵۳
۱۷	امام اعظم اور تقلید	شاہد ودود ایڈووکیٹ	۳۵۶
۱۸	سپاسِ عقیدت	پروفیسر مرتضیٰ سید	۳۶۷

شذرہ

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ

مدیرِ اعلیٰ

خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک نیا شہر کوفہ آباد کیا جس میں دیگر مسلمانوں کے علاوہ ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی بسایا اور اہل کوفہ کو دینی تعلیمات سے بہرہ مند کرنے کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم کی حیثیت سے یہاں تعینات فرمایا جن کے متعلق پیارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "جس نے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیکھے"۔ نیز خلیفہ راشد، امیر المومنین حیدر کرار سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فیوض و برکات سے بھی اہل کوفہ کو مستفید ہونے کا موقع ملا۔

اسی کوفہ میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں ۸۰ ہجری میں عالم اسلام کی ایک عظیم المرتبت شخصیت پیدا ہوئی جن کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ تھی جبکہ امام اعظم، امام ہمام، سراج الامت اور امام الائمہ جیسے خطابات سے چہار دانگ عالم میں شہرت حاصل کی اور ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ ہجری میں وصال فرمایا۔
امام اعظم امت محمدیہ ﷺ کی وہ جلیل القدر ہستی ہیں جن کی شہادت امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں ارشاد فرمائی کہ

۱: اگر علم ثریا (آسمان) کے پاس ہوتا تو اہلِ فارس اسے ضرور لیتے (بخاری و مسلم)

۲: جن کیلئے امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی۔

۳: جنہوں نے کوفہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی درسگاہوں سے اکتسابِ علم کیا۔

۴: جنہوں نے ملت اسلامیہ کی سہولت کیلئے پہلی مرتبہ فقہ حنفی کی تدوین فرمائی جو قرآن و سنت کا مظہر اور آثار صحابہ و اہلِ بیت اطہار کے علوم و معارف کا حقیقی ترجمان ہے۔

۵: جنہوں نے قصیدۂ نعمانیہ میں مسلمانوں کو حبِ رسول ﷺ کا درس دیا۔

۶: جنہوں نے حضرت زید بن علی کے جہاد کو غزوہ بدر سے تشبیہ دی۔

۷: جنہوں نے حضرت نفس ذکیہ کے زیر سایہ جہاد میں شرکت کو پچاس حج کے برابر قرار دیا۔

۸: جنہوں نے جیل جانا پسند کر لیا لیکن علم کو محکوم نہ ہونے دیا۔

۹: جنہوں نے کوڑوں کی سزا قبول کر لی لیکن ظالم حکمرانوں کا آلہ کار بننے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

۱۰: جنہوں نے حکومت کی طرف سے پیش کردہ اعلیٰ ترین عہدوں کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔

۱۱: جنہوں نے جان دینا گوارا کر لیا لیکن اسلامی اصولوں پر آنچ نہ آنے دی۔

امام اعظم ؒ نے سب سے بڑا احسان دنیا پر یہ فرمایا کہ فقہ حنفی کی تدوین ایک ایسے وقت میں کی جبکہ اسلامی سلطنت کی حدود بہت پھیل چکی تھیں اور مفتوح اقوام کے ساتھ میل جول کی بدولت مسلمانوں کیلئے ایسے پیچیدہ مسائل پیدا ہو چکے تھے جن کا حل قرآن و سنت میں واضح الفاظ میں موجود نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنی خداداد قابلیت، ذہانت اور علم و فضل کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کیلئے شاندار خدمات انجام دیں اور اس مقصد کیلئے اپنے قابل ترین اور ہونہار شاگردوں میں سے چالیس افراد کا انتخاب کرتے ہوئے ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی جو آنجناب ؒ کی رہنمائی میں کتاب و سنت کی روشنی میں قانون سازی کے فرائض انجام دیا کرتی تھی۔ ہر مسئلہ کا حل پہلے قرآن میں تلاش کیا جاتا پھر حدیث شریف اور آثار صحابہ کی طرف رجوع کیا جاتا۔ بعد ازاں قرآن و سنت کی روشنی میں قیاس، اجتہاد اور استحسان کو بروئے کار لایا جاتا۔

اس مجلس کا ہر رکن آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا اور مسئلہ کے ہر پہلو کا عمیق جائزہ لیا جاتا اور آخر کار جس کی رائے زیادہ وقیع، مدلل اور منشائے رسول ﷺ کے مطابق ہوتی اسے قبول کر لیا جاتا۔ یہ انداز تحقیق و جستجو اپناتے ہوئے اس مجلس شوریٰ نے تراسی ہزار مسائل کا حل پیش کیا جن میں سے اڑتیس ہزار عبادات اور پینتالیس ہزار معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسلام کے کئی دیگر معتبر و مستند علماء کرام نے بھی فقہی مسائل کی تدوین کی لیکن وہ انفرادی کوششیں تھیں جبکہ امام ابوحنیفہ ؒ کی مساعی جمیلہ اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں امت

محمدیہ ﷺ کی اکثریت نے اسے اپنایا اور آج بھی دنیا بھر کے تقریباً نصف مسلمان فقہ حنفی کے پیروکار ہیں۔

ہم نے اپنے اکابرین کی زندگی اور ان کے کارناموں سے اپنی نئی نسل کو آگاہ کرنے کیلئے پندرہ روزہ "الحسن" پشاور میں جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے یہ خصوصی اشاعت "امام اعظم امام ابو حنیفہ نمبر" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں آپ کی حیاتِ طیبہ، خدمات، فقہ حنفی کی تدوین اور دوسری صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری تک گیارہ صدیوں میں اس کی تشریحات و توضیحات ارتقاء کا کام کرنے والے اکابر علماء کی خدمات کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں قلمی معاونت کرنے پر ہم اپنے تمام مقالہ نگاروں کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضور پاک صاحبِ لولاک احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں انہیں دینی و دنیوی کامیابیاں نصیب فرمائے اور انہیں آسمانِ علم کے درخشندہ ستاروں میں شامل فرمائے -- آمین!

نیز اس موقع پر ہم غلامِ دستگیر (ایم اے صحافت) کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے کمپوزنگ اور تصحیح کے مراحل بڑی محنت اور توجہ سے انجام دیئے اور پروف ریڈنگ میں ان کا ہاتھ بٹانے پر سید یاسر بخاری (متعلم ایل ایل بی) اور سید کامران شاہ بخاری (وڈپگہ) کے بھی دل کی گہرائیوں سے متشکر ہیں۔

برخوردارم سید غلام الحسنین قادری گیلانی بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس تمام کام خصوصاً طباعت کی نگرانی کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔

منقبت بحضور سراج الامت حضرت امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

شاعرِ بے نظیر محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

سالِ ولادت: ۸۰ ہجری

بہ الفاظ بحسابِ ابجد

"جلوۂ حبیبِ وہاب" "محبوبِ حبیب"

"نویدِ ہدا" "بابِ ایوانِ ادب"

سال وصال: ۱۵۰ ہجری

بہ الفاظ بحسابِ ابجد

"بابِ حق آگاہی" "والۂ حق"

"محبوبِ محمد" "اوجِ علم"

عمر مبارک: ۷۰ سال

بہ الفاظِ بحسابِ ابجد

"پاکیزگی"

"جلوۂ طیبہ"

"جہادِ پیہم"

قطعہ تاریخ (سالِ وصال)

افتخارِ اماثل و اقران
اعتبارِ نظر ورانِ جہان

صدرِ ایوانِ فقہ و تحقیق
بدرِ چرخِ بصیرت و وجدان

شاہ بازِ سمائے فکر و نظر
ماورائے خیال جس کی اڑان

وہ نظر کردۂ خدائے بزرگ
وہ عطا یابِ صاحبِ قرآن

وہ دلیلِ صداقتِ اسلام
وہ کمالِ محمدی کا نشان

وہ سراجِ مجالسِ امت
روشنی بڑھ رہی ہے جس کی ہر آن

مرحمت کی خدائے نے خوب اسے
دانشِ دین و حکمتِ قرآن

آفتابِ جہانِ استدلال
خسروِ ملک و حجت و برہان

اس کی تحقیق کی اصابت کا
معترف ہے مقر ہے اک جہان

ہیں امام اور بھی جلیل القدر
بو حنیفہ کی ہے نرالی شان

فقہ کے اس امام اعظم کا
اک زمانہ ہے تابع فرمان

اس نے تنقید کے بنائے اصول
تھا یہ اس کے مزاج کا میلان

اس نے کھوٹے کھرے میں فرق کیا
وہ حقیقت پسند تھا انسان

ذوق ہے آج جو فقاہت کا
اس عظیم آدمی کا ہے فیضان

آمریت کے جبر سے نہ دبا
استقامت کا تھا وہ کوہِ گران

ہم نوائی ملوکیت کی نہ کی
قید خانے میں اس نے دے دی جان

مجتہد، مصلح و مفکر تھا
رحمت اللہ علیہ و الرضوان

اوست سلطانِ کشورِ تحقیق
سالِ وصلش بر آمد از "سلطان"

۱۵۰

حیاتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول نمبر ا پشاور

باب مدینۃ العلم، نفس رسول، دامادِ رسول اور خلیفہ رسول ﷺ جناب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کوفہ میں مسندِ خلافت پر تشریف فرما تھے، عوام وخواص اپنی اپنی حاجات لے کر حاضر خدمت ہو رہے تھے اور مولائے کائنات ہر ایک کی مشکل کشائی فرماتے چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں آپ کا ایک عقیدت مند گود میں نومولود بچے کو لے کر آنجناب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ امیر المومنین نے بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور اس کے اور اس کی اولاد کے حق میں دعائے خیر و برکت فرمائی۔ امام الاولیاء کی دعا کو بارگاہِ الٰہی میں جو شرف قبولیت عطا ہوا اور اس دعا کے جو وسیع، گہرے، دوررس اور عالمگیر اثرات وفیوض وبرکات ظہور پزیر ہوئے زیرِ نظر سطور میں انکی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس نونہال اور اس کی اولاد کیلئے شیر خدا، حیدر کرار امیر المومنین سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے دعا فرمائی تھی وہ حضرت ثابت بن نعمان رضی اللہ تعالی عنہما تھے جن کو اللہ تعالی نے ایسا فرزندِ ارجمند عطا فرمایا جو تاریخِ اسلام میں سراج الامہ، امام الامہ، امامِ ہمام امامِ اعظم، بانی فقہ حنفی حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان رحمہ اللہ علیہم کے نام نامی واسم گرامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے اس عظیم سپوت کی حیاتِ طیبہ ان صفحات میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

خاندانی پس منظر

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عجمی النسل تھے[۱]، اور آپ کا خاندان فارس کا ایک معزز ومشہور خاندان تھا[۲]۔ آپ

۱-۲ شبلی نعمانی، سیرت النعمان، ستار بک ڈپو لاہور، صفحہ ۲۹۔

کے خاندانی تذکرہ میں دو شجرہ ہائے نسب زیادہ معروف ہیں جن میں ایک یوں ہے ''نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ''[۱] جبکہ دوسرا کچھ معمولی رد و بدل کے ساتھ امام اعظم کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ سے اس طرح منقول ہے ''نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان''[۲]

ان دونوں شجروں میں معمولی فرق پایا جاتا ہے، جس پر تبصرہ کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے مشہور عالم و محقق اور ادارہ ندوۃ المصنفین کے رفیق علامہ بدر عالم میرٹھی رقم طراز ہیں

''نام و نسب کے فیصلہ کیلئے سب سے معتبر شہادت خود اہلِ خاندان کی ہو سکتی ہے لہٰذا اسماعیل کے بیان کے خلاف جو بیانات ہیں وہ سب مرجوح یا قابلِ توجیہ ہوں گے''[۳]

دونوں شجروں کے آخری اسماء مبارکہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ادارہ ندوۃ المصنفین کے بانی علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں

''غالباً زوطی جب ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا، اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیتِ اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا ماہ و مرزبان لقب ہوں گے --- فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں --- درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں، ماہ دراصل وہی ماہ ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں، عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا''[۴]

بعض اہلِ قلم نے زوطی (نعمان) کے متعلق لکھا ہے کہ غلام تھے، کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا، کچھ دن اس کی غلامی میں رہے اور پھر اس نے آزاد کر دیا۔ اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے[۵]۔ امام اعظم کے حاسدین و مخالفین نے اس روایت کا بڑا پروپیگنڈہ کیا ہے حالانکہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ اس سے حاملینِ علم و فضل کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اسلام میں معیارِ فضیلت تقویٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی جلیل القدر

۱-۲: ایضاً شبلی نعمانی، صفحہ ۲۹ ۳: بدر عالم میرٹھی، ضمیمہ ''ابوحنیفہ'' ۴: شبلی نعمانی بحوالہ بالا صفحہ ۳۰

۵: سیر الصحابہ، از شاہ معین الدین ندوی، ادارہ اسلامیات لاہور، جلد ۶، صفحہ ۵۹۸

ہستیاں جو علم وعمل کے میدان میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں وہ خود یا ان کے آباء واجداد غلام رہ چکے تھے مثلاً حضرت عکرمہ ؒ، حضرت علامہ ابن سیرین ؒ، حضرت مکحول، حضرت عطا اور حضرت طاؤس رحمت اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ ؎۱

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے خاندان کا غلام ہونا تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ؎۲۔ دراصل لفظ مولیٰ سے بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے حالانکہ مولیٰ غلام کے علاوہ حلیف اور دوستی کے معنوں میں بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر رائج تھا کہ عجم کے نومسلم کسی عرب قبیلے سے رشتہ ولا قائم کر لیتے تھے۔

حضرت علامہ نووی ؒ نے ''تہذیب الاسماء واللغات'' کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ لفظ مولیٰ دوستی کے عہد وپیان یعنی بروزن مواخات موالات کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ؎۳۔ زوطی (نعمان ؒ) کا مولیٰ ہونا بھی انہی معنوں میں ہے جیسا کہ خود امام اعظم ؒ کے ایک قول سے واضح ہے جس کا خلاصہ یوں ہے کہ عبداللہ بن یزید ایک بار امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نومسلم ہونے کا ذکر کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ان (عرب) قبائل میں سے کسی سے عقد موالات کر لو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف ہوگی میں خود بھی ایسا ہی ہوں ؎۴

دراصل لفظ مولیٰ کے ذو معنی ہونے کے باعث بعض لوگوں نے زوطی (نعمان ؒ) کو غلام سمجھ لیا اس ضمن میں امام اعظم ؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد ؒ کا یہ قول بھی خصوصی طور پر اہمیت کا حامل ہے کہ ''واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا'' ؎۵ چنانچہ قاضی صمیری ؒ جیسے بلند پایہ مصنف نے بھی باقاعدہ واضح لکھ دیا کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف (دوست) تھے۔ ؎۶

امام اعظم ؒ کے دادا جان حضرت نعمان ؒ کے مسکن کے بارے میں مؤرخین نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں البتہ ایک بات یقینی ہے جس پر اکثر مؤرخین متفق ہیں کہ اقلیمِ فارس کے

۱-۲: شبلی نعمانی، صفحہ ۳۰-۳۱ ۳-۴: اسلام الحق اسعدی، تذکرہ ائمہ اربعہ، مکتبہ اسحاقیہ کراچی، ۱۴۰۲ھ صفحہ ۱۴

۵-۶: شبلی نعمانی، صفحہ ۳۲-۳۳

باشندے اور فارسی النسل تھے۔ سلطنت فارس خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی قلمرو میں داخل ہوئی جبکہ خلیفہ سوم سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ادوار میں بھی اس کے مختلف شہروں کی تسخیر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصہ میں تمام علاقہ میں نورِ اسلام کی شعاعیں پھیل گئیں اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ اکثر بڑے بڑے خاندان اور رئیس اسلام لانے کے بعد ایمان کی محبت یا اپنے خاندان کے غیر مسلم افراد کے تعصب و مخالفت کے باعث سرزمینِ عرب کی طرف ہجرت کرنے لگے اور وہاں جا کر سکونت پزیر ہو گئے۔[۱]

چنانچہ زوطی جب دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے تو یہ خلیفہ چہارم امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا دورِ خلافت تھا۔ دیگر روساء اہلِ فارس کی طرح آپ نے بھی اپنا آبائی وطن چھوڑ کر عرب کی طرف مراجعت فرمائی۔ چونکہ ان دنوں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی جائے رہائش کوفہ تھا اسی لئے آپ نے بھی کوفہ میں سکونت اختیار کی اور گاہے گاہے عقیدت و محبت سے امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے اور خلوص سے تحفہ و نذرانہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نوروز کے موقع پر فالودہ امام الاولیاء کی خدمت میں پیش کیا تو امام الاولیاء نے فرمایا "نوروزنا کل یوم" ہمارے ہاں ہر روز نوروز ہے۔[۲]

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کوفہ میں امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے زیرِ سایہ زندگی کے شب و روز بسر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک صاحبزادہ مرحمت فرمایا جس کا نام ثابت رکھا گیا۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فیضانِ نظر کے حصول کیلئے تو مولود کو حیدر کرار کی خدمت عالیہ میں لے گئے۔ شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے انہیں نعمت خداوندی پر مبارکباد دی، بچے کے جسم پر دستِ شفقت پھیرا، پیار کیا اور ثابت کیلئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا "خدا ان کی آئندہ نسل کو برکت عطا کرے"۔[۳]

۱-۲: شبلی نعمانی، صفحہ ۳۲-۳۳

۳: مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، "نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۳ء صفحہ ۲۱۳۔

اس دعائے امام الاولیاء کے اثرات اور فیوض و برکات اس دنیائے رنگ و بو میں یوں ظاہر ہوئے کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب چالیس برس کی ہوئی[۱]، تو ۸۰ ہجری[۲]، میں ان کے آنگن میں رحمت خداوندی سے ایک ایسا پھول کھلا جس کی خوشبو سے پورا عالم اسلام مہک اٹھا اور تا قیامت یوں ہی مہکتا رہے گا---ان شاء اللہ!

نام و القاب

والد ماجد نے دادا جان کے نام پر آپ کا نام نعمان رکھا جو آگے چل کر امام اعظم، امام الائمہ اور سراج الامہ جیسے القابات سے چہار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عقید تمندوں نے مختلف مادہ ہائے تاریخ سے آپ کے سال ولادت ۸۰ ہجری کا اخراج کیا ہے جن میں سے یہ دو خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و کردار کی جھلک نمایاں طور پر ان میں پائی جاتی ہے

محبوب حبیب (۸۰ ہجری) جَاءَ طَابَاً مُطِيْبًا (۸۰ ہجری)

کنیت ابوحنیفہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان القابات کے علاوہ اپنی کنیت ابوحنیفہ سے بھی بہت مشہور ہیں۔ آپ کی یہ کنیت حقیقی نہیں کیونکہ تاریخ و سیر کی مستند کتابوں میں حنیفہ نام کی آپ کے ہاں کسی اولاد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ چنانچہ علماء اعلام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ[۳]۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۖ (ال عمران ۳: ۹۵)

ترجمہ: پس پیروی کرو تم ملت ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے (ترجمہ از ضیاء القرآن)

۱۔ شبلی نعمانی، صفحہ ۳۴

۲۔ امام موفق بن احمد مکی، مناقب امام اعظم اردو ترجمہ فیض احمد اویسی، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۹ء صفحہ ۴۶

۳۔ شبلی نعمانی، صفحہ ۴۰

لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ارشادِ خداوندی کے مطابق ملت ابراہیمی کے ساتھ تعلق کی بناء پر اور اسی نسبت سے یہ مبارک کنیت اختیار فرمائی ا۔ اور آپ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہی اس کنیت سے مشہور و معروف ہو چکے تھے اور عوام و خواص سب آپ کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

بچپن

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بچپن نہایت پر آشوب دور میں گزرا۔ اموی حکمران عبدالملک کی طرف سے مقرر کردہ گورنر عراق حجاج بن یوسف (۷۳-۹۵ ہجری) کے ظلم وستم نے ہر طرف قیامت برپا کر رکھی تھی اس کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں کے خلاف تھیں جو ائمہ مذہب اور علم وفضل کی حیثیت سے مقتدائے عالم تھے ۲۔ حجاج کے علاوہ بھی سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر جو لوگ فائز تھے وہ سب کے سب ظالم وسفاک تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (۹۹-۱۰۱ ہجری) نے اس تاریک دور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"ولید شام میں، حجاج عراق میں، عثمان حجاز میں اور قرہ مصر میں، واللہ دنیا ظلم سے بھر گئی" ۳

ان حالات میں اگرچہ علم وعرفان کے مراکز موجود تھے اور جگہ جگہ درسگاہیں بھی قائم تھیں جہاں علمائے حق درس وتدریس میں مشغول تھے لیکن ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور عامہ مسلمین علم کی طرف راغب نہ تھے۔

جوانی اور تجارت

بچپن میں امام اعظم رحمہ اللہ کو بھی تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ لڑکپن میں ہی کاروبار کی طرف مائل ہوئے کیونکہ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اپنی بے پناہ قابلیت، خداداد صلاحیت اور حسن تدبیر سے اسے بامِ عروج تک پہنچایا ۴۔ یوں جوانی میں آپ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی

ا: شبلی نعمانی، صفحہ ۴۰ ۲: ایضاً صفحہ ۴۱ ۳: ایضاً صفحہ ۴۲ ۴: ایضاً صفحہ ۴۳

سنت مطہرہ پر عمل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے اس کاروبار کا درج ذیل چار انواع کا تاریخ میں ذکر کیا گیا ہے[1] جس سے اس کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱: خزبافی کا کارخانہ: امام اعظم ؒ نے کوفہ میں خزبافی کا کارخانہ قائم کیا جس میں خز نامی کپڑا تیار ہوتا تھا۔ یہ اس دور کا قیمتی کپڑا تھا جو اونی اور غیر اونی دھاگے سے مختلف رنگوں میں تیار کیا جاتا تھا۔ سینکڑوں خزباف اس کارخانہ میں ملازم تھے اور یہ کوفہ کا سب سے بڑا کارخانہ تھا جس کیلئے آپ نے صحابی رسول حضرت عمرو بن حریث ؓ کی عظیم الشان حویلی کرایہ پر حاصل کر رکھی تھی۔

۲: خز فروشی: اس حویلی کے بیرونی حصہ میں امام اعظم ؒ نے خز فروشی کی دکان بھی بنا رکھی تھی۔ یہ کوفہ کی سب سے بڑی کپڑے کی دکان تھی جہاں ہر قسم کا بہترین کپڑا دستیاب ہوتا تھا۔ جو کپڑا کوفہ میں کسی دکان پر نہ ملتا وہ بھی یہاں مل جاتا تھا۔ چونکہ کاروبار نہایت وسیع تھا لہٰذا امام اعظم ؒ نے ہر قسم کے کپڑے کی باقاعدہ قیمتیں مقرر کر رکھی تھیں جس کے باعث تاجر اور خریدار دونوں کا قیمت طے کرنے میں وقت ضائع نہ ہوتا تھا۔

۳: خرید و فروخت بذریعہ غلامان: اس دور میں غلاموں کے ذریعہ تجارت کا کام عام تھا۔ اسی مقصد کیلئے فقہائے کرام نے غلاموں کے متعلق "ماذون التجارۃ" کی دفعات بھی تیار کر رکھی تھیں۔ امام اعظم ؒ کوفہ سے باہر غلاموں کے ذریعہ مال بھیجا کرتے تھے۔

۴: شراکت داری: امام اعظم ؒ کا کاروبار پوری اسلامی سلطنت میں پھیلا ہوا تھا اور مختلف بڑے بڑے شہروں میں آپ کے کاروباری شراکت دار تھے جن میں حضرت حفص بن عبدالرحمن ؒ (نیشاپور) اور مرو کے قاضی یونس بن نافع خراسانی المعروف ابو غانم مروزی ؒ کے نام کتابوں میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ دارالخلافہ بغداد میں بھی ایسے شراکت داروں کا پتہ چلتا ہے جو آپ کا مال وہاں منگواتے اور وہاں سے چیزیں آپ کو کوفہ روانہ کرتے تھے۔ امام اعظم ؒ اسی طرح تجارتی

---

[1] مناظر احسن گیلانی بحوالہ بالا، صفحہ ۷۵-۸۵۔

مشاغل میں مصروف تھے کہ ۹۹ ہجری میں عمر بن عبدالعزیز مسندِ خلافت پر بیٹھے جنہوں نے اموی حکومت کا سابقہ انداز بالکل تبدیل کر دیا جس کی بدولت تمام ملک میں حالات یکسر بدل گئے اور ظلم وستم کی جگہ عدل وانصاف اور جہالت کی بجائے علم وادب کو فروغ حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تاریخ میں خلیفہ راشد کی حیثیت سے یاد کئے جاتے ہیں ۔[۱]

حالات کی تبدیلی کے ساتھ جب درس وتدریس کے چرچے عام ہوئے تو امام اعظم ؒ کے حساس اور پاکیزہ دل میں بھی حصول علم کی تحریک پیدا ہوئی ۔ حسن اتفاق سے انہی ایام میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے امام اعظم ؒ کے ارادہ کو مزید قوت اور استحکام بخشا۔ ہوا یوں کہ ایک دن آپ بازار جا رہے تھے، راستہ میں کوفہ کی مشہور ومعروف علمی شخصیت حضرت امام شعبی ؒ کا مکان تھا وہ اپنے گھر کے سامنے کھڑے تھے ۔ جب امام اعظم ؒ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے بڑی شفقت سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہاں جا رہے ہوں، آپ نے ایک تاجر کا نام لیا۔ امام شعبی ؒ فرمانے لگے، میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو، آپ نے فرمایا کسی سے بھی نہیں؟ امام شعبی ؒ نے فرمایا مجھے تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو ۔[۲]

ابتدائی علمی رجحان

امام شعبی ؒ کی اس نصیحت نے امام اعظم ؒ کے دل ودماغ پر گہرا اثر ڈالا اور آپ نے علم حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس زمانہ میں علم عموماً ادب، نسب، ایام العرب، فقہ وحدیث اور کلام تک محدود تھا اور ان میں زیادہ اہمیت علم کلام کو حاصل تھی اور اسی علم کی بحث وتمحیص اور موشگافیوں کے باعث مسلمانوں میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے جو قدری، جبری، معتزلی، جہمی، خارجی اور رافضی کہلائے اور علمائے اہلِ حق جواب تک ان بحثوں سے الگ تھے ان کو بھی مخالفت کی وجہ سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا ۔[۳]

۱: تاریخ ابن خلدون، اردو ترجمہ حکیم احمد حسین، نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۱ء، جلد ۲، صفحہ ۲۵۱۔

۲: شبلی نعمانی، محولہ بالا صفحہ ۴۴ ۳: ایضاً صفحہ ۴۵

اس ماحول، معاشرتی رجحان اور قدرتی ذہانت کی بدولت امام اعظم ﷫ بھی ابتداء میں علم کلام کی طرف راغب ہوئے جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں

"ابتداء میں میرا یہ حال تھا کہ کلام کو تمام علوم میں سب سے بہتر علم خیال کرتا تھا، سمجھتا تھا کہ اس میں تو دین کی بنیاد سے گفتگو کی جاتی ہے" ۱؎

امام اعظم ﷫ نے اپنی عقل و ذہانت، فہم و فراست اور وسعت معلومات کے باعث اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن آپ کا سامنا کرنے سے جی چراتے تھے۲؎ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

"مجھے مباحثوں کا شوق بصرہ لے گیا، ان دنوں خارجی لوگ اسلامی مسائل پر بحث کیا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو ان مسائل میں الجھا کر پریشان کیا کرتے تھے۔ ان خارجیوں نے اباضیہ، صفریہ اور حشویہ جیسے طبقے قائم کر رکھے تھے مجھے ان حلقوں میں مباحثہ کرنے کا بھر پور موقع ملا اور میں انہیں میدان میں شکست سے دوچار کر دیتا" ۳؎

امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعائے خیر کی برکت سے امام ابوحنیفہ ﷫ گمراہ فرقوں کیلئے برہنہ تلوار کی طرح کام کرتے رہے اور اسلام کی حقانیت کا بول بالا کرنے میں مشغول رہے لیکن یہ آپ کی منزل نہ تھی بلکہ آپ نے تو ملت اسلامیہ کیلئے قیامت تک مینارہ نور بن کر رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا۔

انقلابی رجحان

یوں ایک عرصہ تک مناظروں، مباحثوں اور مجادلوں میں مصروف رہنے کے بعد اچانک امام اعظم ﷫ کے قلب و ذہن میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ خالق لم یزل جو مصرف القلوب (دلوں کو پھیرنے والا) ہے امام اعظم ﷫ کے قلب اطہر کو بھی بدل دیا ان کی فکر و نظر میں انقلاب برپا فرمایا۔ اس تبدیلی کا

۱؎ مناظر احسن گیلانی بحوالہ بالا صفحہ ۳۳ ۲؎ شبلی نعمانی، صفحہ ۳۵

۳؎ امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۸۴-۸۵

ذکر کرتے ہوئے امام اعظم ؒ خود ارشاد فرماتے ہیں

''مجھے خیال آیا کہ حضور نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے متقدمین اہلِ علم و فضل حتی کہ تابعین میں علم و فضل تھا وہ دین کے ہر معاملہ کو جانتے تھے، وہ علوم کی قوتوں کے مالک تھے، وہ حقائق کے عارف تھے لیکن بایں علم و فضل انہوں نے مباحثے اور مناظرے نہیں کئے تھے، وہ نہ جھگڑتے تھے نہ علمی موشگافیوں سے دوسروں کو قائل کرتے تھے وہ علم کلام سے اپنے مخالف کو دبانے کی کوشش نہیں کرتے تھے، وہ لوگوں کو صرف دین سکھاتے تھے۔ علم بانٹتے تھے اور اللہ و رسول ﷺ کی طرف دعوت دیتے تھے -- میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے بھی مناظرہ، مباحثہ وغیرہ چھوڑ کر ان اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے اور علم فقہ پر غور و خوض کرنا چاہئے'' [۱]

علاوہ ازیں علم کلام کے ماہرین کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی آپ کو ملا، ان کی سیرت و کردار نے بھی آپ کو یہ علم ترک کرنے پر آمادہ کیا چنانچہ ان لوگوں کی اصلیت و حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے امام اعظم ؒ نے فرمایا

''میں نے علمِ کلام کے ماہرین کو غور سے دیکھا، ان لوگوں کو گہرائی سے دیکھا مجھے ان میں وہ اوصاف نظر نہ آئے جو صحابہ کرام یا تابعین میں پائے جاتے تھے، وہ قلبی طور پر سخت تر ہیں اور ذہنی طور پر اپنے مدمقابل کو زچ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان حضرات کے دل و دماغ کتاب و سنت اور طریقہ اسلاف سے ہم نوا نہیں ان میں تقویٰ اور ورع کی کمی ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ علمِ کلام میں اگر کوئی بہتری یا بھلائی ہوتی تو اسے صدر اول کے صحابہ اور تابعین ضرور اپناتے۔ چنانچہ میں نے علم الکلام کا سہارا لینا چھوڑ دیا اور صرف اور صرف علم دین اور فقہ کو اپنا لیا'' [۲]

۱: امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۸۴-۸۵

۲: امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۸۶

اکتسابِ علومِ دینیہ

امام اعظم امام ابوحنیفہ ؒ نے اپنے وقت کے جلیل القدر علماء و مشائخ سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی علوم کی تکمیل فرمائی۔ آپ نے قرآنِ مجید حفظ کیا اور قرأت امام عاصم ؒ سے سیکھی جن کا شمار قراءِ سبعہ میں ہوتا ہے۔[۱] نیز حدیث مبارک کی تحصیل کا سلسلہ تو تمام عمر جاری رہا اور ہزاروں کی تعداد میں محدثین کرام سے احادیث نبویہ ﷺ کا علم مبارک حاصل کیا۔ نیز شعر و ادب اور صرف و نحو کے علوم پر مکمل عبور حاصل کیا۔[۲]

علم فقہ

امام ابوحنیفہ ؒ نے تمام رائج الوقت علوم و فنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی تاکہ ان میں سے اپنے لئے کسی مناسب علم کا انتخاب کر کے اس میں امتیاز و تخصص پیدا کر سکیں[۳] اور پھر علم فقہ آپ کی جولانگاہ کا فکر و نظر بنا۔[۴] چنانچہ علمِ فقہ کی تحصیل کیلئے آپ نے بائیس سال کی عمر ۱۰۲ ہجری میں کوفہ کے ایک جلیل القدر عالم دین اور فقیہہ عصر حضرت امام حماد ؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جو کوفہ کے مشہور امام اور استادِ وقت تھے جن کا سلسلہ سندِ حدیث و فقہ صحابہ کرام خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس ؓ اور فقیہہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ تک پہنچتا تھا۔ امام ابوحنیفہ ؒ پہلے ان استاد محترم کی بائیں جانب صف میں بیٹھتے اس زمانہ میں درس و تدریس کا یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کیا کرتا تھا جسے شاگرد زبانی یاد کر لیتے یا اسے لکھ لیا کرتے تھے۔[۵]

دوسرے دن استاد مکرم پہلے انہی مسائل کا اعادہ فرماتے اور ساتھ ساتھ تلامذہ سے بھی پوچھتے جاتے جلد ہی امام ابوحنیفہ ؒ نے حضرت امام حماد ؒ کے دل میں جگہ پیدا کر لی کیونکہ تمام مسائل

۱: ابوزہرہ، حیات امام ابوحنیفہ، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، ملک سنز فیصل آباد ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۶۔

۲: امام موفق، صفحہ ۸۶　　۳-۴: ابوزہرہ بحوالہ بالا صفحہ ۶۰

۵: شبلی نعمانی صفحہ ۴۹

آپ کو پوری طرح یاد ہوتے جبکہ دوسرے شاگردوں سے غلطیاں سرزد ہوا کرتیں [1] چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ ابوحنیفہؒ سب سے آگے بیٹھا کریں۔[2]

اس طرح دو سال تک امام حمادؒ سے استفادہ کرنے کے بعد ایک موقع پر استادِ مکرم نے آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ یہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ امام حماد کے ایک رشتہ دار بصرہ میں فوت ہو گئے اور ان کا کوئی وارث نہ تھا جس کے باعث حضرت حماد کو وہاں جانا پڑا اور کوفہ میں اپنی جگہ ابوحنیفہؒ کو حلقہ درس کا نائب مقرر فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ سے جو مسائل پوچھے گئے آپ ان کا جواب تحریر کر لیتے۔ استاد محترم دو ماہ کے بعد واپس آئے تو آپ نے جملہ مسائل جن کی تعداد ساٹھ تھی استادِ مکرم کو بتائے تو انہوں نے بیس مسائل کی اصلاح فرمائی اور باقی چالیس جوابات کو صحیح قرار دیا۔[3]

چنانچہ آپ نے پختہ عہد کر لیا کہ حضرت امام حمادؒ جب تک زندہ ہیں ان کے ساتھ رشتہ تلمذ قائم رکھوں گا اور پھر حضرت حمادؒ کے وصال یعنی ۱۲۰ ہجری تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اس وقت امام اعظمؒ کی عمر مبارک چالیس برس کی ہو چکی تھی اور آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت امام حمادؒ کی صحبت میں بسر فرمایا۔ بعض حضرات نے حضرت امام حمادؒ کی صحبت سے استفادہ کی مدت دس سال بتائی ہے لیکن امام اعظمؒ کے اپنے ارشادِ گرامی کی رو سے یہ عرصہ اٹھارہ سال بنتا ہے چنانچہ آپ کے ایک شاگردِ رشید امام زفرؒ نے آپ کا یہ قول مبارک ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "فَصَحِبْتُهٗ ثَمَانِیَ عَشْرَةَ سَنَةً"[4]

دیگر اساتذہ کرام

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام حمادؒ کے علاوہ اس دور کے بڑے بڑے

۱: بدر عالم میرٹھی بحوالہ بالا صفحہ ۶۰۳

۲: شبلی نعمانی صفحہ ۴۹

۳: ایضاً صفحہ ۵۰

۴: اسلام الحق بحوالہ بالا صفحہ ۲۳

اکابر تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمہ اہل بیت اطہار سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام کی تعداد چار ہزار بیان کی جاتی ہے[۱] جو مختلف بلادِ اسلامیہ میں تشریف فرما تھے اور پوری اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے ان اکابرینِ امت سے استفادہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے وسائل بھی پیدا فرما دیئے تھے جن میں درج ذیل تین اسباب خصوصی اہمیت رکھتے ہیں:

۱: **تجارتی مصروفیات**: امام اعظم رحمہ اللہ کے وسیع تجارتی مشاغل پر قبل ازیں روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اس ضمن میں آپ کو مختلف مقامات کا سفر کرنا پڑتا تھا جس کی بدولت ان علاقوں میں مقیم علمائے کرام سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کی سہولت بھی میسر آتی رہی۔

۲: **حج بیت اللہ شریف کی سعادت**: امام اعظم رحمہ اللہ نے پہلا حج سولہ سال کی عمر میں ۹۶ ہجری[۲] میں کیا اور پھر ہر سال حج بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے جاتے رہے۔ اس طرح آپ نے پچپن حج کئے[۳] چنانچہ اس عرصہ میں آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی ممتاز اور نامور ہستیوں سے اکتساب علم اور فیوض و برکات حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے جن میں عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور ائمہ اہل بیت اطہار میں سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جیسی کامل شخصیات شامل ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ مکہ مکرمہ کی ایک برگزیدہ جامع العلوم علمی شخصیت تھی جنہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ مکہ مکرمہ کے بہت بڑے محدث اور مفتی تھے۔ زمانہ حج میں حکومت کی طرف سے باقاعدہ اعلان کیا جاتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی دوسرا شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔ آپ نے ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔[۴]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام: آپ امام زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا آستانہ عالیہ مدینہ منورہ میں نور و عرفان کا سب سے بڑا مرکز و مصدر تھا۔

۱: امام موفق، صفحہ ۳۶۔ ۲-۳: اسلام الحق اسعدی، بحوالہ بالا صفحہ ۱۵۲ ۴: شبلی نعمانی، صفحہ ۶۱-۶۲

جملہ بلادِ اسلامیہ کے علماء وفضلاء اس آستانہ پر کسبِ علم وفیض کیلئے سر جھکایا کرتے تھے کوئی ایسا نہ تھا جو مدینہ آئے اور بیت باقر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے بغیر واپس چلا جائے۔[۱] امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آپ سے پہلی ملاقات جب ہوئی تو اس زمانہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب رائے کی حیثیت سے شہرت پا چکے تھے۔ چنانچہ جب آپ سے تعارف ہوا تو آپ نے فرمایا تم وہی شخص ہو جو میرے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اور آپ کی احادیث کو قیاس سے بدل دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مودبانہ عرض کیا حضور آپ تشریف رکھیں میرے نزدیک آپ کی وہی حرمت ہے جو آپ کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک تھی۔ چنانچہ حضرت امام باقر علیہ السلام بیٹھ گئے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور اپنی صفائی میں چند سوالات حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کئے

ابوحنیفہ: حضور یہ بتائیں کہ مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر علیہ السلام: مرد کے مقابلہ میں عورت زیادہ ضعیف ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: میراث میں عورت کا کتنا حصہ ہے؟

امام باقر علیہ السلام: مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملتا ہے۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: یہ آپ کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اگر میں نے آپ کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بدل دیا ہوتا تو پھر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو ایک حصہ اور عورت کو دو حصے دیئے جائیں اس لئے کہ عورت مرد سے زیادہ ضعیف اور ناچار ہے۔ اب میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر علیہ السلام: نماز افضل ہے۔

ابوحنیفہ: یہ آپ کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اگر میں نے آپ کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بدل دیا ہوتا تو عورت جب حیض سے پاک ہو جاتی تو میں حکم دیتا کہ نماز کی قضا کرے روزے کی قضا نہ کرے، اب میرے تیسرے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں جو یہ ہے کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا نطفہ؟

امام باقر علیہ السلام: پیشاب زیادہ نجس ہے۔

---

[۱] ابو زہرہ، امام جعفر صادق علیہ السلام، اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۷۔

ابوحنیفہ: اگر میں نے آپ کے جدِ امجد ﷺ کا دین قیاس سے بدل دیا ہوتا تو میں حکم دیتا کہ پیشاب کے بعد غسل کیا جائے اور نطفہ کیلئے وضو کو کافی سمجھا جائے لیکن خدا کی پناہ کہ میں آپ کے جدِ امجد ﷺ کے دین کو قیاس سے بدل دوں۔ یہ سن کر امام باقر علیہ السلام اٹھے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو گلے لگایا اور ان کے چہرہ کو بوسہ دیا۔[1]

مصر کے معروف محقق امام ابوزہرہ رحمہ اللہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام باقر علیہ السلام علماء کے گروہ میں امام کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا محاسبہ کرتے تھے، اس بارے میں جو باتیں ان کے سمع مبارک تک پہنچی تھیں ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے"۔[2]

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آپ نے جو کچھ سنا تھا اس کی باقاعدہ تحقیق فرمائی اور جب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس الزام سے بالاتر دیکھا تو آپ نے اپنی شان کے مناسب انتہائی مشفقانہ سلوک فرمایا جس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قلب اطہر میں آپ کی عقیدت و محبت موجزن ہوگئی اور آپ امام باقر علیہ السلام سے اکتساب علم و فیض کرنے لگے[3] بعض حضرات نے باقاعدہ لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے طریقت میں امام باقر علیہ السلام کے دستِ اقدس پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔[4]

حجاز مقدس میں مستقل قیام: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بنوامیہ کے اختتام اور بنوعباس کے آغاز میں تقریباً چھ سال مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے اس عرصہ میں پورے عالم اسلام کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ نفوس سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

باقاعدہ تدریس کا آغاز

امام اعظم رحمہ اللہ نے استاد محترم حضرت حماد رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا

۱: ابوزہرہ، امام جعفر صادق علیہ السلام، صفحہ ۵۸-۵۹ ۲: ایضاً صفحہ ۵۹

۳: ایضاً صفحہ ۱۹۱-۱۹۲۔

۴: امام اعظم، قصیدہ نعمانیہ، اردو ترجمہ و شرح مولانا محمد اعظم میروال

لیکن ان کی زندگی میں آخری دم تک ان کی شاگردی اختیار کئے رکھی اور اپنا الگ سلسلہ درس شروع کرنا گوارا نہ کیا یہاں تک کہ استادِ محترم کی وفات کے بعد متفقہ طور پر سب حلقے نے اس علمی مسند کو سنبھالنے کیلئے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی پھر ان کے اصرار پر اس مقدس فریضہ کی ادائیگی قبول کر لی لیکن دل مطمئن نہ تھا[1]۔ انہی دنوں ایک خواب دیکھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی قبر کھود رہے ہیں، ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے لہٰذا درس و تدریس چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام ابنِ سیرین کے اصحاب میں ایک کے پاس جا کر اس خواب کی تعبیر دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے علوم نبوت اور اس کی سنت کی حفاظت میں بڑے بلند مرتبہ و مقام پر پہنچیں گے اور اس میں پوری مہارت حاصل کر کے صحیح احادیث کو ضعیف روایات سے جدا کریں گے[2]۔

آپ نے پھر دوبارہ خواب میں پیغمبر اسلام ﷺ کی زیارت کی کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں "اے ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کو میری سنت کے زندہ کرنے کیلئے بنایا ہے، گوشہ نشینی کا ارادہ نہ کرو[3]۔ اس سے امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اطمینان حاصل ہوا اور پوری توجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس درس کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مقبولیت عطا فرمائی کہ کوفہ کی تمام درسگاہیں اس کے سامنے ماند پڑ گئیں اور چاروں طرف سے طلباء جوق در جوق آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کرام حضرت مسعر بن کدام اور امام اعمش رحمت اللہ تعالیٰ علیہما بھی نہ صرف خود آپ سے استفادہ کرنے لگے بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دلاتے تھے[4]۔

1: شبلی نعمانی، بحوالہ بالا صفحہ ۸۱

2: سید علی ہجویری، کشف المحجوب اردو ترجمہ عبدالرؤف فاروقی، اسلامی کتب خانہ لاہور، صفحہ ۱۴۱۔

3: ایضاً صفحہ ۱۴۱

4: شبلی نعمانی صفحہ ۸۱

حلقہ درس کی وسعت

آہستہ آہستہ کوفہ سے باہر بھی آپ کی شہرت عام ہونے لگی اور چین کے سوا تمام اسلامی دنیا سے طالبانِ علم آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اکتساب علم کرنے لگے۔ ان تمام بلادِ اسلامیہ کا شمار تو ممکن نہیں لیکن خاص طور پر درج ذیل مقامات کا نام لیا گیا ہے

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، ، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نساء، بخارا، سمرقند، کس، صنعان، ترمذ، ہرات، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ اور حمص وغیرہ کے باشندوں نے امام اعظم ابو حنیفہ ؒ سے رشتہ تلمذ استوار کیا۔ مختصر یہ کہ امام اعظم ؒ کی علم کی حدود خلیفہ وقت کی حدود مملکت کے برابر تھیں ۔[۱]

اس وسیع حلقہ درس اور دیگر اعلیٰ اوصاف کی بدولت امام اعظم ؒ کو عوام وخواص میں اس قدر پزیرائی اور اثر ورسوخ حاصل ہو چکا تھا کہ ملک میں جو بھی انقلاب پیدا ہوتے لوگوں کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔[۲]

حضرت زید بن علی کا انقلاب

آپ سید الشہداء امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کے پوتے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بھائی تھے۔ آپ علم وفضل، اخلاق و کردار اور صورت وسیرت کے لحاظ سے حضور نبی کریم ﷺ کا نمونہ تھے۔ مدینہ منورہ میں عبادت، ریاضت اور درس وتدریس میں زندگی کے ایام بسر فرما رہے تھے کہ اچانک اموی حاکم ہشام (۱۰۵-۱۲۵ ہجری) نے اپنے ایک معزول گورنر خالد کے معاملات کی پوچھ گچھ کیلئے آپ کو کوفہ بلایا حالانکہ اس

۱: شبلی نعمانی، بحوالہ بالا، صفحہ ۸۲

۲: ایضاً صفحہ ۸۳

سے قبل امراء بنی امیہ اس بات کا بڑا خیال کیا کرتے تھے کہ اہل بیت کا کوئی آدمی کوفہ نہ پہنچنے پائے یا اگر پہنچے بھی تو اس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ ا

چنانچہ حضرت زید ؒ اس معاملہ سے فارغ ہوئے تو اہل کوفہ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بنوامیہ کے مظالم کی داستان آپ کو سنائی۔ بنوامیہ کے ان مظالم کی داستان بڑی طویل ہے مختصر یہ کہ گورنر کے حکم سے کوفہ کی مساجد کے مینار منہدم کروادیئے گئے تھے ا، نماز جمعہ کا خطبہ بنوامیہ کی تعریف وتوصیف میں اس قدر طویل کردیا جاتا تھا کہ نماز جمعہ کا وقت جاتا رہتا۔ ا

ستم ظریفی یہ کہ گورنر نے اپنی عیسائی ماں کے نام سے کوفہ میں ایک گرجا گھر تعمیر کیا تھا نیز لوگ دانے دانے کو ترس جاتے تھے لیکن کاشتکاروں کو اس وقت تک غلہ منڈی میں فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی جب تک بادشاہ کا غلہ مہنگے داموں بک نہ جاتا۔ ا

جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن کے شعبہ دینیات کے صدر حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی ؒ اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"بنوامیہ اور ان کے سنگ دل وسیاہ سینہ ولاۃ (گورنروں) کی بدتمیزیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایک ایسا وحشت ناک مہیب منظر دنیائے اسلام میں قائم کردیا تھا کہ ہر ایک اپنی جگہ دم بخود تھا۔ منکرات دیکھے جاتے تھے لیکن ہاتھ سے روکنے کی جرأت کسی کو کیا ہوتی بڑے بڑوں کی زبانیں تک خاموش تھیں۔ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ حکومت کی قہرمانیت و استبداد کے اگر یہی لیل ونہار رہے تو آئندہ نسلوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ جس کی قرآنی تعلیم اور آنحضرت ﷺ وخلفائے راشدین کے طرز عمل نے مسلمانوں میں پرورش کی تھی ہمیشہ کیلئے بجھ کر رہ جائے گا جس کا آخر مآل اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ نبوت نے جو اسلامی نظام قائم کیا تھا حرص وہوا کے ان غلام بادشاہوں اور

ا: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۳۶　　۲: ایضا صفحہ ۱۲۳

۳: ایضا ۱۷۲　　۴: ایضا ۱۵۲

ان کے عمال و حکام کے ہاتھوں بتدریج مسخ ہوتے ہوتے درہم برہم ہو کر رہ جاتا"[1]

یہی علامہ موصوف بنوامیہ کے مظالم پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں

"بنوامیہ کی بے پناہ تلوار نے خون کی جو ندیاں بہائیں اور ظلم کے جو آتش کدے جوڑ رکھے تھے ان کو دیکھ کر بھلا کس کا گردہ اور کس کا جگر تھا کہ آہ نیم شبی کے سوا کچھ اور بھی کرنے کیلئے تیار ہو۔ مسلسل دیکھا جارہا تھا کہ زبان سے بات نکلی نہیں کہ سرتن سے جدا ہو گیا"[2]

الغرض حضرت زید بن علی امام زین العابدین علیہ السلام نے اس تاریکی میں روشن چراغ کی مانند کوفہ میں ورود مسعود فرمایا تو کوفہ والوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یوں آپ نے بنوامیہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کے دست اقدس پر جہاد کی بیعت کی[3]

حضرت زید کے حق میں امامِ اعظم کا تاریخی فتویٰ

اس موقع پر محبِ اہل بیت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن علی امام زین العابدین علیہ السلام کے حق میں جو فتویٰ دیا وہ تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے، آپ نے فرمایا

" خُرُوْجُه' یُضَاهِیْ خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ "[4]

ترجمہ: حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدر میں تشریف لے جانے کے برابر ہے۔[5]

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تاریخی فتویٰ خصوصی طور پر غور و فکر کے قابل ہے۔ آپ نے اس جہاد کو غزوہ بدر سے تشبیہ دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ اس وقت حضرت زید خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور حضور نبی

---

[1] مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۹-۳۰

[2] ایضاً صفحہ ۱۲۸ [3] ایضاً صفحہ ۱۵۲

[4] ایضاً صفحہ ۱۵۱

[5] ایضاً صفحہ ۱۵۱ -- ابوزہرہ، حیات امام اعظم

کریم ﷺ کے قائم مقام اور ترجمان ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ صحابہ کرام ؓ نے غزوہ بدر کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی معیت میں جہاد کیا تھا جبکہ مدمقابل فوج اپنے ظلم وستم، سیاہ کاریوں اور طرزِ عمل کے لحاظ سے مشرکینِ مکہ کی نمائندگی کر رہی ہے۔

یہ ارشادِ گرامی ایک طرف امام اعظم کی حق گوئی، بے باکی، بے خوفی اور جرأت و بہادری کی روشن اور واضح علامت ہے تو دوسری طرف اس سے اہلِ بیت اطہار کے ساتھ آپ کی والہانہ وابستگی اور محبت وعقیدت کا لازوال ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ نیز اس سے امام اعظم ؒ کے سیاسی رجحان کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کے خیال میں آلِ رسول ﷺ ہی امام برحق تھے جو خلافت راشدہ کے نظام کا احیاء ونفاذ کی صلاحیت رکھتے تھے۔

حضرت زید ؒ نے یہ جہاد ۱۲۲ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے خلاف کیا لیکن کوفیوں کی غداری کے باعث آپ کو کامیابی نصیب نہ ہوسکی اور آپ نے اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ہمراہ نہایت استقامت اور بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا اور پھر آپ کا مقدس خون بنوامیہ کی حکومت کیلئے پیغام مرگ ثابت ہوا اور ایسا انقلاب برپا ہوا کہ نو سال کے اندر اندر بنوامیہ کا تاج وتخت الٹ گیا یوں امام اعظم ؒ کے ارشادِ گرامی کے مطابق یہ جہاد تاریخی لحاظ سے بھی بدر کے مشابہ قرار پایا کہ کوفیوں کی غداری کے باعث آخر میں غزوہ بدر جتنے افراد ہی حضرت امام زید ؒ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ نیز غزوہ بدر کے بعد نو سال کے اندر اندر جزیرہ عرب سے مشرکین کا خاتمہ ہو گیا اور اس واقعہ کے بعد بھی نو سال کے اندر اندر بنوامیہ کی عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

حکومتِ بنوامیہ کی طرف سے امام اعظم سے پہلا استفتاء

حضرت زید ؒ کی شہادت کے بعد اہل بیت رسول ﷺ کے ساتھ امام اعظم ؒ کی گہری وابستگی سے حکومت بنوامیہ بھی پوری طرح آگاہ ہو چکی تھی لہٰذا اس نے امام اعظم ؒ کو اپنا ہمنوا بنانے کیلئے آپ سے ایک فتویٰ طلب کیا حالانکہ اس سے قبل بنوامیہ صرف عربی النسل فقہاء سے استفتاء پوچھا

کرتے تھے لیکن امام اعظم ﷫ کی حمایت حاصل کرنے کیلئے انہوں نے یہ قاعدہ توڑ ڈالا اور گورنر نے آپ کو دربار میں فتویٰ کیلئے بلایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں نہ صرف اجتہاد و تفقہ بلکہ امام ابوحنیفہ ﷫ کی وسعت معلومات کا اندازہ حکومت کو بھی ہوا اور ان عربی النسل علماء کو بھی جو عجمی لوگوں کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔ [1]

دربارِ بنوامیہ میں امام اعظم کی حق گوئی

چنانچہ اس موقع پر امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ نے جو عظیم الشان جواب دیا وہ حق گوئی کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ بنوامیہ کا دربار لگا ہوا تھا دیگر علماء کے علاوہ قاضی ابن شبرمہ اور قاضی ابنِ ابی لیلیٰ اور امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ موجود تھے اور خلیفہ نے یہ فتویٰ پوچھا کہ ''اس عورت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس نے عدت کے اندر ہی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا'' ابن شبرمہ نے کہا ''ایسا نکاح حرام ہے'' میاں بیوی کو فوراً علیحدہ کر دینا چاہئے، انہیں سزا دی جائے اور مقرر کردہ مہر بیت المال میں جمع کرایا جائے، اس کے بعد وہ ہمیشہ جدا رہیں''۔ خلیفہ نے ابنِ ابی لیلیٰ سے کہا تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے بھی ابنِ شبرمہ کی تائید میں فتویٰ دیا۔ پھر خلیفہ نے امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ کو مخاطب کر کے پوچھا تو آپ نے فرمایا اے خلیفہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی کی توفیق دے، دو بدری صحابہ کرام نے اختلاف کیا۔ ایک کا فرمان تو یہی ہے جو ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا اور یہ حضرت عمر ﷜ کا قول ہے جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ ''جن میاں بیوی نے عدت کے اندر نکاح کر لیا ہے انہیں عدت کی تکمیل تک علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے۔ یہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوبارہ نئی عدت گزارے۔ شرط یہ ہے عدت کے دوران مرد نے عورت سے جماع کیا ہو۔ اس کے بعد دونوں کو بالکل الگ کر دیا جائے اور مرد سے مہر لے کر عورت کو دیا جائے اسے بیت المال میں جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب عورت آزاد ہے وہ اپنی مرضی سے جب چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر وہ اسی مرد سے نکاح کرنا چاہے تو مہر مقرر کر کے اس

---

[1]: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۷۸

سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔ اموی خلیفہ نے پوچھا یہ کس کا قول ہے آپ نے فرمایا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا۔ خلیفہ چونکا اور کہنے لگا کہ ابوتراب کا؟ آپ نے فرمایا ہاں سیدنا ابوتراب رضی اللہ عنہ کا! خلیفہ نے سرجھکا دیا اور گہری سوچ میں چلا گیا اس کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اس سے زمین کریدنے لگا پھر سر اٹھا کر کہنے لگا یہ قول حدیث کے زیادہ قریب ہے اور مجھے پسند ہے"۔ا

حالانکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اس دور بنو امیہ میں امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا نام لینا جرم سمجھا جاتا تھا اور اس شخص کو سزا دی جاتی تھی۔ لوگ اپنی نجی محفلوں اور درسگاہوں و خانقاہوں میں بھی امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی روایات و ارشادات عالیہ ڈر کے مارے اشاروں کنایوں میں بیان کرتے اور آپ کا نام نہ لیتے اور اَخبَرنَا اَبُوْ زَیْنَب کہتے، اسی قسم کا کوئی لفظ استعمال کرتے لیکن قربان جائیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حق گوئی و بے باکی کے کہ آپ نے بھرے دربار میں حیدر کرار، مدینۃ العلم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ارشادِ گرامی بیان کرکے نہ صرف حاکم وقت کی گردن جھکا دی بلکہ مولائے کائنات کی عظمت کا اعتراف بھی اس سے کروایا۔۲

کوفہ پر خارجیوں کا قبضہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحث

خارجیوں نے ضحاک بن قیس شیبانی حروری کی سرکردگی میں ۱۲۸ ہجری میں کوفہ پر حملہ کیا اور اموی گورنر عبداللہ بن عمر کو شکست دے کر کوفہ پر قبضہ کرلیا اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنے کیلئے آپ کی درسگاہ پہنچے تو لوگوں نے کہا "ھٰذَا شَیْخُھُمْ" یعنی کوفہ کے مسلمانوں کا مذہبی پیشوا یہ ہے۔ خارجی آپ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے اور بڑے ہی اکھڑے ہوئے لہجہ میں کہا "تُبْ یَا شَیْخُ مِنَ الْکُفْرِ" اے شیخ کفر سے توبہ کرو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے متحمل مزاجی اور استقامت قائم رکھتے ہوئے فرمایا "اَنَا تَائِبٌ مِنْ کُلِّ کُفْرٍ" میں ہر کفر سے تائب ہوں۔۳

۱: امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۹ ۲: ایضاً صفحہ ۱۳۰

۳: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۸۱

یہ سن کر خارجیوں نے آپ کو چھوڑ دیا لیکن پھر کسی شریر نے کہا کہ کفر سے مراد ان کے نزدیک تم لوگوں کے عقائد ہیں۔ خارجی پھر واپس پلٹے اور امام اعظم ﷺ کو پکڑ لیا اور کہا ''یا شیخ ہم نے سنا ہے جس کفر سے تم نے توبہ کی ہے اس سے مراد ہمارے عقائد اور ہمارا طریقہ کار ہے''۔ امام اعظم ﷺ نے اس مرتبہ بھی ہوش وحواس قائم رکھے اور خارجیوں کے اصول کے مطابق قرآن کریم سے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا ''یہ جو تم کہہ رہے ہو کیا یہ صرف ظن اور گمان کے سوا اور بھی کچھ ہے، کیا آپ لوگوں کو یقین ہے کہ کفر سے میں نے وہی مراد لیا ہے جسے میری طرف تم منسوب کرتے ہو'' تو ان کے رہنما نے کہا ''ہاں صرف گمان اور ظن ہے یقین سے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے'' تو پھر امام اعظم ﷺ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات ۴۹:۱۲) ترجمہ: بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے (ترجمہ از کنز الایمان)۔

اور خارجیوں سے فرمایا تم نے بدگمانی کر کے گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ سے متعلق تمہارا خیال ہے کہ وہ کفر ہے ہر آدمی کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے لہٰذا پہلے خود اس کفر سے توبہ کیجئے خارجیوں کے لیڈر نے کہا ''ہاں تم نے سچ کہا میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں لیکن تم بھی کفر سے توبہ کرو۔ امام اعظم ﷺ نے اس کے جواب میں اپنے پہلے جملے کو دہرایا کہ ''میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں'' یہ سن کر خارجیوں نے امام اعظم ﷺ کو چھوڑ دیا۔[1]

امام اعظم کی جرأت واستقامت اور کوفہ والوں کی جاں بخشی

خارجیوں نے امام اعظم ﷺ سے فارغ ہو کر اہلِ کوفہ کی طرف توجہ کی اور ان کے لیڈر ضحاک نے تلوار میان سے نکال کر جامع مسجد کوفہ میں اعلان کر دیا کہ ''کوفہ والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں وبال بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا جائے'' یہ کوفہ کی تاریخ کا نازک ترین لمحہ تھا کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ان وحشی گنوار خارجیوں کے سامنے زبان کھول سکے۔ ان حالات میں امام اعظم ﷺ بے

[1]: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۸۲

مثال جرأت واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے اور ضحاک کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اس نے کہا اجازت ہے کہو، یہ مکالمہ تاریخ میں یوں محفوظ ہے:

امام اعظمؒ: مردوں کے قتل اور عورتوں و بچوں کو لونڈی بنا لینے کو حلال کس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے؟

ضحاک: یہ لوگ مرتد ہیں!

امام اعظمؒ: مرتد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان لوگوں کا پہلے کچھ اور دین تھا اور اس دین کو ترک کر کے مرتد ہونے کے بعد اب کوئی نیا دین انہوں نے قبول کیا ہے یا جس دین پر پہلے سے چلے آ رہے ہیں وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے؟

امام اعظمؒ کے یہ الفاظ سن کر وہ چوکنا سا ہو گیا

ضحاک: تم نے جو بات کہی ہے اسے ذرا پھر دہراؤ!

امام اعظمؒ نے اپنے الفاظ دہرائے

خدا جانے دیوانے کی سمجھ میں کیا آیا کہ زور سے اس نے اخطانا (ہم سے غلطی ہوئی) کا اعلان کرتے ہوئے خود اپنی تلوار میان میں کر لی اور اس کو دیکھ کر دوسرے خارجیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔[1]

یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام اعظمؒ کو اس دن فرشتہ رحمت بنا دیا اور اہل کوفہ کو آپ کی بدولت خارجیوں کے عذاب سے محفوظ رکھا چنانچہ ابومعاذ بلخیؒ فرمایا کرتے تھے

"اَهْلُ الْكُوْفَةِ كُلُّهُمْ مَوَالِىْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّهٗ سَبَبُ عِتْقِهِمْ"[2]

ترجمہ: سارے کوفہ والے امام ابوحنیفہ کے غلام ہیں کیونکہ وہی ان کی آزادی کا سبب تھے۔

امام اعظم کو گورنرِ ہبیرہ کی پیشکش

عراق پر خارجی زیادہ عرصہ تک اقتدار قائم نہ رکھ سکے اور اموی خلیفہ مروان نے یزید بن عمر بن

[1] مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۸۲-۱۸۳

[2] ایضاً صفحہ ۱۸۴

ہبیرہ کو گورنر بنا کر ۱۲۹ ہجری میں عراق روانہ کیا جس نے خارجیوں کو شکست دے کر امن و امان قائم کر دیا۔ یہ عراق، ایران اور خراسان کا مطلق العنان حاکم تھا۔ اس اموری گورنر نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے تعلقات استوار کرنا شروع کئے اور کئی بار آپ سے ملاقات کی۔ وہ آپ کی ذہانت اور قابلیت سے بے حد متاثر تھا جس کا مظاہرہ اس کے سامنے ہوتا رہتا تھا۔ اس نے تعلقات کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے امام اعظم رحمہ اللہ سے استدعا کی کہ "اے شیخ اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے ہاں بڑھا دیں تو آپ سے ہم کو فائدہ پہنچے اور ہم سے آپ کو نفع پہنچے"۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا "تمہارے پاس آ کر میں کیا کروں گا اگر مجھے تم نزدیکی اور قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے اور اگر ہمیں تم نے دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ غم میں مبتلا کرو گے۔ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی مجھے آرزو ہو اور نہ میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں"۔ ؎۲

حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی امام اعظم رحمہ اللہ کے ان ارشادات پر اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"امام نے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے جو جواب اس وقت دیا تھا وہ آج بھی امیروں کے قرب تلاش کرنے والے کے لئے سرمایہ عبرت و بصیرت ہے"۔ ؎۳

ابن ہبیرہ کی طرف سے امام اعظم رحمہ اللہ کو عہدوں کی پیشکش

گورنر ابن ہبیرہ نے امام اعظم رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ ملانے اور بنو امیہ کا ہم خیال بنانے کیلئے مختلف پُرکشش عہدوں کا لالچ دیا چنانچہ وزارت کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ

"گورنر کی مہر ان کے سپرد کی جائے گی تا کہ جو کوئی حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ (فرمان) جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب امام ابو حنیفہ ہی کی

؎۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۹۲

؎۲: ایضاً صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

؎۳: ایضاً ۱۸۸

نگرانی میں ہو اور ان ہی کے ہاتھ نیچے سے نکلے"۔[1]

جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا گورنری کے بعد یہ آخری عہدہ تھا جو کسی کو دیا جا سکتا تھا۔[2]

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے دولت بنی امیہ کے اس جلیل القدر منصب کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[3] آپ کے اس انکار پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سید مناظر احسن گیلانی ؒ نے تحریر فرمایا

"پڑھنے والوں کیلئے تو اس واقعہ کا پڑھ لینا آسان ہے لیکن امام ابوحنیفہ ؒ کی تقلید پر ناز کرنے والوں کیلئے سوچنے کا مقام ہے کہ تقلید کے ساتھ ساتھ اگر یہی صورتحال ان کے سامنے پیش آ جاتی یا آج بھی پیش آ جائے تو ان میں کتنے ہوں گے جو امام کی اس سنت کے اقتداء پر آمادہ ہوں"۔[4]

امام ابوحنیفہ کی گرفتاری

آپ کے اس انکار سے گورنر کی امیدوں پر پانی پھر گیا لیکن پھر بھی اس نے نے حوصلہ نہ ہارا اور علماء (قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند وغیرہ پر مشتمل) ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا جنہوں نے آپ کو سمجھانے اور یہ عہدہ قبول کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن آپ نے قطعی طور پر انکار کرتے ہوئے فرمایا "وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے اور میں اس حکم پر مہر لگاؤں گا، خدا کی قسم میں اس میں اپنے آپ کو بھی شریک نہیں کر سکتا"۔[5] جب اس طرح کام نہ چلا تو گورنر نے آپ کو گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا اور جیل میں آپ کو کئی دوسرے عہدوں کی پیشکش کی گئی۔ آخر میں عہدہ قضاء قبول کرنے کی درخواست کی گئی اور حکومت کی طرف سے بہت اصرار کیا گیا لیکن امام اعظم ؒ نے صاف انکار کر دیا جس پر گورنر نے غصہ میں آ کر امام اعظم ؒ کو کوڑوں کی سزا سنائی جسے امام اعظم ؒ نے نہایت ہی صبر و استقامت سے برداشت کیا اور گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا: میرے

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۱۹۱ ۲: ایضاً ۱۹۲

۳: ایضاً ۱۹۴ ۴: ایضاً ۱۹۳

۵: ایضاً ۱۹۶

بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا کہ اس شخص کو کس جرم میں کوڑے لگائے گئے تھے تو آپ اس کا کوئی جواب نہیں آئے گا، اللہ تعالیٰ وہی بات قبول کرے گا جو حق ہوگی''۔ا

جیل سے رہائی اور حجاز مقدس کی طرف ہجرت

گورنر ابن ہبیرہ جرأت واستقامت کے اس کوہ گراں کو دیکھ کر گھبرا گیا اور تنگ آکر کہنے لگا کوئی ایسا شخص لاؤ جو امام ابو حنیفہ کو نصیحت کرے تا کہ وہ چند روز کی مہلت مانگ لیں کچھ دنوں کیلئے ہی عہدہ قبول کرلیں، میں انہیں بڑے انعام واکرام دوں گا۔ امام صاحب ؒ کو جب گورنر کی بے چارگی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو تا کہ مشورہ کرلوں اور غور کرلوں چنانچہ آپ کو رہا کر دیا گیا تو آپ کوفہ سے حرمین شریفین چلے گئے، یہ واقعہ ۱۳۰ ہجری کا ہے۔۲

آپ کی رہائی کے بارے میں ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ گورنر ابن ہبیرہ کو حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا تم میرے امتی کو بلا وجہ سزا دے رہے ہو شرم کرو۔ کہتے ہیں کہ اس دن سے ابن ہبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔۳

حجازِ مقدس میں علمی مشاغل

الغرض امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کوفہ سے حجاز مقدس پہنچے اور ۱۳۰ ہجری سے ۱۳۶ ہجری تک تقریباً چھ سال وہیں گزارے۔۴ بظاہر یہ ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا اور اموی گورنر کے ظلم وستم نے آپ کو وطن مالوف کوفہ سے نکال کر حرمین شریفین میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ نے امام ابو حنیفہ ؒ کو متعدد خیر وبھلائیوں سے نوازنے کا ایک بہانہ بنا دیا جن کا حصول یہاں پر قیام کئے بغیر ممکن نہ تھا۔ اگرچہ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ لڑکپن سے اب تک ہر سال متواتر حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کیلئے حرمین شریفین تشریف لایا کرتے تھے

ا: امام موفق بحوالہ بالا، صفحہ ۳۱۴-۳۱۵ ۲: ایضاً صفحہ ۳۱۵-۳۱۶ ۳: ایضاً ۳۱۵

۴: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۳۱۴

لیکن اس عرصہ میں زیادہ تر توجہ مناسک حج کی ادائیگی اور عبادت وریاضت کی طرف مبذول رہتی تھی اور اب مستقل قیام کے دوران ان فیوض وبرکات کے ساتھ ساتھ علم وحکمت سے بہرہ مند ہونے کے مواقع بھی میسر آئے اور عالم اسلام کی جلیل القدر فاضل اور بزرگ ترین ہستیوں سے ملاقاتیں ہوئیں، ان کے علوم سے استفادہ کیا اور اپنی فقاہت سے انہیں مستفید کیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فیوض وبرکات کا حصول

آپ امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے اور علوم نبویہ ﷺ اور علوم مرتضویہ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے وارث تھے۔ نیز اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور یارِ غارِ نبی کریم ﷺ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علوم و معارف سے بھی مالامال تھے۔ آپ تاریکی وظلمت کے اس دور میں نور مبین کی حیثیت رکھتے تھے[1]۔ اکثر تابعین اور بڑے بڑے ائمہ کرام نے آپ سے روایت کی ہے جن میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ آپ نے جس قدر شدت سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایات کی ہیں ان کا اندازہ کرنے کیلئے آپ کے تلامذہ امام ابو یوسف کی ''کتاب الآثار'' اور امام محمد بن حسن شیبانی کی ''الآثار'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے[2]۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ دو سال تک فیوض وبرکات حاصل کرتے رہے اور یہ دوسالہ صحبت آپ کی نظر میں اس قدر وقعت واہمیت رکھتی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے ''لولا السنتان لھلک النعمان'' یعنی اگر یہ دو سال خوبی قسمت سے حاصل نہ ہوگئے ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) ہلاک ہوگیا ہوتا''[3]۔

نیز مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ہی گہرے مراسم پیدا ہو گئے تھے۔ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے ان تعلقات کا مشاہدہ یوں بیان کیا

''میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جارہے

۱: ابوزہرہ، حضرت امام جعفر صادقؑ بحوالہ بالا صفحہ ۱۱۰)

۲-۳: ایضاً ۸۳

تھے جب مسجد نبوی ﷺ میں پہنچے تو امام مالک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو آگے کر دیا۔[۱]

مسجد نبوی ﷺ میں عشاء کی نماز کے بعد امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمت اللہ تعالیٰ علیہما دونوں باہمی علمی مذاکروں اور مباحثوں میں مصروف ہو جاتے اور یہ سلسلہ نماز فجر تک جاری رہتا۔ ایک مرتبہ امام مالک رحمہ اللہ ایک ایسی ہی علمی مجلس سے اٹھے تو پسینے سے شرابور تھے۔ مصر کے معروف امام حضرت لیث بن سعد رحمہ اللہ نے دیکھا تو کہا آپ تو پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا "اِنَّـــہٗ فَقِیْہٌ یَا مِصْرِیُّ" اے مصری امام ابوحنیفہ فقیہہ آدمی ہے[۲]۔ اس واقعہ سے ان مباحث کی اہمیت اور گہرائیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔[۳]

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ آپ کی ان مجالس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مسائلِ دینیہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے اور ان کی تلاش میں رہتے تھے۔[۴]

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علمائے کرام کے علاوہ دیگر بلادِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے علماء و فضلاء اور ائمہ وقت سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہاں ملاقاتیں ہوئیں چنانچہ شام کے مشہور محدث اور فقیہہ حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ سے مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے۔ جب امام اعظم رحمہ اللہ سے ملے اور مختلف مسائلِ دینیہ پر آپ کی عالمانہ گفتگو سنی تو ان کے شکوک و شبہات دور ہو گئے اور فرمایا "مجھے اس شخص کے علم اور عقل پر رشک سا ہے، میں خدا سے اپنی غلط فہمی کی معافی چاہتا ہوں، میں فاش غلطی میں مبتلا تھا، بلاوجہ اس شخص کو الزام دیتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ جو باتیں ان کی مجھ تک پہنچائی گئی تھیں میں نے ان کو اس کے برعکس پایا"[۵]

۱: امام موفق صفحہ ۳۲۵

۲: یہ واقعہ مشہور مالکی مصنف قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مدارک طبقات مالکیہ" میں درج کیا ہے۔ (مناظر احسن گیلانی بحوالہ بالا صفحہ ۲۲۰)

۳: مناظر احسن گیلانی بحوالہ بالا ۲۱۹-۲۲۰۔

۴: امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۳۲۴

۵: مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۲۱

مصر کے امام حضرت لیث بن سعد او پر جن کا ذکر ہوا، انہیں جب معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ؒ حجاز مقدس میں تشریف فرما ہیں تو خاص طور پر آپ سے ملنے کیلئے اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ امام ابوحنیفہ ؒ کو گھیرے ہوئے ہیں اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک مشکل ترین سوال پیش کیا گیا ہے، جس کا امام ابوحنیفہ ؒ نے فوراً بہترین جواب دیا تو امام لیث بن سعد ؒ نے یہ حیرت انگیز تاثرات بیان کئے جو تاریخ میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہیں

"فَوَاللّٰہِ مَا اَعْجَبَنِیْ جَوَابُہٗ کَمَا اَعْجَبَنِیْ سُرْعَۃُ جَوَابِہٖ" ۱؎

پس اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے ان کے صحیح جواب پر اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنا ان کی زود جوابی پر تعجب ہوا۔ ۲؎

معروف محدث حضرت امام زہری ؒ کے شاگرد یاسین الزیات ؒ بھی ابتداء میں امام ابو حنیفہ ؒ کے متعلق بدگمانی میں مبتلا تھے اور کہا کرتے تھے کہ اصحاب الرائے سنت کے دشمن ہیں ۳؎ لیکن مکہ مکرمہ میں جب امام اعظم ؒ سے روبرو ملاقات ہوئی اور احکام پر امام اعظم ؒ کی بصیرت افروز اور حکمت بھری باتیں سماعت فرمائیں تو غلط فہمی دور ہو گئی اور مسحور ہو کر کہنے لگے کہ "امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے تو سنت سے ماخوذ ہے" ۴؎ پھر وہ اس قدر معتقد ہوئے کہ امام اعظم ؒ جب حرم شریف میں فقہ کا درس شروع کرتے تو حضرت یاسین زیات ؒ اعلان کرتے پھرتے کہ "لوگو آؤ امام ابوحنیفہ ؒ کی صحبت کو غنیمت جانو، انکے علم سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ ایسا آدمی پھر نہیں ملے گا اور حلال و حرام کے جاننے والے ایسے عالم کو پھر نہ پاؤ گے اگر اس شخص کو تم نے کھو دیا تو علم کی بہت بڑی مقدار کو کھو بیٹھو گے" ۵؎

ایک مشہور عالم و محدث کی زبان سے یہ اعلانِ عام اس قدر مؤثر اور مفید ثابت ہوا کہ مکہ مکرمہ میں لوگ ہر طرف سے امام اعظم ؒ پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ مشہور محدث حضرت علامہ عبداللہ بن مبارک ؒ اس درس کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

"رَاَیْتُ اَبَا حَنِیْفَۃَ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یُفْتِیْ اَھْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ النَّاسُ

۱-۲؎: مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۲۱ ۳تا۵؎: ایضاً صفحہ ۲۱۷۔

یَوْمَئِذٍ نَاسٌ یَعْنِیْ اَلْفُقَہَاءُ الْکِبَارُ وَ خِیَارُ النَّاسِ حُضُوْرٌ[1]

ترجمہ: میں نے مسجد حرام میں امام ابوحنیفہ ؒ کو اس طرح تشریف فرما دیکھا کہ مشرق و مغرب کے باشندے آپ سے پوچھ رہے ہیں اور آپ انہیں فتوے دے رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ لوگ تھے یعنی بڑے بڑے فقہاء، اور چیدہ چیدہ برگزیدہ نفوس (صوفیاء کرام) ابوحنیفہ ؒ کی اس مجلس میں موجود رہتے تھے۔

گویا حجاز مقدس میں اس قیام کے دوران آپ نے استفادہ بھی کیا اور افادہ بھی فرمایا یعنی ایک طرف آپ نے جید ترین علماء و فضلاء، محدثین اور جامع العلوم شخصیات تابعین اور اہل بیت اطہار سے اکتساب کیا تو دوسری طرف اپنے علم وحکمت، فقاہت و ذہانت اور خداداد عقل و خرد سے اہلِ مکہ و مدینہ کو بھی مستفید و مستفیض فرمایا۔ نیز آپ کے مخالفین نے جو گمراہ کن پروپیگنڈہ کر رکھا تھا اس کے سدباب کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع فراہم کیا اور بڑی بڑی جلیل القدر شخصیات جو اس زہریلے پروپیگنڈے کی بدولت بدگمانی میں مبتلا تھیں ان کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ عصر حاضر میں بھی بعض لوگ امام اعظم ؒ کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمیوں اور پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ فقہ حنفی کا مطالعہ کریں، امید ہے کہ ان کے شکوک وشبہات بھی دور ہو جائیں گے۔

کوفہ واپسی اور مجلس تدوین فقہ کا قیام

امام اعظم ؒ تقریباً چھ سال حجاز مقدس میں گزارنے کے بعد واپس کوفہ تشریف لائے۔ حرمین شریفین میں آپ کو اسلامی سلطنت کے ہر خطہ کے لوگوں سے ملنے اور ان کی دینی ضروریات و مسائل سے کماحقہ آگاہی حاصل ہوئی۔ چونکہ اسلامی سلطنت کی جغرافیائی حدود بہت پھیل چکی تھیں، مفتوحہ ممالک میں مقیم مسلمانوں اور نومسلموں کو نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہتا۔ نیز انہیں غیر مسلموں

---

[1]: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۱۸

کے ساتھ میل جول اور رہن سہن کی بدولت بھی بڑے خطرناک اور پیچیدہ مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جنہیں قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنا وقت کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اس اہم ترین دینی خدمت کیلئے اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ جیسی نابغہ عصر شخصیت کا انتخاب فرمایا۔ اگرچہ آپ کے معاصرین حضرت امام سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اسی ضمن میں خدمات بروئے کار لا رہے تھے لیکن وہ محدود سطح پر انفرادی حیثیت سے یہ کام انجام دے رہے تھے جبکہ امام اعظمؒ کی نگاہیں ایک ایسے وسیع مجموعہ قوانین کی ترتیب وتدوین پر مرکوز تھیں جو تمام اسلامی سلطنت کیلئے نہ صرف زمانہ حال بلکہ مستقبل میں بھی رہنمائی فراہم کر سکے اور اس قسم کے کام کیلئے انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کی ضرورت تھی چنانچہ آپ نے اس مقصد کیلئے ایک مجلسِ تدوینِ فقہ قائم فرمائی جس کی نظیر اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتی۔[۱]

مجلس تدوین فقہ کا علمی مقام

یہ مجلس چالیس بلند پایہ افراد پر مشتمل تھی[۲] جو علوم شریعت کے باکمال ائمہ تھے[۳] اور امام اعظمؒ نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چن چن کر ان کا انتخاب کیا تھا[۴] اور ان کی علمی فضیلت وجلالت کا یہ حال تھا کہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے تھے[۵] اور مختلف ایسے علوم وفنون کے بھی ماہر تھے جن سے تدوینِ فقہ میں مدد ملتی تھی مثلاً تفسیر، حدیث وسیرت، بلاغت وبیان، صرف ونحو، لغت وادب، منطق، ریاضی وحساب وغیرہ[۶] جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ خود اس مجلس کے صدر نشین تھے[۷] جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ تجارت اور معاشیات کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۲۶

۲: حمید اللہ ڈاکٹر، امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، اردو اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۳ء صفحہ ۴۷۔

۳: امام موفق محولہ بالا، صفحہ ۴۸۸

۴: حمید اللہ ڈاکٹر، صفحہ ۴۷ ۵-۶: ایضاً صفحہ ۴۷

۷: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۲۸

اصول وقواعد

امام اعظم ﷫ نے استنباط مسائل کیلئے باقاعدہ اصول وقواعد قائم کیے جن کی روشنی میں یہ مجلس قوانین وضع کرتی تھی اور امام اعظم ﷫ نے اپنے ارشاد میں ان کا ذکر یوں کیا ہے

''میں قرآن ہی کو لیتا ہو، اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہوں اور ثقہ لوگوں کے ذریعہ سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں اگر قرآن وسنت نبوی میں نہ ملے تو آپ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا، ہاں جب تابعین یعنی ابراہیم، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین اور سعید بن المسیب وغیرہ کی رائے ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہئے''[۱]

دوسرے الفاظ میں مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ فقہ حنفی کے بنیادی اصولوں میں قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اور استحسان وغیرہ شامل ہیں۔

طریقۂ کار

اس مجلس کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ چھیڑ دیا جاتا تو مذکورہ بالا اصولوں کی روشنی میں اس پر غور وخوص شروع ہوتا پھر ہر ایک آزادی سے اپنی رائے پیش کرتا۔ آخر میں صدر مجلس یعنی امام اعظم ﷫ اظہار خیال فرماتے۔ امام صاحب کے شاگردوں کو اپنے استاد کی رائے سے اختلاف کرنے کا پورا حق حاصل تھا وہ اپنے دلائل پیش کرتے اور یوں بحث کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی دن تک تحقیق جاری رہتی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی جاتی یہاں تک کہ اس کا کوئی پہلو متعین ہو جاتا تو اسے لکھ لیا جاتا۔ اس مجلس میں امام اعظم کے ایک شاگرد عافیہ بن یزید تھے اگر وہ کسی وقت مجلس سے غائب ہوتے اور کسی ایسے دقیق مسئلہ پر اتفاق رائے

---

[۱] حمید اللہ ڈاکٹر، صفحہ ۴۵-۴۶

ہو بھی جاتا تو امام صاحب فرماتے اسے مت درج کرو جب عافیہ حاضر ہو جاتے اور وہ بھی اتفاق کر لیتے تو تب امام صاحب فرماتے کہ اب اسے یادداشت کی کتاب میں درج کرلو۔[۱]

مجلس کے مدونہ قوانین کی دفعات

یوں اس مجلس نے تقریباً پندرہ سال تک امام اعظم ؒ کی رہنمائی میں اسی محققانہ انداز سے تدوین فقہ کا کام جاری رکھا۔ ان مسائل کو باقاعدہ ابواب کی ترتیب میں لکھا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وضو اور طہارت کا باب رکھا گیا پھر نماز و دیگر عبادات اس کے بعد معاملات اور سب سے آخر میں ترکہ و میراث کا ذکر کیا گیا۔[۲]

اس طرح ایک روایت میں تراسی ہزار مسائل جبکہ دوسری روایت کے مطابق پانچ لاکھ مسائل کا اخراج کیا گیا[۳]۔ اول الذکر روایت کے بارے میں مزید تفصیل یوں بتائی گئی ہے کہ ان تراسی ہزار دفعات میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات اور باقی پینتالیس ہزار کا براہ راست معاملات یعنی انسان کے دنیاوی کاروبار کے متعلقہ آئین و دستور سے متعلق ہے[۴]۔ یہ شورائی فقہ دنیا میں فقہ حنفی کے نام سے معروف ہے۔ یہ امام اعظم ؒ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور ناقابل فراموش دینی خدمت ہے جس کے پس منظر میں باب مدینۃ العلم امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعا کارفرما نظر آتی ہے۔

امام صاحب اور عباسی خلفاء

اموی اور عباسیوں کی کشمکش کا زمانہ امام اعظم ؒ نے حرمین شریفین میں گزارا اور وہاں پر آپ کے مشاغل کی تفصیل گزشتہ اوراق میں پیش کی جا چکی ہے۔ اس انقلاب میں بنوامیہ کو عبرتناک شکست

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۳۱-۲۳۲

۲: حمید اللہ ڈاکٹر، صفحہ ۵۰

۳: ایضاً صفحہ ۲۳۳

۴: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۰۰

ہوئی اور عباسی تاج وتخت کے مالک قرار پائے۔ چنانچہ پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح نے جب اقتدار حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲ ہجری میں جامع مسجد کوفہ میں اپنی خلافت اور حکومت کا اعلان کیا تو امام اعظم ابوحنیفہ ؒ بھی اتفاقاً کوفہ آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے خطاب کے بعد علمائے کوفہ کی متفقہ درخواست پر ان کی نمائندگی کرتے ہوئے امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے جوابی تقریر فرمائی۔[۱]

اس کے بعد سفاح پانچ سال تک برسر اقتدار رہا لیکن امام اعظم ؒ کا اس کے ساتھ تعلق تاریخ میں مذکور نہیں البتہ اس کی وفات کے بعد جب اس کا بھائی ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا تو اس کے ابتدائی زمانہ میں بھی امام اعظم ؒ حسب معمول فقہ اسلامی کی تدوین میں مشغول رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھا یہاں تک کہ منصور نے جب دریائے دجلہ کے کنارے اپنی حکومت کے دار الخلافہ کیلئے ایک نیا شہر بغداد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو پورے ملک سے کاریگر، ہنر مند، مزدور اور فنِ ہندسہ کے ماہرین کے علاوہ اربابِ فہم و دانش بھی منتخب کر کے بلائے گئے جن میں امام اعظم امام ابوحنیفہ ؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[۲]

امام اعظم کی تعمیری خدمات

چونکہ امام اعظم ؒ تمام اسلامی دنیا میں اپنی ذہانت اور عبقریت کے لحاظ سے شہرت پا چکے تھے اسلئے منصور نے آپ کی خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کرنا چاہا اور اس عظیم الشان تعمیری منصوبہ کیلئے اینٹوں کی ڈھلائی اور ان کے گننے کی نگرانی امام اعظم ؒ کے سپرد کی گئی۔ امام اعظم نے اینٹوں کی گنتی کیلئے پہلی بار پیمائش کا طریقہ متعارف کروایا، تاریخ طبری میں جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

وَ كَانَ اَبُو حَنِيفَةَ اَوَّلُ مَنْ عَدَّ اللَّبِنَ بِالْقَصَبِ"[۳]

ترجمہ: اینٹوں کو بانس کے ذریعہ گننے کا طریقہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا۔

اسطرح چھوٹی اشیاء کی تعداد معلوم کرنے کیلئے پیمائش کا عام رواج ہوا جو امام اعظم ؒ کا دنیا پر

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۰۸ ۲: ایضاً صفحہ ۲۰۸

۳: ایضاً صفحہ ۲۰۲

ایک بہت بڑا احسان ہے۔ ۱

نفس ذکیہ کا اعلان جہاد

عامہ مسلمین نے اہلبیت اطہار کی محبت وعقیدت کی بدولت بنو امیہ کے خلاف بغاوت میں خلفائے بنوعباس کا ساتھ دیا تھا لیکن برسر اقتدار آ کر بنوعباس نے بھی اہل بیت اطہار کے خلاف ظلم و ستم جاری رکھا اور آل رسول ﷺ کی بیخ کنی شروع کردی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پوتے جناب سیدنا ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب سیدنا محمد رحمۃ اللہ علیہ کو زندہ دیوار میں چنوادیا ۲ جو اپنے بے پناہ حسن و جمال کے باعث دیباج کہلاتے تھے ۳۔ اس قسم کے مظالم کی ایک لمبی داستان ہے ۴۔ آخر کار انہی مظلوم سادات میں سے حضرت محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام نے بنوعباس کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ اول الذکر اپنے تقویٰ وطہارت اور عبادت وریاضت کی وجہ سے "نفس ذکیہ" کے لقب سے مشہور تھے جبکہ دوسرے بھائی ابراہیم کا خطاب "نفس رضیہ" ۵ اور یہ دونوں علم وفضل کے ساتھ ساتھ شجاعت وبہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

امام اعظم کی تائید وحمایت

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں ان کی تائید وحمایت اعلانیہ طور پر شروع کر رکھی تھی جس پر تمام مؤرخین متفق ہیں ۶۔ اسی جہاد کے زمانہ میں جب حج کی ادائیگی کے بارے میں آپ سے فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے۔ ۷

امام اعظم کا کارنامہ

الغرض امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بنوعباس کے ظلم وستم کے خاتمہ اور اسلامی نظام کے قیام کیلئے اہل بیت

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۳۰۳

۲ تا ۴: شبلی نعمانی، صفحہ ۸۷

۵-۶: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۳۳۲ ۷: ایضاً صفحہ ۳۳۴

اظہار کا پورا پورا ساتھ دے رہے تھے۔ اس ضمن میں کوفہ کے تمام مسلمانوں کو عباسیوں کے خلاف ابھارنے کے علاوہ ایک بہت بڑا کام امام اعظم ؒ نے یہ بھی کیا کہ عباسی سلطنت کے سب سے بڑے فوجی جرنیل حسن بن قحطبہ کو بھی عباسیوں سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔[۱] جو ان کی ہر فوجی مہم میں پیش پیش رہتا اور یہ امام اعظم ؒ کی ایک عظیم سیاسی کامیابی اور عظیم الشان کارنامہ تھا کہ آپ نے عباسیوں کی فوج کے روح رواں کو توڑ لیا تھا۔[۲]

اگر اس موقع پر اہل بیت اطہار عباسیوں پر فتح حاصل کر لیتے تو امام اعظم ؒ کے اس کارنامہ کو تاریخ میں خصوصی اہمیت دی جاتی لیکن بدقسمتی سے صورتحال عباسیوں کے حق میں رہی جس کی بدولت آپکا یہ کارنامہ تاریخ میں وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو اسے عباسیوں کی شکست کی صورت میں نصیب ہوتا بہر حال امام اعظم ؒ کی یہ پرخلوص مساعی جمیلہ اب بھی تاریخ کا حصہ ہے لیکن قسمت نے نفس ذکیہ کا ساتھ نہیں دیا اور رمضان ۱۴۵ ہجری میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔[۳] ان کے بعد حضرت ابراہیم بن عبداللہ المعروف نفس رضیہ اس تحریک کی قیادت کرتے ہوئے بنو عباس کے خلاف صف آراء ہوئے لیکن انہوں نے بھی نہایت دلیری سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔[۴]

امام ابوحنیفہ ؒ کی بغداد طلبی

اہل بیت اطہار کی ان برگزیدہ شخصیات کو تہ تیغ کرنے کے بعد ابوجعفر نے ان کے حمایتیوں سے انتقام لینے کا آغاز کیا تو انہیں عبرتناک سزائیں دی گئیں لیکن امام ابوحنیفہ ؒ کو عوام وخواص میں جو پزیرائی حاصل تھی اس کے باعث ابوجعفر منصور نے آپ کو فوراً سزا دینے کی بجائے اپنے قابو میں لانے کی تدبیر شروع کی اور بغداد بلا کر آپ کو کوفہ شہر کے قاضی کا عہدہ پیش کیا۔ امام اعظم ؒ نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اس خوش اسلوبی سے انکار کیا کہ خلیفہ کو برہم ہونے کا موقع بھی نہ ملا اور یہ بلا

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۳۶۷ ۲: ایضاً صفحہ ۳۷۴

۳: شبلی نعمانی صفحہ ۸۸

۴: ایضاً ۹۱

بھی سر سے ٹل گئی۔[1]

امام اعظم کا بصیرت افروز خطاب

الغرض اس بار تو امام اعظم ؒ بخیریت شاہی دربار سے واپس آ گئے لیکن آپ کو پورا یقین ہو گیا کہ عباسی اب مجھے ہرگز آزاد نہیں چھوڑیں گے نیز آپ نے یہ بھی جان لیا کہ عباسی حکومت مستقبل میں آپ کے شاگردوں کو ایسے ہی مناصب کی ترغیب وتحریص بھی دلائیں گے۔ لہٰذا ان کی رہنمائی کیلئے آپ نے بروقت یہ اقدام فرمایا کہ اپنے تمام شاگردوں کو اطراف وجوانب سے کوفہ طلب فرمایا۔ اس موقع پر ایک ہزار شاگرد جمع ہوئے جن میں سے چالیس آدمی مجلس تدوین فقہ والے بھی شامل تھے[2] اور پھر امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے ان کے سامنے یوں خطاب شروع فرمایا

"تم سب میرے دل کا سرور ہو، آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، میرے حزن وملال کا ازالہ تمہی سے ہے۔ میں نے تمہارے لئے فقہ کی سواری تیار کی، اسے سجایا اور اس کی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہلِ علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے، تمہارے سامنے غلام بن کر آئیں گے تم میں سے ہر ایک عہدہ قضاء کے لائق ہے۔ میرے لائق شاگردوں میں سے دس تو ایسے ہیں جو ملک کے قاضیوں کے سردار بنیں گے یعنی قاضیوں کی تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دینے کے اہل ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام پر تمہیں چند نصیحتیں کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے تمہیں علمی جلالت سے نوازا ہے۔ یاد رکھو منصب قضاء پر فائز ہو کر اپنے آپ کو حکمران کے تصور کی ذلت سے بچانا۔ صرف لوگوں کے مسائل حل کرنا ان کا حکمران نہ بننا۔ اگر تمہیں قاضی بنا دیا جائے تو لوگوں کو انصاف مہیا کرنا۔ اگر حالات میں کوئی خرابی محسوس کرو تو فوراً منصب قضا سے علیحدہ ہو جانا اور تنخواہ و دولت کے لالچ میں اس منصب سے چمٹے نہ رہنا جو لوگ محض اللہ کی رضا کیلئے عہدہ قضا

۱: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۱۱۔

۲: ایضاً صفحہ ۲۳۶

قبول کرتے ہیں ان پر تنخواہ حلال ہے۔ لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا، ان کیلئے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا۔ پانچ وقت کی نماز جامع مسجد میں حاضر ہو کر ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا کہ جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کیلئے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد تین بار اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت نہ جا سکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔ یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ درست نہیں ہے، اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے"۱

اس تقریر دل پزیر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ؒ اپنے شاگردوں سے کس قدر محبت وشفقت فرماتے تھے۔ نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ عہدوں کو ٹھکرانے کی راہ جو میں نے اپنائی ہے اس پر چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اسی لئے اپنے شاگردوں پر پابندی عائد نہیں فرمائی کہ وہ بھی عہدے قبول نہ کریں۔ علاوہ ازیں آپ یہ بھی جانتے تھے کہ مستقبل قریب میں سلطنتِ عباسیہ کو عدالتی نظم ونسق کیلئے آپ کے شاگردوں کی ضرورت پڑے گی لہٰذا آپ نے بروقت اپنے شاگردوں کو اس کیلئے ذہنی طور پر تیار کر دیا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہیں عہدۂ قضاء کے تقاضے ذہن نشین کروا دیئے تاکہ وہ قاضی بن کر ان تقاضوں کو پورا کریں۔ آپ کا یہ بصیرت افروز خطاب آج بھی عدالتوں کیلئے مشعلِ راہ کا کام دے سکتا ہے۔

عہدہ قاضی القضاۃ کی پیشکش

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور مسلسل امام اعظم ؒ کو اپنے دام تزویر میں لانے کی فکر میں تھا۔ وہ کسی صورت میں امام اعظم کو آزاد چھوڑنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس نے طے کر لیا تھا کہ امام ابو حنیفہ ؒ کو حکومت میں شریک کر لیا جائے یا ان کو ختم کر دیا جائے۲ لہٰذا کچھ عرصہ کے بعد اس نے دوبارہ آپ کو ایک بہت

۱: امام موفق بحوالہ بالا صفحہ ۴۷۷-۴۷۸

۲: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۴۴۴

بڑے عہدہ قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کی پیشکش کی[1]۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی کا سب سے بڑا اور آخری امتحان تھا کہ وہ اس موقع کو غنیمت جان کر اس منصب جلیلہ کو قبول کر کے دنیوی اور مادی لحاظ سے بے پناہ فوائد، گراں قدر تنخواہ اور جاہ وجلال حاصل کر لیتے لیکن اس طرح آپ کی زندگی کی ساری جدوجہد، محنت اور کمائی ضائع ہو جاتی کیونکہ آپ نے تمام عمر اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیارے محبوب ﷺ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کیلئے نہایت خلوص سے یہ عظیم الشان علمی ودینی خدمات سرانجام دیں تھیں اور اب اگر آپ اس عہدہ کو قبول کر کے شخصی حکومت کا آلہ کار بن جاتے تو آپ کے اصل نصب العین اور اصولوں پر پانی پھر جاتا جو آپ کو قطعاً گوارا نہ تھا جبکہ دوسری طرف صورتحال یہ تھی کہ اگر اپنے مقاصد اور اصولوں کو بچاتے ہیں تو جان کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

قید و بند کے مصائب اور شہادت

الغرض امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو گورنر کوفہ نے بلایا اور عباسی حکمران ابو جعفر منصور کے پاس بغداد روانہ کیا۔ جب بادشاہ کے روبرو پیش ہوئے تو اس نے اپنی پیشکش کو دہرایا اور اسے قبول کرنے کیلئے امام ابو حنیفہ پر زور دیا جسے امام اعظم نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آپ کے انکار پر مطلق العنان بادشاہ آپے سے باہر ہو گیا اور آپ کو جیل میں بند کر دیا گیا اور وہاں بھی مختلف طریقے استعمال کیے گئے تاکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کسی نہ کسی صورت میں حکومت کے ہمنوا بن جائیں۔ لالچ، دھونس، دھمکی اور جسمانی ایذائیں وغیرہ ہر حربہ استعمال کیا گیا لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ عزم واستقامت کے پہاڑ بنے رہے اور آخری دم تک اپنے فیصلہ پر ڈٹے رہے آخر کار حکومت نے مایوس ہو کر آپ کی زندگی کا چراغ گل کرنے کیلئے آخری حربہ استعمال کیا اور آپ کو زہر دلوا دیا جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے اور اسی حالت روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی[2]۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن

---

[1]: مناظر احسن گیلانی، صفحہ ۲۱۲-۲۱۳

[2]: امام موفق ۳۳۴

یوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو شہادت خفی کا درجہ عطا فرما کر نواسہ رسول جگر گوشۂ بتول فرزندِ حیدرِ کرار جناب امام عالی مقام حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے دامنِ رحمت میں پہنچا دیا اکثر روایات کے مطابق آپ کی وفات حسرت آیات ماہ رجب المرجب ۱۵۰ ہجری میں ہوئی ۔۱

تدفین

بغداد کے قاضی حسن بن عمارہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا اور پھر آپ کے علم وفضل پر ایک جامع تقریر فرمائی جسے سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو پورا بغداد امڈ آیا، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر جنازے کے ساتھ چل رہا تھا۲۔ پہلی بار نماز جنازہ میں کم وبیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۳۔ پھر بھی لوگوں کے آنے کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ چھ بار نماز جنازہ ادا کی گئی۴۔ آخری بار آپ کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی ۔۵

مقبرہ مبارک

امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ بغداد کے مقبرہ خیزران میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ غصب شدہ زمین نہ تھیں بلکہ وقف شدہ تھی چنانچہ اسی وصیت کے مطابق آپ کو یہاں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار پُر انوار آج بھی یہاں بوسہ گاہ خلائق ہے۶۔ سلجوقی فرمانروا سلطان الپ ارسلان نے ۴۵۹ ہجری میں قبر انور پر قبہ تعمیر کیا اور ساتھ ہی ایک مدرسہ بنایا۷ یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔ مدرسہ نظامیہ اس کے بعد اسی سال تعمیر ہوا۸۔ یہ مدرسہ مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مدت تک قائم رہا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کے طبیب خاص حکیم ابنِ جزلہ نے اپنا کتب خانہ اس مدرسہ کیلئے وقف کیا۹۔ آپ کے مزار اقدس کے ساتھ مسافروں کیلئے ایک قیام گاہ بھی بنائی گئی تھی ۔ عباسی حکومت کے آخری زمانہ میں جب مشہور سیاح ابن بطوطہ بغداد پہنچا تو اس نے اس پر یوں تبصرہ کیا ’’اس وقت بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو‘‘ ۔۱۰

۱: امام موفق صفحہ ۳۳۲ ۲: ایضاً صفحہ ۳۲۶ ۳: شبلی نعمانی، صفحہ ۹۶ ۴-۵: امام موفق صفحہ ۳۲۶

۶ تا ۱۰: شبلی نعمانی، صفحہ ۹۷-۹۹

اولاد وامجاد

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے دو شادیاں کی تھیں ۱۔ ان میں سے صرف پہلی بیوی سے ایک بیٹا حماد پیدا ہوا۔ آپ نے ان کی تعلیم وتربیت بڑے اہتمام سے کی جو بڑے ہو کر علم وفضل میں اپنے والد کے حقیقی وارث وجانشین ہوئے۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی اور نہ ہی شاہی دربار سے کچھ تعلق رکھا۔ آپ نے ذیقعد ۱۷۶ میں وصال فرمایا ۲۔ ان کے چار صاحبزادے تھے: عمر، اسماعیل، ابوحیان اور عثمان رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۳۔ ان میں اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی اور مامون الرشید کے دور میں عہد قضاء پر مامور ہوئے اور نہایت دیانتداری سے عدل وانصاف کے فرائض انجام دیئے۔ جب بصرہ سے روانگی فرمائی تو پورا شہر آپ کو الوداع کرنے کیلئے نکل آیا اور سب لوگ آپ کے جان و مال کو دعائیں دیتے تھے ۴۔ ان صاحبزادوں سے امام اعظم کا سلسلہ نسب آگے چلا اور آج امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کی حقیقی اولاد عرب وعجم میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں برصغیر پاک وہند میں بھی کئی خاندان ایسے ہیں جن کا سلسلہ نسب امام اعظم ؒ تک پہنچتا ہے۔ ۵

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کی معنوی اولاد بھی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کے سینکڑوں شاگرد مہر وماہ بن کر آسمان علم پر چمکتے رہے۔ نیز آج بھی نصف اسلامی دنیا میں چالیس کروڑ مسلمانان عالم کی انفرادی، اجتماعی اور دینی وسیاسی زندگی میں امام اعظم ؒ کے احوال واذکار ظلمت میں آفتاب تاباں کا مقام رکھتے ہیں۔ یہ وہ سرچشمہ نور ہے جس کی کرنیں فرد پر، گھرانے پر اور حکومت پر اور مجالس دستور ساز پر یکساں پڑتی ہیں ۶ اور یہ نورانیت درحقیقت امام الاولیاء سند الاتقیاء امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جس کی روشنی میں امت محمدیہ ﷺ قیامت تک کمال انسانیت تک پہنچنے کا سفر جاری رکھے گی۔

۱: امام موفق، صفحہ ۱۶۰

۲ تا ۵: شبلی نعمانی، صفحہ ۱۰۰-۱۰۲۔

۶: مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔

تقلید کی شرعی حیثیت

مفتی سرحد حضرت علامہ مفتی خلیل الرحمن
قادری گلوزئی نور اللہ مرقدہ

کسی بھی ذی علم وفہم سے مخفی نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امتِ مرحومہ تقلیدِ ائمہ اربعہ ہی پر عمل پیرا ہے چاہے وہ مفسرین حضرات ہوں یا محدثین یا کوئی اور۔ نیز علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو وہ ائمہ اربعہ میں سے جس کی بھی چاہے تقلید کرے اور اس کو مذاہبِ اربعہ میں کسی ایک مذہب پر مستقل طور پر زندگی بھر کاربند رہنا چاہئے۔ اسی پر اجماعِ امت ہے اور اجماعِ امت ادلہ اربعہ میں سے ایک اہم شرعی دلیل ہے۔ جس کا ثبوت قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی ﷺ میں صریحاً موجود ہے۔ جس کا منکر خارج از اسلام ہے اور عمل اجماعِ امت پر فرض ہے، قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا (النساء۴: ۱۱۵)

ترجمہ اور جو کوئی رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی (ترجمہ از کنز الایمان)

یاد رہے کہ یہ آیت کریمہ اجماع کی صریح دلیل ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ جو راستہ مسلمانوں کا ہو، اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور خود ظاہر ہے کہ تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ رہا

اسے علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جائے گا۔

نیز حدیث شریف میں ہے مَارَءَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ ۔ الحدیث یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے ہیں اور مقلد ہی ہوئے۔ آج بھی عرب وعجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا، وہ اجماع کا منکر ہوا۔۔۔ فافہم (جاء الحق جلد ا صفحہ ۲۸)

غیر مقلدین کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

غیر مقلدین، مقلدین کو دھوکہ دینے کیلئے کہتے ہیں کہ اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

الجواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور اقدس ﷺ کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ ائمہ دین امام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف باب فضائل الصحابہ میں ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ یعنی تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو۔

غیر مقلدین کا یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ ہم کسی کے امتی نہیں کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کسی کے امتی نہ تھے لہٰذا امتی نہ ہونا سنت رسول ﷺ ہے۔ ایسے شخص کو سوائے اس کے اور کیا کہا جائے گا کہ حضور ﷺ تو خود نبی ہیں اور سب آپ کے امتی ہیں وہ کس کے امتی ہوتے؟ امتی ہونا تو ہمارے لئے ضروری ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام کے امام ہیں ا، ان کا کون مسلمان

امام ہوا-- فافہم وتدبر۔ ایک سنہری مثال پیش خدمت ہے، بغور ملاحظہ فرماویں

نہر کے ذریعہ پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ مکبرین (امام سے دور کھڑے نمازیوں تک تکبیر کی آواز پہنچانے والے) کی آواز پر وہی نماز پڑھے گا جو امام سے دور ہو۔ اس لئے لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں، صف اول کے مقتدیوں کو مکبرین کی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صف اول کے مقتدی ہیں وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہٰذا کسی نہر کے لازماً حاجتمند ہیں۔ سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوئے ہیں جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں، کوئی نیل کہلاتا ہے، کوئی دجلہ، کوئی فرات وغیرہ۔ ایسے ہی حضور اقدس ﷺ آب رحمت کے سمندر ہیں، اس سینہ پاک سے جو نہر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی ہے اسے حنفی کہا گیا۔ جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا، پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑتی ہے نہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو۔

اسی طرح غیر مقلدین یہ سوال کرتے ہیں کہ رہبری کیلئے قرآن وحدیث کافی ہیں ان میں کیا نہیں جو فقہ سے حاصل کریں۔ قرآن فرماتا ہے

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورہ الانعام ۶ : ۵۹)

ترجمہ: اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو (ترجمہ از کنز الایمان)

اور قرآن میں رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورہ القمر ۵۴ : ۲۲)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کیلئے تو ہے کوئی یاد کرنے والا (کنز الایمان)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں سب کچھ ہے اور قرآن سب کیلئے آسان بھی ہے پھر کس لئے کسی مجتہد یا امام کی تقلید کریں؟

الجواب

یقیناً بلاشک وشبہ قرآن وحدیث رہنمائی کیلئے کافی ہیں اوران میں سب کچھ ہے مگران سے مسائل نکالنے کی قابلیت بھی توہونی چاہئے۔سمندر میں موتی اوردوسری قیمتی اشیاء ہیں مگران کونکالنے کیلئے غوطہ خورکی ضرورت ہے۔مشہورمقولہ ہے لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ ہرکام کی مناسبت سے اس کیلئے الگ الگ آدمی ہوتے ہیں۔

ائمہ دین اس سمندرکے غوطہ زن ہیں۔طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھاہے مگرہم کوحکیم کے پاس جانااورنسخہ تجویزکراناضروری ہے۔یوں ائمہ دین طبیب ہیں وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ میں فرمایا گیا کہ ہم نے قرآن کریم کوحفظ کرنے کیلئے آسان کیاہے نہ کہ اسے مسائل استنباط کرنے کیلئے۔اگر قرآن کریم سے مسائل نکالنا آسان ہیں توپھرحدیث کی بھی کیاضرورت ہے؟قرآن کریم میں سب کچھ ہےاورقرآن آسان ہے نیزیہ کہ پھرقرآن سکھانے کیلئے نبی کیوں آئے؟قرآن کریم میں ہے وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اوروہ نبی ان کوکتاب اللہ اورحکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔قرآن و حدیث روحانی دوائیں ہیں اورائمہ دین روحانی طبیب (جاء الحق جلد ا صفحہ ۳۱)

بعض غیرمقلدین عناداً اوربعض بے علم جہلاء یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ محدث نہ تھے اسی لئے ان سے احادیث بکثرت مروی نہیں ہیں اوران سے روایات کم ہیں۔

الجواب

حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم ؒ بہت بڑے محدث تھے۔بغیرحدیث دانی اس قدرمسائل کیلئے استنباط کیسے کئے جاسکتے ہیں؟ان کی کتاب ''مسندامام ابوحنیفہ ؒ ''اورامام محمد ؒ کی کتاب ''موطا امام محمد'' سے ان کی حدیث دانی اچھی طرح معلوم ہوتی ہے۔یوں توحضرت صدیق اکبر ؓ کی روایات بھی بہت کم ملتی ہیں توکیاوہ محدث نہ تھے۔امام ابوحنیفہ ؒ سے کمی روایات احتیاط کی وجہ سے ہے۔امام اعظم ؒ کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کازمانہ حضور ﷺ سے بہت قریب ہے۔

معترضین کا اعتراض بمصداق شعر

مَا ضَرَّ شَمْسُ الضُّحٰی بِالْاُفُقِ طَالِعَةً | اَنْ لَا یَرٰی ضَوْءَ هَا مَنْ لَیْسَ ذَا بَصَرٍ

ترجمہ: آب و تاب کے ساتھ طلوع ہونے والے سورج کو اگر نابینا نہ دیکھ سکے تو اس سے سورج پر کوئی آنچ نہیں آتی (جاء الحق جلد اصفحہ ۳۴)

''تذکرۃ المحدثین'' میں ہے کہ حفظ قرآن و حدیث کے بغیر کوئی مجتہد محل اجتہاد کو معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ کسی مسئلہ میں قیاس و اجتہاد کا عمل اسی وقت کیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث کی کوئی نص موجود نہیں اور نص کے وجود اور عدم وجود کا علم اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ تمام آیات و احادیث پیش نظر نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جمع و تدوین احادیث میں مسابقت کے زمانہ میں بھی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہی تمام محدثین پر فائق رہے حالانکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے چھوٹے ہیں، دس لاکھ احادیث کے حافظ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کَانَ کَالشَّمْسِ لِلدُّنْیَا یعنی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دنیا والوں کیلئے علم کے آفتاب تھے اور دنیائے علم کے شمس حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں اذا ذُکِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِکٌ اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ جب علماء کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو امام مالک ان میں روشن ستارے کی مانند ہیں) اور استاذ اساتذہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ عَیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْهِ فِی الْفِقْهِ (فقہ میں سب لوگ امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں)۔

مقامِ غور!

پس جب امام احمد بن حنبل مجتہد ہونے کی حیثیت سے حافظ الحدیث تھے تو باقی ائمہ ثلاثہ بھی مجتہد ہونے کی بناء پر یقیناً حافظ الحدیث ہیں۔ اگر چہ ان کی شہرت محدث یا حافظ الحدیث کی بجائے مجتہد ایسے بلند منصب میں ہوئی۔ کیوں نہ ہو کہ اعلیٰ منصب کی موجودگی میں ادنیٰ منصب کو مشہور کرنا بے ادبی

ہے"(تذکرۃ المحدثین صفحہ ۱۸)

ان تمام آیات قرآن واحادیث نبوی ﷺ اقوال مفسرین وائمہ دین سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ تقلید مطلقاً اور تقلید شخصی صرف جائز ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان غیر مجتہد پر واجب ہے کیونکہ نزول قرآن کے وقت ارشادات نبوی ﷺ کے وقت صرف اور صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی موجود تھے۔ دینِ اسلام انہی کے سامنے پیش کیا گیا تھا، حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد تابعین حضرات نے مسائل مستنبط ومسائل اجتہادی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کی تقلید کی تھی پھر تبع تابعین نے تابعین حضرات کی تقلید کی۔ تبع تابعین کے دور میں متعدد مذاہب وجود میں آئے جن میں قریباً اٹھارہ مذاہب معروف تھے جن کی تصریح" تنویر الایمان" کے صفحہ ۲۶۳ پر موجود ہے۔ تمام متبحر معتمد علیہ حقانی علمائے امت نے ان تمام مذاہب کی چھان بین کی جن مذاہب پر اصولی فروعی مسائل میں جامع اور مدون پایا وہ صرف چار مذاہب ہیں

۱: مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۲: مذہبِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

۳: مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۴: مذہب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

تمام علمائے امت ومومنین کا اجماع اسی پر ہوا کہ ان چار مذاہب میں سے کسی ایک پر بھی پابندی کے ساتھ عمل کرنا گویا قرآن وحدیث ہی پر عمل کرنا ہے اور ان چاروں مذاہب کے ماننے والے ہی اہل سنت الجماعت ہیں جیسے کہ "القول السدید" میں ہے

وَ قَالَ الطَّحَاوِیُّ فِیْ شَرْحِ الدُّرِّ الْمُخْتَارِ فِیْ کِتَابِ الذَّبْحِ قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِیْنَ – وَ هٰذَا الطَّائِفَةُ الْمُسَمَّاةُ بِاَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْیَوْمَ فِی الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ هُمُ الْحَنَفِیُّوْنَ وَ الْمَالِکِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّوْنَ وَ الْحَنْبَلِیُّوْنَ وَمَنْ کَانَ خَارِجًا مِنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ --- انتهیٰ

(القول السدید فی وجوب التقلید صفحہ ۱۶۵)

ترجمہ: امام طحاوی نے شرح درمختار کتاب الذبح میں فرمایا ہے کہ بعض مفسرین حضرات نے فرمایا کہ یہ

گروہ جو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے بے شک آج چار مذاہب میں جمع ہے اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب ہیں ۔ پس جو کوئی اس زمانہ میں ان چار مذاہب سے خارج ہو گا اہل بدعت اور اہل نار سے ہے۔ (العیاذ باللہ)

جب چار مذاہب حقہ پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے جبکہ اجماع امت ادلہ اربعہ شرعیہ میں تیسری دلیل ہے تو ثابت ہوا کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنا ہر غیر مجتہد مسلمان پر واجب ہے اور منکر خارج از اہل سنت والجماعت ہے جیسا کہ "ارشاد الطالبین" میں ہے

بداں اے فرزند کہ ہر چہار مذہب برحق اند ودانستن ایشاں فرض است ---الخ (ارشاد الطالبین صفحہ ۳۲)

ترجمہ: جان لے اے بیٹے! کہ چاروں مذاہب حق ہیں اور آگاہی ان سے فرض ہے۔

پھر ان چار مذاہب میں علمائے متقدمین متبحرین نے بالاتفاق مذہب حنفی کو از روئے قواعد وضوابط وتخریج مسائل مستنبطہ واجتہادیہ فوقیت دی ہے جو اظہر من الشمس ہے اور غیر متعصب اہل علم حضرات سے مخفی نہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو فقاہت، فراست، وسعت علم، زہد وتقویٰ، ورع واحتیاط وخدا ترسی میں جو مقام حاصل تھا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔

اسی طرح "تذکرۃ المحدثین" میں ہے

"امام اعظم ابوحنیفہ بے حد ذہین اور زیرک تھے، یوں تو فقہ حنفی کے تمام اصول وفروع آپ کی ذہانت وفطانت پر بہترین شاہد ہیں لیکن آپ نے اپنی زندگی میں بارہا لوگوں کے بعض ایسے الجھے ہوئے معاملات کا حل پیش کیا جن کی عقدہ کشائی سے آپ کے تمام معاصرین عاجز ہو چکے تھے اور جب اس وقت کے جلیل القدر ائمہ اور مسلم اساتذہ آپ کے فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی عقل حیران رہ جاتی اور انہیں بے اختیار کہنا پڑتا کہ علم کے جس شہر میں امام ابوحنیفہ رواں دواں ہیں ہم ہنوز اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچ سکے" (تذکرۃ المحدثین صفحہ ۵۲)

شامی نے "ردالمحتار" میں فرمایا

قَالَ ابنُ حَجرٍ وَ رِوَایَۃُ الرَّبِیعِ عَنِ الشَّافِعِیِّ رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہِ اِنَّ النَّاسَ عَیَالٌ فِی الفِقہِ

عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَفْقَہَ مِنْہُ ---- انتھی

ترجمہ: علامہ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں کہ ربیع نے حضرت امام شافعی ﷫ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ ﷫ کے عیال ہیں، میں نے فقہ میں امام ابوحنیفہ ﷫ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح علامہ خوارزمی ﷫ نے فرمایا

قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ

ترجمہ: حضرت امام شافعی ﷫ نے فرمایا کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ ﷫ کے عیال ہیں۔

اور علامہ ابن عبدالبر مالکی ﷫ فرماتے ہیں

لَا تَتَکَلَّمْ فِیْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ بِسُوْءٍ وَلَا تُصَدِّقَنَّ اَحَدًا بِسَیِّءِ الْقَوْلِ فِیْہِ فَاِنِّیْ مَا رَأَیْتُ اَفْضَلَ وَلَا اَوْرَعَ وَلَا اَفْقَہَ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ

(القول السدید فی وجوب التقلید صفحہ ۷۰)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ ﷫ کے بارے میں کوئی بری بات نہ کہو اور اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ ﷫ کی برائی بیان کرے تو اس کی ہرگز تصدیق نہ کرنا، تحقیق میں نے نہیں دیکھا کسی شخص کو امام ابوحنیفہ ﷫ سے زیادہ افضل، پرہیزگار اور فقیہ۔

مصنف ''قولِ سدید'' آگے فرماتے ہیں

وَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ ھُوَ الْحَافِظُ الْاِمَامُ الْمَشْھُوْرُ مِنْ اَئِمَّۃِ الْمَالِکِیَّۃِ ---- الخ

ترجمہ: اور علامہ ابن عبدالبر مشہور امام اور حافظ الحدیث ہیں علمائے مالکیہ سے۔

علامہ امام وکیع ''قائد العقبان'' میں فرماتے ہیں ما رأیت افقہ ولا احسن من ابی حنیفہ رحمت اللہ علیہ یعنی میں نے امام ابوحنیفہ ﷫ سے زیادہ احسن اور زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

اور حضرت علامہ سفیان بن عیینہ ﷫ فرماتے ہیں

مَنْ اَرَادَ الْفِقْہَ فَعَلَیْہِ بِالْکُوْفَۃِ یُلَازِمُ اَصْحَابَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ

یعنی جس کو فقہ حاصل کرنے کا ارادہ ہو وہ کوفہ جا کر ابو حنیفہ ؒ کے شاگردوں سے حاصل کرے۔

وَ قَالَ سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کُنَّا بَیْنَ یَدَیْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کَالْعَصَافِیْرِ بَیْنَ یَدَیِ الْبَازِیْ وَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ سَیِّدُ الْعُلَمَاءِ

(القول السدید فی وجوب التقلید صفحہ ۱۷۱)

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری ؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے آگے ایسے ہوتے جیسے چڑیاں باز کے آگے اور بے شک حضرت امام ابوحنیفہ ؒ علماء کے سردار ہیں۔

وضاحت

جب علمائے امت کے اجماع سے چار مذاہب کو حق اور قابلِ تقلید مانا گیا پھر از روئے علمِ تفقہ اور زہد وتقویٰ وغیرہ اوصاف جمیلہ کے جب امام اعظم ابوحنیفہ ؒ سے بڑھ کر کوئی اور نہ تھا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کو مذہب حنفی کی طرف مائل ہونا ہی تھا اور اس وقت سے لے کر آج تک دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمان بکثرت مذہب حنفی کی تقلید ہی کرتے آئے ہیں اور تا قیامت کرتے رہیں گے (ان شاء اللہ) جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں

وَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ الْمُبَارَکِ لَیْسَ اَحَدٌ اَحَقُّ اَنْ یُّقْتَدٰی بِہٖ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ لِاَنَّہٗ کَانَ اِمَامًا تَقِیًّا نَقِیًّا وَرِعًا عَالِمًا فَقِیْہًا کَشَفَ الْعِلْمَ لَمْ یَکْشِفْہُ اَحَدٌ-- الخ (القول السدید فی وجوب التقلید صفحہ ۱۷۱)

ترجمہ: عبداللہ بن مبارک ؒ بہت بڑے محدث اور فقیہہ تھے فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ سے زیادہ حقدار کوئی بھی نہیں کہ اس کی اقتداء کی جاوے اور حضرت امام ابوحنیفہ ؒ امام متقی پاکباز، پرہیزگار، عالم اور فقیہہ تھے۔ انہوں نے علم اس طرح پھیلایا کہ کسی نے بھی ان کے مانند علم کو نہیں پھیلایا--- انتہیٰ۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ "فیوض الحرمین" میں تحریر فرماتے ہیں

عَرَّفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَذْھَبِ الْحَنَفِیِّ طَرِیْقَۃً اَنِیْقَۃً ھِیَ اَوْفَقُ الطُّرُقِ بِالسُّنَّۃِ --- الخ (القول السدید صفحہ ۱۷۳)

ترجمہ: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے --- الخ

اور کیوں نہ ہوگا جبکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ --- متفق علیہ

بخاری اور مسلم شریف اس حدیث شریف کے روای ہیں یعنی جس کیلئے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ جس کو اصطلاح شرح میں فقیہ عالم کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ فقاہت میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی بھی فقیہ نہیں ہوا۔ نیز مذکورہ حوالہ جات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ چار مذاہب حقہ میں سے کسی ایک مذہب کی بھی اگر کوئی تقلید نہ کرے گا تو وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہوگا جو بمصداق مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ جو جماعت سے الگ ہوا اس کو الگ تنہا ہی دوزخ میں داخل کیا جاوے گا۔

اسی طرح ''البصائر'' میں ہے

وَقَالَ الطَّحَاوِیُّ فِیْ شَرْحِ الدُّرِّ الْمُخْتَارِ فِیْ کِتَابِ الذَّبْحِ قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِیْنَ فَعَلَیْکُمْ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِتِّبَاعُ الْفِرَقِ النَّاجِیَۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِاَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ - اِلٰی اَنْ قَالَ - وَھٰذِہِ الطَّائِفَۃُ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْیَوْمَ فِی الْمَذَاھِبِ الْاَرْبَعَۃِ ھُمُ الْحَنَفِیُّوْنَ وَالْمَالِکِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّوْنَ وَالْحَنْبَلِیُّوْنَ فَمَنْ کَانَ خَارِجًا فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ مِنْ ھٰذِہِ الْمَذَاھِبِ الْاَرْبَعَۃِ فَھُوَ مِنْ اَھْلِ الْبِدْعَۃِ وَالنَّارِ --- انتہیٰ (البصائر صفحہ ۱۵۵)

ترجمہ: طحاوی میں ہے کہ فرمایا بعض مفسرین نے کہ اے گروہ مسلمانان لازم ہے تم پر اتباع فرقہ ناجیہ کی جو موسوم ہے اہل سنت والجماعت کے نام سے۔ فرمایا اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت جمع ہے آج چار مذاہب میں اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہے --- رحمہم اللہ۔ پس جو کوئی اس زمانہ میں ان چار

مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی بھی اتباع نہ کرے گا اور ان چاروں مذاہب سے خارج ہوگا تو وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے۔

وضاحت

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کی فقاہت اور علم مسلّم ہے اور مذہب حنفی تمام مذاہب میں افضل ہے جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی ؒ کتاب ''راحت القلوب'' میں فرماتے ہیں'' حضرت خواجہ سید العابدین زبدۃ العارفین فرید الحق والدین گنج شکر بتاریخ ۱۱ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ فرمود کہ ہر چار مذہب برحق اند لیکن بالیقین باید دانست کہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ ؒ از ہمہ مذاہب فاضل تر است و مذاہب دیگر پس رو وے اند و امام ابوحنیفہ ؒ افضل المتقدمین است والحمد للہ کہ ما در مذہب وے ایم''

ترجمہ: یعنی حضرت شیخ المشائخ خواجہ فرید الدین گنج شکر ؒ نے ۱۱ ذی الحجہ ۶۵۵ھ کو فرمایا کہ چاروں مذاہب حق ہیں لیکن یقین کے ساتھ جان لینا چاہئے کہ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا مذہب تمام مذاہب سے افضل ہے اور دوسرے مذاہب اس کے بعد ہیں۔ نیز حضرت امام اعظم ؒ افضل المتقدمین ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم امام اعظم ؒ کے مذہب پر ہیں---انتہیٰ (سیف المقلدین جلد۲ صفحہ ۸۴)

اور اسی کتاب میں اسی صفحہ پر ہے جس کا ترجمہ اردو میں یہ ہے

''فتح المبین میں ''خیرات الحسان'' سے جو علامہ ابن حرج مکی ؒ کی تصنیف ہے میں ابو معانی فضل بن خالد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوحنیفہ ؒ کے علم کے بارے میں حضور کیا فرماتے ہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ؒ کا علم وہ علم ہے جس کی لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے۔

اسی طرح مسدد بن عبد الرحمن بصری سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں صبح صادق سے پہلے اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، میں نے عرض کی کہ یا رسول

اللہ ﷺ کوفہ میں نعمان بن ثابت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا میں ان سے علم حاصل کروں؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ان سے علم حاصل کرو اور ان کے علم پر عمل کرو کیونکہ وہ مرد صالح ہے۔
(سیف المقلدین جلد ۲ صفحہ ۸۴)

اسی طرح یحیٰی بن معین جو بہت بڑے محدث تھے ان کی عمر کچھ اوپر ستر برس تھی فرماتے ہیں کہ

اَلْقِرَاءَۃُ عِنْدِیْ قِرَاءَۃُ حَمْزَۃَ وَالْفِقْهُ فِقْهُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللهِ عَلَیْهِ وَ عَلٰی هٰذَا اَدْرَکْتُ النَّاسَ

یعنی میرے نزدیک قراۃ حمزہ کی ہے اور فقہ ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور اسی پر میں نے لوگوں کو پایا۔

مَذْهَبُ النُّعْمَانِ خَیْرُ الْمَذَاهِبِ | کَالْقَمَرِ الْوَضَاحِ خَیْرُ الْکَوَاکِبِ
تَفَقَّهَ فِیْ خَیْرِ الْقُرُوْنِ مَعَ التُّقٰی | فَمَذْهَبُهٗ لَا شَکَّ خَیْرُ الْمَذَاهِبِ

ترجمہ: تمام مذاہب میں بہترین مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے جیسے روشن چاند ستاروں سے بہتر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خیر القرون میں تقوٰی کے ساتھ فقہ حاصل کیا۔ پس بلاشک وشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب تمام مذاہب سے بہتر ہے۔ -- انتہی (سیف المقلدین جلد ۲ صفحہ ۸۵)

امام مزنی رحمہ اللہ جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں

علم کے چار حصوں میں تین حصے تو علمائے کرام نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کیلئے خاص کئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام علماء کیلئے رکھا ہے (امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تصنیف مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی صفحہ ۱۳۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی سے تقلید شخصی کے بارے میں ایک سوال اس طرح ہوا:

سوال: تقلید شخصی کی وجوب کی کیا دلیل ہے؟ از احمد سعید خان مراد آبادی

جواب: فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ -- الآیہ اور نا اتفاقی ہونا اور لاابالی ہونا عوام کا بسبب عدم تقلید کے دلیل وجوب شخصی ہے کہ اس میں انتظام عوام ہے (فتاوٰی رشیدیہ صفحہ ۱۸۰)

اسی طرح مولانا رشید احمد صاحب سے ایک سوال ہوا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع رسول سید العالمین در باب تقلید شخصی، آیا یہ واجب

ہے یا جیسا غیر مقلدین معاذ اللہ گمان کرتے ہیں کہ شرک یا بدعت ہے؟ از مولوی شیخ محمد صاحب از ضلع فیروز پور پنجاب ۱۳۱۰ھ۔

جواب: جواب طویل ہے --- قال فی الآخر --- پس واضح ہو کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کو بدعت یا شرک کہنا جہل محض ہے --- وَاللّٰہُ اَعْلَمُ کَتَبَہُ الْاَحْقَرُ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۱)

مولانا رشید احمد سے ایک اور سوال اور اس کا جواب

سوال: مسئلہ قرونِ ثلٰثہ میں تقلید شخصی کا ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب: تقلیدِ شخصی خود قرآنِ کریم سے ہی ثابت ہے تو پھر قرونِ ثلٰثہ کیا کیا پوچھا ہے قولہ تعالیٰ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۵)

نوٹ: ان تمام حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ مذاہبِ اربعہ حق ہیں اور ان میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کرنا فرض ہے لیکن اقوال ائمہ دین سے معلوم ہوا کہ مذہب حنفی میں سنتِ نبوی ﷺ کے ساتھ پوری طرح موافقت موجود ہے جیسے کہ سابقہ سطور میں شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فی زمانہ واجب ہے کہ وہ چار مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ مذہب حنفی یعنی امام اعظم ؒ کی تقلید کرے کیونکہ ان کا علم ان کی فقاہت اور دیگر اوصاف جمیلہ عند العلمائے الراسخین مسلّم ہیں اور وہ امام المسلمین ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے --- فافہم۔

یہ کہنا کہ امامِ اعظم ؒ ہماری طرح آدمی ہی تو تھے اس میں کوئی نہیں کہ یہ منکرین بھی انسان ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ ؒ بھی انسان تھے البتہ یہ کہنا کیا وہ دین کو سمجھتے تھے اور ہم نہیں سمجھتے ہیں --- حاشا وکلا

کجا مہدی کجا دجال ناپاک | چہ نسبت خاک را با عالم پاک

علم میں اگر یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے برابر سمجھتے ہیں تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے اور ان کی حماقت کی انتہا ہے بلکہ یہ بات ہی ان کی جہالت پر بیّن دلیل ہے۔ امام اعظم ؒ

کی فقاہت اور علم کے بارے میں چند متقدمین علمائے حقانی کے اقوال ملاحظہ فرماویں

کلمات الثناء

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے علمی اور عملی کمالات کی آپ کے معاصرین اور بعد کے ائمہ و مجتہدین نے تعریف و تحسین کی اور آپ کی دینی خدمات کو انتہائی عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

خلف بن ایوب بانگ دہل کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے علم حضور ﷺ تک پہنچا، وہ علم آپ ﷺ نے صحابہ تک پہنچایا، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تابعین کو اور تابعین سے وہ علم امام اعظم ابوحنیفہ ؒ اور ان کے اصحاب کو ملا حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

ابن عیینہ ؒ عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ابوحنیفہ ؒ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پوتے جناب قاسم کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رسان اور کوئی مجلس نہیں ہے۔

مسعر بن کدام ؒ کہتے تھے کہ کوفہ میں مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے: ابوحنیفہ ؒ پر ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ ہے۔

اسرائیل کا قول ہے کہ حضرت نعمان ؒ اچھے آدمی تھے، احکام سے متعلق کسی کو ان سے زیادہ احادیث یاد نہ تھیں، نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کی فقہ جاننے والا تھا۔ انہوں نے حماد ؒ سے احادیث یاد کیں اور خوب یاد کیں۔ خلفاء اور امراء نے ان کی عزت کی اور جو شخص فقہی مسائل میں ان کے ساتھ بحث کرتا ان کی جان مصیبت میں آجاتی تھی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۸ و تذکرہ محدثین صفحہ ۶۰)

حضرت امام ابویوسف ؒ کا قول ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ ؒ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا --- الخ

ابوبکر بن عیاش ؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تعزیت کے سلسلہ میں سفیان کے گھر پہنچا۔ مجلس

آدمیوں سے بھری ہوئی تھی جب امام اعظم ؒ آئے تو سفیان ؒ نے کھڑے ہوکر ان کی تعظیم کی اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھایا اور خود سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ بعد میں میں نے ان سے اس قدر تعظیم کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں، اگر میں ان کے علم کیلئے نہ اٹھتا تو ان کے سن و سال کی وجہ سے اٹھتا اور اگر سن وسال کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے فقہ کی وجہ سے اٹھتا اور اگر فقہ کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کی وجہ سے اٹھتا۔

حضرت امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک ؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ ؒ کو دیکھا تھا، فرمایا ہاں میں نے انہیں ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو اپنے علم کے زور پر ایسا کر سکتے تھے۔ امام شافعی ؒ کہتے ہیں کہ تمام لوگ تو فقہ میں امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں ---الخ (تذکرۃ المحدثین صفحہ ۶۱)

"ومحقق شعرانی در میزان کبریٰ آوردہ کہ ابوجعفر از شقیق بلخی ؒ آوردہ کہ وے ؒ میفرمودے کہ امام ابوحنیفہ ؒ اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس بود و نیز زیادہ تر ایشاں بود در احتیاط در دین و بود امام ابوحنیفہ ؒ کہ ہیچ مسئلہ را در علم درج نساختے تا آنکہ اجماع ہمہ اصحاب وے بر آن نگشتی و منعقد کردے برائے آن مسئلہ مجلسی را۔ پس وقتیکہ کل اصحاب وے رحمت اللہ متفق گشتندی بریں کہ ایں مسئلہ موافق شریعت است ابویوسف ؒ ویا دیگر یرا حکم فرمودی کہ ایں مسئلہ را در فلاں باب درج کن ---انتہیٰ (سیف المقلدین جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

ترجمہ: محقق شعرانی ؒ نے "میزان کبریٰ" میں درج فرمایا ہے کہ ابوجعفر ؒ نے شقیق بلخی ؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ سب لوگوں سے زیادہ متقی اور صاحب ورع تھے اور سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے اور سب سے زیادہ صاحبِ کرم تھے اور دینی امور میں سب سے زیادہ احتیاط کرنے والے تھے اور امام ابوحنیفہ ؒ کوئی مسئلہ علوم شریعت میں درج نہ فرماتے جب تک کہ اس مسئلہ پر تمام علماء اور ان کے شاگردوں کا اجماع منعقد نہ ہو جاتا اور ایسے ہر ایک مسئلہ کیلئے باقاعدہ ایک مجلس منعقد کیا کرتے پھر جب اس مسئلہ پر تمام علماء کا اجماع منعقد ہو جایا

کرتا کہ یہ مسئلہ شریعت کے موافق ہے تو اس کے بعد امام ابوحنیفہ ؒ امام یوسف ؒ یا کسی اور کو حکم فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں درج کرو۔

متقدمین علمائے امت کے اقوال اور ان چند مذکورہ بالا حوالہ جات سے بخوبی امام ابوحنیفہ ؒ کا علمی مقام اجاگر ہوا۔ زید اور اس کے ہم نواؤں کو جو علمِ دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں ان معتمد علمائے امت کے اقوال کو مان لینا چاہئے اور اپنی بے جا ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر توبہ تائب ہونا چاہئے۔

حضرت امام اعظم ؒ کا علمی مقام تو بخوبی واضح ہوگیا ہے اب ان کی دیانتداری، تقویٰ وورع اور عبادت گزاری سے متعلق چند حوالے پیشِ خدمت ہیں، غور سے ملاحظہ فرماویں

علامہ عبدالوہاب شعرانی ؒ مالکی در میزان کبریٰ از عبداللہ ابن المبارک ؒ می آورد کہ وے رحمۃ اللہ فرمود کہ در آمدم بکوفہ پس از باشندگان آن مقام خاصہ از علماء آں شہر دریافت نمودم وگفتم کے دریں بلادِ شما اعلم الناس کیست، پس ہر ہمہ گفتند امام ابوحنیفہ ؒ --- باز پرسیدم اورع الناس مائل تر بعقبےٰ کیست پس ہر ہمہ گفتند امام ابوحنیفہ ؒ --- باز پرسیدم کہ اعبد الناس ومشغول تر بعلم کیست، پس ہر ہمہ گفتند امام ابوحنیفہ ؒ --- الخ بطولہٖ (سیف المقلدین صفحہ ۱۸۵)

ترجمہ: حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی ؒ مالکی ''میزانِ کبریٰ'' میں عبداللہ ابن مبارک ؒ سے نقل کرتے ہیں فرمایا انہوں نے کہ میں کوفہ میں آیا تو میں نے وہاں کے باشندوں خاص کر اس شہر کے علماء سے دریافت کیا کہ آپ کے اس علاقہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو ان سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ؒ - میں نے ان سے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ پرہیزگار اور آخرت کی طرف مائل کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ؒ میں نے ان سے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ زاہد اور تارک الدنیا کون ہے؟ تو ان سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ؒ میں نے ان سے پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ عبادت کرنے والا اور علم میں مشغول کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ؒ ۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اخلاقِ حسنہ میں سے کسی خلق کے بارے میں جب ان سے سوال کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ ہمیں امام ابوحنیفہ ؒ سے بڑھ کر اور کوئی معلوم نہیں۔ سبحان اللہ رب ذوالجلال نے امام ابوحنیفہ ؒ کو کیا نرالا

ہے یا جیسا غیر مقلدین معاذ اللہ گمان کرتے ہیں کہ شرک یا بدعت ہے؟ از مولوی شیخ محمد صاحب از ضلع فیروز پور پنجاب ۱۳۱۰ھ۔

جواب: جواب طویل ہے --- قال في الآخر --- پس واضح ہو کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کو بدعت یا شرک کہنا جہل محض ہے --- وَاللهُ اَعْلَمُ كَتَبَهُ الْاَحْقَرُ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۱)

مولانا رشید احمد سے ایک اور سوال اور اس کا جواب

سوال: مسئلہ قرونِ ثلثہ میں تقلید شخصی کا ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب: تقلیدِ شخصی خود قرآنِ کریم سے ہی ثابت ہے تو پھر قرونِ ثلثہ کیا کیا پوچھا ہے قوله تعالى فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۵)

نوٹ: ان تمام حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کرنا فرض ہے لیکن اقوال ائمہ دین سے معلوم ہوا کہ مذہب حنفی میں سنتِ نبوی ﷺ کے ساتھ پوری طرح موافقت موجود ہے جیسے کہ سابقہ سطور میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فی زمانہ واجب ہے کہ وہ چار مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ مذہب حنفی یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے کیونکہ ان کا علم ان کی فقاہت اور دیگر اوصاف جمیلہ عند العلمائے الراسخین مسلّم ہیں اور وہ امام المسلمین ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے --- فافہم۔

یہ کہنا کہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہماری طرح آدمی ہی تو تھے اس میں کوئی نہیں کہ یہ منکرین بھی انسان ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی انسان تھے البتہ یہ کہنا کیا وہ دین کو سمجھتے تھے اور ہم نہیں سمجھتے ہیں --- حاشا و کلا

کجا مہدی کجا دجال ناپاک | چہ نسبت خاک را با عالم پاک

علم میں اگر یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے برابر سمجھتے ہیں تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے اور ان کی حماقت کی انتہا ہے بلکہ یہ بات ہی ان کی جہالت پر بیّن دلیل ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

والا) نہیں دیکھا (امام اعظم ابوحنیفہ ؒ صفحہ ۳۸۳)

'فتاویٰ برہنہ'' میں ہے

''امام المسلمین وقبلۃ العارفین سید التابعین وسند المجتہدین شمع الملۃ الحنیفۃ البیضاء وسراج امۃ سید الرسل والانبیاء امام اعظم صوفی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ؒ وَ اَرْضَاهُ وَ جَعَلَ فِرَادِیْسَ الْجِنَانِ مَسْکَنَهٗ وَ مَأْوَاهُ ---وے درصحابہ کرام ؓ متولد شدہ وچہاردہ نفررا ازاصحاب عظام دریافتہ چوں انس بن مالک وعبداللہ بن ابی اوفی وعبداللہ بن حزم وجابر بن عبداللہ وواثلہ بن اسقع وغیرہم ؓ۔ و ازیں اصحاب کبار روایت حدیث بروجہ اتصال کردہ'' (فتاویٰ برہنہ جلد ۳۲ صفحہ ۱۸۴)

ترجمہ: مصنف ''فتاویٰ برہنہ'' بعد القابات کثیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ؒ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے چودہ اصحاب کبار کی ملاقات پائی تھی جیسے حضرت انس بن مالک، عبدا بن ابی اوفی، عبدا بن حزم، جابر بن عبدا اللہ اور واثلہ بن اسقع وغیرہ ؓ ہوئے اور ان صحابہ کرام سے امام ابوحنیفہ ؒ نے بروجہ اتصال احادیث روایت کی ہیں۔

اور اسی کتاب میں اگلے صفحہ پر ہے

''واز ابی ہریرہ ؓ آمدہ کہ پیغمبر فرمود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ وَ فِیْ رِوَایَةٍ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ اِسْمُهٗ نُعْمَانُ وَ کُنْیَتُهٗ اَبُوْ حَنِیْفَةَ هُوَ سِرَاجُ اُمَّتِیْ قَالَهٗ ثَلٰثًا -- وَ فِی الْمَوَاهِبِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَهُ النُّعْمَانُ هُوَ سِرَاجُ اُمَّتِیْ یَبْقَی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی یَدَیْهِ شَرِیْعَتِیْ وَ سُنَّتِیْ فَمَنْ لَقِیَهٗ مِنْکُمْ فَبَشِّرُوْهُ بِالزُّلْفٰی اِلٰی اَنْ قَالَ --- ودر ملتقط از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گفتہ باشد کہ بعد از پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مردے کہ کنیت او ابوحنیفہ ؒ باشد-- وکعب الاحبار گفتہ کہ مامی یابیم در توریت کہ حق تعالیٰ می فرماید جل جلالہ درامت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مردے باشد کہ کنیت او ابوحنیفہ ؒ باشد'' (فتاویٰ برہنہ ۱۸۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے بیشک ہماری امت میں اور ایک

مقام عطا فرمایا---انتہی۔

اور علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے ''خیرات الحسان'' میں فرمایا کہ بکر بن معروف نے فرمایا کہ میں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادہ تر نیک خصلت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کسی کو نہ دیکھا۔

حافظ محمد بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان کے زمانہ میں از روئے علم و ورع تقویٰ کوئی بھی زیادہ نہ تھا اور نہ ان سے زیادہ کوئی عارف اور فقیہ تھا--الخ (سیف المقلدین صفحہ ۱۸۶)

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ہم بہت سے حضرات کے پاس بیٹھے اور بہت سے حضرات کو دیکھا لیکن ہم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا آدمی نہ دیکھا اور نہ سنا۔ میں نے ان کو دیکھتے ہیں جان لیا تھا کہ وہ متقی ہیں۔

قیس بن ربیع کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے متقی ہیں، وہ لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرتے تھے لیکن ان کے ہمعصران سے حسد رکھتے تھے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم سیکھا لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی اور کم گو میں نے کسی کو نہ پایا۔

ابن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے زیادہ کسی کو متقی نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے زیادہ متقی اور فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے علم، تقویٰ اور فقہ کی وجہ سے ہم سب پر غالب رہتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن عابس کہتے ہیں کہ ہم نے امام صاحب رحمہ اللہ جیسا متقی نہیں دیکھا۔

وکیع کہتے ہیں کہ حدیث میں جس قدر تقویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اختیار کرتے تھے ہمیں میسر نہیں ہوا

احمد بن بدیل کہتے ہیں کہ میں نے مبشر کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا قائم اللیل (ساری رات عبادت الٰہی میں کھڑے ہو کر گزارنے والا) اور صائم النہار (دنوں کو روزہ رکھنے

کہ وہ ستون کیا ہوا؟ بعض کتابوں میں درج ہے کہ وہ آدمی یہودی تھا جس سے اس کی لڑکی نے یہ سوال کیا تھا۔

اسی طرح ''فتاوی برہنہ'' میں ہے ''عبداللہ بن مبارک گوید کہ امام چہل وپنج سال پنج نماز رابیک وضو گزارد'' (فتاوی برہنہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

ترجمہ: عبداللہ ابن مبارک ؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ؒ پینتالیس سال تک ایک وضو سے پانچ نمازیں ادا فرماتے تھے۔

اسی فتاوی برہنہ'' میں ہے

چوں امام ابوحنیفہ ؒ حج آخریں گزارد نصف مال را بہ خادمان داد والتجا نمود ورخصت خواست کہ شبے اندرونِ کعبہ نماز گزارد وگفتند کہ ایں قبل از تو کسے را میسر نشدہ۔ اما چوں تو اعلم ومقتداء دربار خواہم کرد امام ؒ درمیان دوستون بایستاد ونیمہ قرآن رادر ایک رکعت بریک پائے خواند ونیمہ دیگر رادر رکعت دیگر برپائے دیگر خواند ۔۔۔الخ بطولہٖ (فتاوی برہنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)

ترجمہ: جب امام اعظم ؒ نے آخری حج ادا فرمایا تو اپنا آدھا مال حرم شریف کے خدام میں تقسیم فرمادیا اوران سے کعبہ شریف کے اندر ایک رات عبادت کرنے کی اجازت چاہی۔ خادموں نے کہا کہ آپ سے پہلے یہ سعادت کسی کو نصیب نہیں ہوئی لیکن آپ علم میں یکتا ہیں اور مسلمانوں کے مقتداء ہیں تو آپ کیلئے کعبہ شریف کا دروازہ کھول دیں گے۔ پھر امام اعظم ؒ دوستون کے درمیان کھڑے ہوگئے اور نصف قرآن پاک ایک پیر پر کھڑے ہو کر ایک رکعت میں پڑھا اور باقی نصف قرآن کریم دوسرے پیر پر کھڑے ہو کر دوسری رکعت میں پڑھا۔ نماز کے بعد بارگاہ رب العزت میں مناجات فرمائی کہ اے رب! میں آپ کی حق معرفت حاصل نہ کرسکا اور حق عبادت ادانہ کرسکا پس میری کوتاہی اور تقصیر کو اپنے کمالِ معرفت سے بخش دے۔ خانہ کعبہ کے اندر ایک گوشہ سے آواز آئی کہ اے ابوحنیفہ! تم نے پہچانا مجھے اور مجھے پہچاننے میں مخلص ثابت ہوئے اور تم نے اخلاص کے ساتھ میری عبادت کی، میں نے تم کو بخش دیا اور قیامت تک تیرے مذہب پر عمل کرنے والوں کو بھی بخش دیا۔ مصنف فرماتے

روایت میں ہے کہ میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کا نام نعمان ہوگا کنیت ابوحنیفہ، وہ میری امت کا چراغ ہے، یہ الفاظ حضور ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔

اور ''مواہب'' میں ہے

''عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے عنقریب میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا کہ اس کا نام نعمان ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے باقی رکھے گا میری شریعت اور سنت کو۔ پس تم میں سے جو کوئی اس کی ملاقات پائے تو بشارت دو اس کو قرب الٰہی یعنی بلند مقام کی۔ مصنف فرماتے ہیں کہ ملتقط میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا پیغمبر خدا ﷺ کے بعد ایک آدمی ہوگا کہ اس کی کنیت ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہوگی اور کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم توریت میں دیکھتے ہیں کہ فرمایا اللہ جل جلالہ نے کہ امت محمد ﷺ میں ایک آدمی ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی''

(الکل من الترصیف، جلد۲ صفحہ ۱۸۵، فتاویٰ برہنہ)

ان روایات سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام بخوبی واضح ہو چکا ہے اور ان روایات کی تصدیق وہ حدیث شریف بھی کرتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْفَارِسِ یعنی اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی لے آتا۔ محدثین حضرات کا اتفاق ہے اس بات پر کہ اس حدیث شریف میں واضح اشارہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کیونکہ وہ ابنائے فارس سے ہیں۔ اسی کتاب میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کو رات میں کثرتِ قیام کی وجہ سے وتد کہتے تھے اور امام اعظم رحمہ اللہ فوت ہوئے تو ایک لڑکی نے اپنے والد سے کہا ''بابا آں ستون چہ شد گفت آں ستون نبود امام المسلمین بود'' یعنی لڑکی نے اپنے والد سے کہا کہ بابا وہ ستون کیا ہوا تو اس کو اپنے والد نے کہا بیٹی وہ ستون نہ تھا بلکہ وہ امام المسلمین تھے۔

وضاحت: یعنی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اتنی کثرت سے رات کو قیام فرمایا کرتے کہ گویا وہ ایک ستون ہیں۔ وفات کے بعد جو وہ ستون نظر نہ آنے لگا تو اسی وجہ سے لڑکی نے اپنے والد سے سوال کیا

احرام باندھتے تھے۔ اس طرح امام اعظم ﷫ نے اپنی پوری عمر شریف میں پچپن حج ادا فرمائے۔

سبحان اللہ! کیا مقام ہے سراج الامت ﷫ کا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۶ پر درج ہے

در حاشیہ فصول آوردہ کہ چوں امام ابوحنیفہ ﷫ بروضہ مقدسہ نبویہ ﷺ آمد بدوزانو بنشست وگفت اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ از دیوار خطیرہ مقدسہ جواب آمد وَ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: یعنی امام اعظم ﷫ جب حضور اقدس ﷺ کے روضہ منورہ پر حاضری دینے گئے تو دو زانو ادب سے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ تو روضہ اقدس کی دیوار سے یہ جواب ملا وَ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ (فتاوی برہنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶)

سبحان اللہ! یہ ہے مرتبہ امام ﷫ کا بارگاہ نبوی ﷺ میں۔ اسی کتاب میں ہے کہ امام اعظم ﷫ کی تدفین کے بعد پوری رات وفات امام ﷫ پر آوازیں سنائی دیتی تھیں اور جنات روتے تھے اور یہ بھی درج ہے کہ بوقت شدائد مصائب امام شافعی ﷫ روضہ امام ﷫ پر حاضر ہوتے اور ان کے توسل سے بارگاہ رب العزت میں دعا کیا کرتے اور بعد وفات امام ﷫ بھی ان کا احترام فرماتے۔ حضرت امام شافعی ﷫ نے امام اعظم ﷫ کی مدح میں چند اشعار فرمائے جن کا ترجمہ یہ ہے

۱: بیشک امام ابوحنیفہ ﷫ نے جو امام المسلمین ہیں شہروں کو اور ان میں بسنے والوں کو علم سے مزین کیا۔

۲: وہ علم جو آیات قرآن اور احادیث شریف اور فقہ پر مشتمل ہے جن کو تمام علوم پر فوقیت حاصل ہے جس طرح تمام صحائف پر آیات زبور کو فضیلت حاصل ہے۔

۳: امام اعظم ﷫ نے نور اسلام کو پھیلایا، وہ حضور اقدس ﷺ کے نائب اور ان کے علوم کے امین اور حفاظت کنندہ ہیں، اسی طرح مخلوق خدا کیلئے بھی امین ہیں۔

۴: پس امام اعظم ﷫ کی طرح نہ کوئی مشرق نہ مغرب اور نہ کوفہ میں ہے۔

فَلَعْنَۃُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ | عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَۃ

ترجمہ: پس لعنت ہو ہمارے رب کی ریت کے ذروں کے برابر اس پر جو قول امام سے سرتابی کرے۔

ہیں کہ الحمد اللہ تعالیٰ کہ مادر مذہب اوئیم یعنی الحمد للہ کہ ہم حنفی مذہب پر عمل پیرا ہیں۔

اسی کتاب میں مصنف ؒ فرماتے ہیں (فارسی کا اردو ترجمہ)

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے علم حدیث چار ہزار ائمہ تابعین ؒ سے حاصل کیا لیکن جب امام ؒ استنباط مسائل میں مشغول ہو گئے تو روایت حدیث ان سے بکثرت ظہور پزیر نہ ہو سکی۔ جس طرح حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اشاعت دین میں منہمک رہے اور اصلاح امت میں مشغول رہے تو ان دونوں حضرات سے بھی احادیث بکثرت مروی نہیں ہیں۔ انتہی

(فتاویٰ برہنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

مزید فرماتے ہیں کہ

''جعفر بن زیاد الاحمر گفتہ کہ عدد ختمات قرآن در موضعے کہ امام ابوحنیفہ ؒ رحلت کردہ غیر سائر مواضع ہفت ہزار رسیدہ و در کشف آوردہ کہ روزے روزہ میداشت و روزے تناول میکرد و ہر روز ختم میکرد و در رمضان المبارک یک ختم در روز و یک در شب و یک در تراویح میکرد، در کل ماہ رمضان شصت و یک ختم میکرد'' (برہنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)

ترجمہ: جعفر بن زیاد احمر نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے جس جگہ وفات پائی اس جگہ سات ہزار ختم کئے تھے۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر مواضعات کے اور ''کشف'' میں مرقوم ہے کہ امام اعظم ؒ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کیا کرتے اور روزانہ قرآن کریم کا ختم کیا کرتے اور رمضان شریف میں ایک ختم دن میں اور ایک رات میں کیا کرتے اور ایک ختم قرآن تراویح میں کرتے تھے اس طرح پورے ماہ رمضان میں اکسٹھ ختم قرآن کرتے۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے

در آخر جواہر الفتاویٰ گفتہ کہ امام ابوحنیفہ ؒ ہر سال احرام حرم محترم بستہ اند، چنانچہ مدت عمر پنجاہ و پنج حج گزاردہ اند

ترجمہ: ''جواہر الفتاویٰ'' کے آخر میں لکھا ہے کہ امام اعظم ؒ ہر سال حرم شریف یعنی ادائے حج کیلئے

صحابہ کرام ؓ سے اور ان کے پیروکار تابعین حضرات سے راضی ہے اور وہ سب حضرات اللہ تبارک و تعالیٰ سے راضی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورہ توبہ : ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی (کنز الایمان)

اور ظاہر ہے جیسا کہ سطور سابقہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت امام اعظم ؒ بلا شک وشبہ تابعی ہیں اور انہوں نے متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ملاقات کی ہے اور ان سے احادیث بھی روایت کی ہیں اور اس پر حضرات تبع تابعین تمام علمائے حقانی اور اکابرینِ امت کا اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ اعلم العلماء تھے اور آپ کا علم تمام علماء کے مقابلہ میں بہت وسیع تھا جیسے کہ علامہ امام مزنی ؒ جو امام شافعی کے شاگردِ رشید ہیں فرماتے ہیں "علم کے چار حصوں میں سے تین حصے علماء کرام نے امام حنیفہ ؒ کیلئے خاص کئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام علماء کیلئے رکھا ہے"

(امام اعظم ابوحنیفہ ؒ صفحہ ۱۳۱)

اس کتاب کے اسی صفحہ پر علامہ ابنِ تیمیہ جو محتاج تعارف نہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ؒ سے اگر چہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے لیکن ان کے فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کر سکتا کچھ لوگوں نے عناداً انکی تذلیل کی ہے اور انکی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں (بحوالہ حدائق)

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی ؒ فرماتے ہیں

بانی فقہ ابوحنیفہ است وسہ حصہ از فقہ اورا مسلم داشتہ اند ودر ربع باقی ہمہ شرکت درانند در فقہ خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال وے---الخ

ترجمہ: فقہ کے بانی حضرت امام ابوحنیفہ ؒ ہیں اور علمائے کرام نے علم فقہ کے تین حصے ان کیلئے مقرر فرمائے ہیں اور چوتھے حصہ میں تمام علمائے کرام شریک ہیں اور فقہ میں امام ابوحنیفہ ؒ کی مثال گھر کی

ہے اور باقی علماء کی مثال عیال کی ہے۔۔۔الخ (مکتوب نمبر ۵۵ جلد ۲)

مصنف کتاب (امام اعظم ابوحنیفہ) جناب مفتی عزیز الرحمن دیوبندی فرماتے ہیں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اعمال اور اخلاق میں بھی نہایت مکمل انسان تھے یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں نہایت مکمل ترین علم عطا فرمایا تھا۔۔۔انتہی

اس مکمل ترین خداداد علم کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم فقہ کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام جیسے برگزیدہ ولی اللہ بھی ان کے حلقہ درس میں زانوئے تلمذ تہہ فرمایا کرتے جیسے کہ ''مشارق الانوار'' میں ہے

نَقَلَ صَاحِبُ الْبَدَائِعِ عَنِ ابْنِ الْجَوْزِیِ - اِنَّ الْخَضِرَ علیہ السلام کَانَ یَحْضُرُ مَجْلِسَ فِقْہِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَقْتَ الصُّبْحِ یَتَعَلَّمُ مِنْ عِلْمِ الشَّرِیْعَةِ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَاَلَ الْخَضِرُ رَبَّہٗ اَنْ یَّرُدَّ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ رُوْحَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ حَتّٰی یُتِمَّ لَہٗ عُلُوْمَ الشَّرِیْعَةِ فَکَانَ یَاْتِیْ کُلَّ یَوْمٍ وَقْتَ الصُّبْحِ عَلٰی عَادَتِہٖ عِنْدَ الْقَبْرِ یَسْمَعُ مِنْہُ مَسَائِلَ الْفِقْہِ وَالشَّرِیْعَةِ بَعْدَ مَوْتِہٖ - انتہٰی (مشارق الانوار جلد ۲ فصل ۳ باب ثالث صفحہ ۲۰)

ترجمہ: صاحب بدائع نے ابن جوزی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ خضر علیہ السلام ہر روز صبح کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درِ فقہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور علومِ شریعت سیکھا کرتے تھے۔ پس جب حضرت امام ابوحنیفہ کی وفات ہو چکی تو خضر علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں سوال کیا کہ یا اللہ! تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روح اس کو قبر میں لوٹا دے کہ میرے باقی ماندہ علومِ شریعت کی تکمیل ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کا سوال قبول فرمایا اور پھر خضر علیہ السلام اپنی سابقہ عادت کے مطابق ہر روز صبح کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے روضہ پر حاضر ہوا کرتے اور علومِ شریعت وفقہ کے مسائل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کو اپنی قبر ہی میں سے سکھایا کرتے۔

سبحان اللہ! کیا مقام عطا فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ کو۔ بفضلہ تعالیٰ مندرجہ بالا حوالہ جات سے امام اعظم رحمہ اللہ کا ارفع واعلیٰ مقام اور ان کی دیانتداری وخدا ترسی، زہد وتقویٰ، عبادت و

ریاضت اور علم کے بارے میں پوری وضاحت ہوگئی جبکہ اب کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ رہی یہ بات کہ بعض لوگ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی اوران کی توہین کرتے ہیں اور نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کرتے ہیں یا ان کے علم کا استخفاف کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں چند اکابرین علماء امت کے اقوال اور فتاویٰ درج کرتا ہوں۔ ''مجموعۃ الفتاویٰ'' میں ہے

سوال: جو شخص علماء کو عداوتاً گالیاں دے تو کیسا ہے؟

جواب: اگر گالی دینے سے استخفاف علم وتحقیر علماء من حیث العلم مقصود ہے تو فقہاء نے اس کے کفر کا حکم دیا ہے ورنہ اس کے فاسق اور فاجر ہونے کا حکم دیا ہے اور ایسا شخص دنیوی اور اخروی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ''فتاویٰ بزازیہ'' میں ہے

اَلْاِسْتِخْفَافُ بِالْعُلَمَاءِ لِکَوْنِھِمْ عُلَمَاءَ اِسْتِخْفَافٌ بِالْعِلْمِ وَالْعِلْمُ صِفَۃُ اللہِ --- الخ

(مجموعۃ الفتاویٰ لمولانا محمد عبدالحی لکھنوی، جلد۲ صفحہ ۱۸۸)

ترجمہ: عالم ہونے کی وجہ سے کسی عالم کی ہتک کرنا علم کی ہتک ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے اس نے اپنے فضل وکرم سے بہترین بندوں کو عطا کیا ہے تا کہ اس کی مخلوق کو رسولوں کی نیابت میں ہدایت شروع کریں، اس سے معلوم ہوا کہ انکی یہ ہتک کس جانب راجع ہوتی ہے۔

علامہ نورالدین علی سمہودی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جواہر العقدین'' صفحہ ۱۸۸ پر لکھا ہے

قَدْ تَرْجَمَ الْاِمَامُ النَّوَوِیُّ فِیْ مُقَدِّمَۃِ شَرْحِہٖ لِلْمُھَذَّبِ النَّھْیُ الْاَکِیْدُ وَالْوَعِیْدُ الشَّدِیْدُ لِمَنْ یُّوْذِیْ اَوْ یَنْقُصُ الْفُقَھَاءَ وَالْحَثُّ عَلٰی اِکْرَامِھِمْ وَ تَعْظِیْمِ حُرُمَاتِھِمْ - الخ بطولہ.

ترجمہ: امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی ''شرح مہذب'' میں سخت نہی اور شدید وعید ان لوگوں کے حق میں بیان کی ہے جو فقہاء کی ہتک کرتے ہیں، ان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور علماء کی بزرگی اور ان کی رحمتوں کی تعظیم پر آمادہ کیا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ قول ذکر کیا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی علامات کی تعظیم کرتا پس وہ دل کی پرہیزگاریوں کی وجہ سے ہے اور یہ قول ہے جو خدا تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم کرتا ہے یہ اس کیلئے اچھا اس کے پروردگار کے نزدیک اور یہ قول کہ جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر

ان کے کسی جرم کے پس انہوں نے سخت گناہ کیا۔ میں کہتا ہوں کہ شروع کی دونوں آیات کا دعویٰ پر دلالت کرنا تو ظاہر ہے کیونکہ علمائے دین اعظم شعائر اللہ سے ہیں اس لئے کہ شعائر اللہ سے مراد اس کے دین کی علامتیں ہیں اور علماء، خدا کی اعظم حرمات سے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ تین چیزیں ہیں جن کی ہتک منافق کے سوا کوئی نہیں کرتا: بوڑھے مسلمان کی، عالم کی اور عادل امام کی۔ طبرانی رحمہ اللہ نے ''کبیر'' میں روایت کیا ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے جو بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور عالم کا حق نہ جانے، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''تبیان'' اور شرح مہذب'' میں نقل کیا ہے

حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اے میرے بھائی جان لو کہ علماء کی مذمت زہریلی ہے اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ علماء کی ہتک کرنے والوں کی پردہ پوشی نہیں کرتا اور جس نے علماء کے معاملہ میں اپنی زبان کو آزاد کر دیا خدا تعالیٰ اس کو موت سے قبل موت قلب میں مبتلا کر دے گا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

علمائے دیوبند کے پیرومرشد مولوی رشید احمد گنگوہی سے ایک سوال

سوال: ایک شخص نے کہا کہ قیاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حق نہیں تو کافر ہوا۔ اس کا کیا مطلب ہے اور یہ قول صحیح ہے یا غیر صحیح اور یہ عبارت ''عالمگیری'' سے نقل کی ہے؟

الجواب: علماء کرام کی توہین وتحقیر کو چونکہ علماء نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم کے اور دین کے ہو لہٰذا جب قیاس مجتہدین کو حق کہا تو اہانت اس عالم کی امر دین وعلم میں لہٰذا کفر ہوا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۶۹)

دیگر سوالات

سوال: جو شخص ائمہ مجتہدین اور مقلدین پر طعنہ کرنے والے کو برا نہ جانے بلکہ ان کی تعریف کرے اور اس کو بزرگ ہی جانے وہ شخص بدعقیدہ ہے یا نہیں؟ از احمد سعید مرادآبادی

الجواب: طعن کرنے والا ائمہ مجتہدین پر فاسق ہے اور جو شخص طعن کرنے والے کو بزرگ جانے اس وجہ سے وہ بھی فاسق ہے (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۱)

سوال: جو لوگ کہ شاہ محمد اسمٰعیل شہید کو غیر مقلد کہتے ہیں کہ وہ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید نہیں کرتے تھے آپ کے نزدیک یہ قول صحیح ہے یا کہ نہیں اور مولانا صاحب مرحوم کی تالیفات سے اس امر کی تصریح ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

جواب: بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے تھے اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہ ؒ کی تقلید کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اور بندہ نے ان کی زیارت نہیں کی جو مشاہدہ اپنا لکھوں اور ان کی تصانیف سے بھی غالباً یہی نکلے گا۔ واللہ اعلم۔۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۲)

تنبیہ: دیکھا آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے تو منکرین امام ابوحنیفہ ؒ کی آنکھیں کھول دیں اور صاف صاف بتا دیا کہ علمائے دیوبند کے سب سے بڑے عالم، بزرگ، ولی، مجاہد اور شہید شاہ اسمٰعیل صاحب بھی حضرت امام اعظم ؒ کے پیروکار اور مقلد تھے، ایسے میں جو امام اعظم ؒ کا منکر ہے اور امام اعظم ؒ کی توہین کرتا ہے اور ان کی شانِ ارفع میں ناشائستہ الفاظ منہ سے نکالتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا کہا جاوے گا سوائے اس کے کہ وہ ازلی بدقسمت اور بدبخت ہے اور خداوند لایزال نے اس کو ذلیل کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد | میلش اندر طعنہ پاکاں زند

نوٹ: میں نے نہایت اختصار سے کام لے کر چند مگر مستند حوالہ جات تحریر کیے ورنہ امام اعظم ؒ وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے لاتعداد اوصاف حمیدہ اور علم لدنی سے مالا مال فرمایا ہے لیکن معاندین کی آنکھوں پر تعصب کے وہ دبیز پردے ہیں جن کو امام اعظم ؒ کی کوئی ایک خوبی بھی نظر نہ آسکی لیکن اس سے مقام امام ابوحنیفہ ؒ میں کوئی فرق نہ آیا اور نہ آسکتا ہے۔

بہر حال صاحب ایمان مسلمان کیلئے مندرجہ بالا حوالہ جات عمل کیلئے کافی سے بھی زیادہ ہیں اور ان حوالہ جات سے حضرت امام اعظم ؒ کی شخصیت نکھر کر سامنے آگئی اور وہ اوصاف (باقی صفحہ ۱۰۸ پر)

فقہ حنفی کے مآخذ اور بنیادی اصول

مولانا محمد سمیع اللہ نعیمی
انسٹرکٹر اسلامیات، زرعی تربیتی ادارہ پشاور

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

فقہ حنفی کے مآخذ

فقہ حنفی وہ فقہ ہے جس کے بانی امیر المومنین فی الفقہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی مجتہد مطلق، مجتہد اول ہیں۔۔۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

فقہ کا لغوی معنی ہے کسی بات وغیرہ کو جاننا اور سمجھنا لیکن قرآن مجید میں لفظ فقہ کے استعمال کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مطلق جاننا نہیں ہے بلکہ اس کے معنی گہری بصیرت اور باریک بینی سے جاننا اور بات کرنے والے کی غرض کو سمجھ لینا ہیں، قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود ۱۱: ۹۱)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا اے شعیب (علیہ السلام) تو جو کچھ کہتا ہے ان میں اکثر باتیں ہم نہیں سمجھتے۔

اور اس آیت کریمہ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا (النساء ۴: ۷۸)

ترجمہ: آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں ہیں۔

فقہ کا اصطلاحی معنی

اَلْفِقْهُ هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِیَّةِ الْعَمَلِیَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِیْلِیَّةِ [۱]

[۱] اصول الفقہ الاسلامی، الدکتور وہبۃ الزحیلی، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔

ترجمہ: فقہ ان شرعی عملی احکام کا علم ہے جو اپنے تفصیلی دلائل سے حاصل ہوتے ہیں۔

یعنی فقہ اس علم کو کہتے ہیں جس میں ان شرعی احکام سے بحث ہوتی ہے، جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو اس کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فقہ انہی احکام کا نام ہے اور ان کے جاننے والے کو فقیہ کہا جاتا ہے۔

فقہ کی تعریف میں لفظ احکام حکم کی جمع ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مکلف بندوں کے افعال تکلیفیہ کا فرض ہونا، واجب، سنت، مندوب، حرام، مکروہ، مباح، صحیح، فاسد یا باطل وغیرہ ہونا معلوم ہو اور احکام کے ساتھ شرعی ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی تاکہ فقہ کی تعریف سے عقلی احکام جو علم منطق وغیرہ میں بیان ہوتے ہیں خارج ہو جائیں اور اسی طرح حسی احکام بھی نکل جائیں اور وہ احکام بھی خارج ہو جائیں جو تجربہ سے ثابت ہیں اور وضعی احکام بھی خارج ہو جائیں جو کسی فن کیلئے اس کے واضع نے وضع کئے ہوں جیسے علم نحو وصرف وغیرہ کے احکام۔

ان شرعی احکام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ عملی ہوں اور بندوں کے افعالِ تکلیفیہ سے ان کا تعلق ہو۔ اس لئے فقہ کی تعریف سے وہ احکام خارج ہیں جن کا تعلق عقیدہ سے ہے کیونکہ علم فقہ میں عقائد سے بحث نہیں ہوتی، عقائد سے متعلق احکام کی بحث علم کلام میں ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ احکام بھی فقہ کی تعریف سے خارج ہیں جن کا تعلق اخلاق سے ہے کیونکہ اخلاق سے متعلق احکام کی بحث علمِ تصوف میں ہوتی ہے۔

ان عملی شرعی احکام کی ایک قید یہ بھی ہے کہ استدلال کے ذریعہ تفصیلی دلائل سے حاصل کئے گئے ہوں۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا علم، فرشتوں کا علم اور رسول اللہ ﷺ کا غیر اجتہادی علم اصطلاح میں علم فقہ نہیں ہے کیونکہ یہ استدلال کے ذریعہ حاصل نہیں ہوا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے، استدلال سے حاصل شدہ نہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کا علم وحی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے نہ کہ استدلال سے۔

تفصیلی دلائل سے مراد جزئی دلائل ہیں جن میں سے ہر دلیل کا تعلق کسی خاص مسئلہ سے ہوتا ہے

اور وہ دلیل اس مسئلہ کے بارے میں جو حکم مقرر ہے اس کو بتلاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النسآء ۴: ۲۳)

ترجمہ: تم پر تمہاری مائیں حرام کر دی گئی ہیں۔

یہ ایک جزئی دلیل ہے جو ایک خاص مسئلہ سے متعلق ہے اور وہ مسئلہ ماؤں کے ساتھ نکاح کا ہے اور یہ دلیل ایک مقررہ حکم کو بتلاتی ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ ماؤں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔[۱]

فضائلِ فقہ

فقہ کی تعریف کے بعد فقہ کی فضیلت میں صحیح بخاری شریف سے یہ حدیث شریف پیش خدمت ہے مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ [۲] ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بڑی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو علم فقہ عطا کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی فقہ کے حصول کی ترغیب دی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ''اگر تو علم حدیث کے حصول کیلئے ان تمام مشقتوں کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو تجھ پر فقہ کا سیکھنا لازم ہے کیونکہ اپنے گھر میں رہائش پزیر ہوتے ہوئے علم فقہ حاصل کرنا ممکن ہے جب کہ علم حدیث حاصل کرنے کیلئے گھر بار اور وطن چھوڑ کر دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے اور فقہ حدیث کا ثمرہ ہے اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اور نہ اس کی عزت محدث سے کم ہے۔[۳]

مآخذ احکام

فقہ حنفی شرعی احکام کا نام ہے اور شرعی احکام شارع کے مقرر کردہ مآخذ سے معلوم ہوتے ہیں اور

۱: (اصول الفقہ الاسلامی جلد ا صفحہ ۲۵)

۲: الجامع الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری، طبع نور محمد اصح المطابع کراچی، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین۔

۳: الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ رحمہ اللہ، علامہ نور بخش توکلی، فرید بک سٹال لاہور، صفحہ ۵۳۔

شارع نے ان کو مآ خذ اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ یہ مآ خذ مکلفین کو ان شرعی عملی احکام کی طرف رہنمائی کریں اور ضرورت کے وقت مکلفین ان مآ خذ سے شرعی عملی احکام مجتہدین امت کے ذریعہ معلوم کر سکیں۔ ان مآ خذ کو اصول احکام، مصادر شرعیہ احکام اور ادلۃ الاحکام کہتے ہیں۔

مآخذ بروزن مفاعل، مأخذ بروزن مفعل کی جمع ہے اور مفعل اسم ظرف ہے تو مآ خذ کا معنی ہوا وہ جگہیں جہاں سے شرعی عملی احکام لئے جاتے ہیں اور یہ شرعی عملی احکام کے منابع اور سرچشمے ہیں اور ان کو اصول احکام اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ احکام کے شرعیہ عملیہ کیلئے دلائل ہیں کیونکہ یہاں اصول بمعنی دلائل ہیں اور ان کو مصادر شرعیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شرعی عملی احکام کیلئے جائے صدور ہیں اور ادلۃ الاحکام اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ان احکام کیلئے دلائل ہیں۔ ادلہ دلیل کی جمع ہے، دلیل کا لغوی معنی ہے کسی چیز یا کام کی طرف رہنمائی کرنے والا اور علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں دلیل وہ ہے جس کے ذریعہ صحیح غور وفکر کے بعد شرعی عملی حکم تک پہنچا جا سکے۔ بعض علمائے اصول نے دلیل اصطلاحی کی تعریف میں یہ شرط لگائی ہے کہ دلیل وہ ہے جو یقینی طور پر شرعی حکم تک پہنچائے۔ اگر اس کا شرعی حکم تک پہنچانا ظنی ہو تو اس دلیل کو وہ امارت یا علامت کہتے ہیں لیکن جمہور علماء اصول کے نزدیک دلیل کیلئے ایسی کوئی شرط ضروری نہیں۔ ان کے نزدیک دلیل وہ ہے جس سے عملی شرعی حکم معلوم ہو جائے خواہ قطعی ویقینی طور پر معلوم ہو یا ظنی طور پر۔

نیز دلیل کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ خود قطعی اور یقینی دلیل ہو۔ اس کے دلیل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو بلکہ دلیل عام ہے کہ وہ اپنی ذات میں قطعی ہو یا ظنی کیونکہ احکام شرعیہ عملیہ ظنی دلائل سے بھی ثابت ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید کی وہ آیتیں جو عام مخصوص البعض ہوں یا حدیث کے اخبار آحاد۔

شرعی احکام کے مآ خذ عقل کے منافی نہیں ہیں کیونکہ شریعت نے ان کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ ان سے شرعی احکام معلوم ہوں اور ان سے یہ نکالے جائیں۔ اگر یہ عقل کے خلاف ہوں تو ان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ استقراء سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مآ خذ عقل کے تقاضے کے عین

مطابق ہیں۔ اس طرح کی سلیم عقلیں ان کو قبول کرتی ہیں اور ان کے تقاضے کے سامنے جھکتی ہیں۔[1]

مآخذ احکام کی اقسام

ان مآخذ کو مختلف زاویوں کے اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا۔ یہاں ان تقسیموں میں سے صرف دو تقسیمیں ذکر کی جاتی ہیں۔

تقسیمِ اول

یہ تقسیم ان مآخذوں میں اتفاق واختلاف کے اعتبار سے ہے اور اس لحاظ سے اس کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ہیں

۱: یہ وہ مآخذ ہیں جن پر امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین متفق ہیں اور یہ قرآن وسنت ہیں۔

۲: یہ وہ مآخذ ہیں جن پر مسلمانوں کے جمہور مجتہدین اماموں یعنی اکثریت کا اتفاق ہے، یہ اجماع اور قیاس ہیں۔ نظام معتزلی بعض خوارج اور شیعہ نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ وہ اجماع کو مآخذ احکام نہیں مانتے اور شیعہ نظام اور اہل ظاہر نے قیاس کی بھی مخالفت کی ہے وہ اسے مآخذ تسلیم نہیں کرتے۔

۳: یہ وہ مآخذ ہیں جن میں قیاس کے ماننے والے جمہور علماء کا بھی اختلاف ہے، وہ مآخذ یہ ہیں: عرف، استصحاب حال، استحسان، مصالح مرسلہ، اسلام سے قبل کی شریعتیں، کسی صحابی کا مذہب، سد الذرائع۔ بعض علماء نے ان کو احکام شرع کا مستقل مآخذ مانا ہے اور بعض نے ان کو مآخذ اربعہ میں شامل کیا ہے اور بعض نے ان کو مآخذ ماننے سے انکار کیا ہے۔

تقسیمِ دوم

نقل وعقل کے اعتبار سے مآخذ کی دو قسمیں ہیں:

اول نقلی مآخذ: یہ کتاب وسنت ہیں۔ اتفاق اور اجماع، مذہب صحابی، اسلام سے قبل کی شریعتیں

[1] الوجیز، الدکتور عبدالکریم زیدان، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان، صفحہ ۱۴۷

بھی نقلی مآ خذ ہیں۔ ان علماء کے نزدیک شرعی مآخذ وہی ہیں جو ان کو مآ خذ مانتے ہیں۔ مآ خذ کی ان قسموں کو اس لئے نقلی کہتے ہیں کہ یہ شارع سے منقول ہیں اور شارع سے شرعی عملی احکام کیلئے ان کا دلیل ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔

دوم عقلی مآ خذ: یہ وہ مآ خذ ہیں جن کا مرجع عقل ورائے کی طرف ہے۔ ان میں بنیادی مآ خذ قیاس ہے۔ اس کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ اور استصحاب حال وغیرہ کو بھی لاحق کیا جاتا ہے۔

مآ خذ کی اس نوع کو عقلی اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے احکام غور وفکر اور عقل ورائے کے ذریعہ سے معلوم کئے جاتے ہیں اور مآ خذ کی یہ نوع براہ راست شارع سے منقول نہیں۔

مآ خذ کی یہ دو قسمیں عقلی ونقلی علیحدہ قسمیں اس اعتبار سے ہیں کہ ان میں ہر ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ ویسے ان میں تلازم ہے کہ نقلی مآ خذ کو سمجھنے کیلئے عقل آلہ ہے۔ عقل کے بغیر ان سے استنباط احکام ممکن نہیں اور عقلی مآ خذ کو اس وقت درست سمجھا جائے گا جب اس میں دلیل نقلی سے استناد کیا گیا ہو کیونکہ عقل مجرد کا تشریع احکام میں جمہور اہل سنت کے نزدیک کوئی دخل نہیں ہے۔[1]

فقہ حنفی کے بنیادی مآ خذ چار ہیں

۱: کتاب اللہ ۲: سنت رسول اللہ ﷺ

۳: اجماع امت ۴: ان تینوں سے مستنبط قیاس۔

مآ خذ شرعی کی ان چار میں وجہ حصر یہ ہے کہ دلیل شرعی یا تو وحی ہے یا غیر وحی، اگر وحی ہے تو متلو اور جلی ہے تو وہ کتاب اللہ ہے اور اگر غیر متلو ہے اور خفی ہے تو سنت ہے اور غیر وحی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اگر وہ زمانے کے تمام اہل اجتہاد کا قول ہے تو اجماع ہے اور اگر ایسا نہیں تو قیاس ہے۔ پہلی تین قسمیں اصول مطلقہ کہلاتی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک سے حکم شرعی ثابت ہوتا ہے اور قیاس ایک وجہ سے تو اصل ہے اور دوسری وجہ سے فرع کہ وہ حکم کے اعتبار سے اصل ہے کہ حکم کو ظاہر کرتا ہے لیکن کتاب اللہ،

[1]: الوجیز صفحہ ۱۴۸-۱۴۹ --- اصول الفقہ الاسلامی، جلد اصفحہ ۴۱۷-۴۱۸)

سنت رسول اللہ اور اجماع کے اعتبار سے فرع ہے تو قیاس سے جو حکم ثابت ہوگا وہ بعینہ کتاب، سنت و اجماع امت سے سمجھنا چاہئے۔ قیاس حکم ظاہر کرنے والا ہے ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ جمہور کی یہی رائے ہے نیز قیاس کا اعتبار اسی وقت ہوتا ہے جبکہ کتاب، سنت اور اجماع میں حکم شرعی نہ ملے۔[1]

ماخذ کی تمام قسموں کا مرجع قرآن مجید کی طرف ہے کیونکہ اجماع کا ماخذ و حجت ہونا قرآن مجید وحدیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع شرعی عملی احکام کیلئے ایک فیصلہ کن ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قیاس اور اسلام سے قبل کی شریعتیں وغیرہ کا شرعی عملی احکام کیلئے مستقل ماخذ ہونا بھی قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔ سنت کا مرجع بھی قرآن مجید ہے کیونکہ سنت پر عمل اس پر اعتماد اور اس سے احکام کا استنباط ان سب باتوں کو ہمیں قرآن مجید نے ہی بتایا ہے۔ نیز سنت قرآن مجید کی تشریح اور اس کے معانی و مطالب کو واضح کرنے اور اس کے مجمل احکام کی تفصیل کرنے کیلئے آئی ہے۔ سنت قرآن مجید کے مضامین کی توضیح کرتی ہے۔ اس بناء پر قرآن مجید اصل الاصول ہے اور ان سب ماخذوں کا ماخذ ہے اور یہ سب ماخذ اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔[2]

فقہ حنفی کے ان چار ماخذوں کی مختصر تشریح مندرجہ ذیل ہے

پہلا ماخذ قرآن مجید

قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر تقریباً تئیس سال کے عرصہ میں عربی زبان میں نازل ہوئی۔ جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ آخری کلام ہے جو مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور ہم تک بغیر کسی شک وشبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہو کر پہنچی ہے۔ مسلمانوں کے درمیان اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید تمام لوگوں کیلئے حجت ہے اور قانون سازی کا یہ سب سے پہلا ماخذ ہے۔ اس کے حجت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

۱: کشف الاسرار، امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بخاری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، جلد ۱ صفحہ ۳۴-۳۵)

۲: الوجیز صفحہ ۱۴۹-۱۵۰

طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی دلیل اس کا اعجاز ہے۔قرآن مجید کے اعجاز کے سبب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا کلام ہے اور اس نے اس کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی ہے۔اس لئے اس میں قیامت تک کمی وبیشی بھی ممکن نہیں ہے لہٰذا سب پر تا قیام قیامت اس کی پیروی واجب ہوگی۔

قرآن مجید معجز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسان اور جنات قرآن مجید جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں۔قرآن مجید نے اپنے مخالف مشرکین عرب کو اس جیسا کلام بنا کر پیش کرنے کیلئے چیلنج کیا لیکن وہ اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز رہے۔حالانکہ اس مقابلہ کا محرک موجود تھا اور مقابلہ کرنے کیلئے کوئی رکاوٹ موجود نہیں تھی کیونکہ اہل عرب عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی خوبیوں سے پوری طرح واقف تھے اور اس وقت انہیں حکومت واقتدار بھی حاصل تھا جبکہ مسلمان اقلیت میں تھے اور انتہائی کمزور تھے۔مشرکین ان پر مظالم کے تمام حربے استعمال کر رہے تھے لیکن وہ قرآن مجید کے چیلنج کا جواب نہ دے سکے تھے۔جب ان کی عاجزی اور بے بسی ثابت ہوگئی تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجز ہے اور خدا کی طرف سے ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ونبی ہیں اور قرآن مجید کی پیروی لازم ہے۔(اصول الفقہ الاسلام، جلد ا، صفحہ ۴۳۱)

دوسرا مآخذ سنت

لغت میں سنت اس راستہ یا طریقہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ چلنے کے عادی ہوں۔فقہاء کے نزدیک سنت کا اطلاق ان عبادات وغیرہ پر ہوتا ہے جو مندوب ہیں اور فرض نہیں ہیں اور بعض فقہاء نے لفظ سنت کو بدعت کے مقابلہ میں بھی استعمال کیا ہے۔

علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت سے مراد قرآن مجید کے علاوہ وہ قول، فعل یا سکوت ہے جو نبی کریم ﷺ سے تشریعی حیثیت سے صادر ہوا ہو۔سکوت یا تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی دینی کام کیا گیا ہو یا آپ ﷺ کو اس کی اطلاع مل گئی ہو اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہو۔اس اعتبار سے سنت قرآن مجید کے بعد مآخذ احکام میں سے دوسرا مآخذ ہے

اور شرعی احکام اس سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت ہمیں قرآن مجید اجماع امت اور عقل سے ملتا ہے۔ قرآن مجید نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریعی حیثیت سے جو کچھ فرماتے ہیں اس کی بنیاد وحی پر ہوتی ہے اور اس کا مآخذ اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد بھی اس حیثیت سے قرآن مجید کی طرح ہے کہ دونوں وحی الٰہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سنت کے صرف مضمون و معنی بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتلائے جاتے ہیں اور آپ ﷺ اپنے الفاظ میں اس کو بیان فرماتے ہیں۔ اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہیں جبکہ قرآن مجید کے لفظ و معنی دونوں کو وحی کے ذریعہ آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے اس کی اتباع فرض ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی اتباع بھی فرض ہے کیونکہ ان کا مضمون جو کہ کلام میں مقصود ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذمہ یہ فرض عائد کیا ہے کہ آپ ﷺ قرآن مجید کے معانی مضامین وضاحت سے بیان فرمائیں اور اس کے مجمل احکام کی تشریح کریں۔ اس لئے آپ ﷺ کے ارشادات مقاصد و احکام قرآن مجید کے سمجھنے کیلئے ضروری ہیں۔ اس حیثیت سے سنت مآخذ احکام میں سے دوسرا مآخذ ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت ایسی نصوص و آیات موجود ہیں جو سنت کی اتباع اس کی پابندی و پیروی، اس کے تشریع احکام کا مآخذ ہونے اور اس سے استنباط احکام کو بتلاتی ہیں۔ یہ نصوص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت بتلاتی ہیں اور یہ حکم دیتی ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ حکم دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں یا جو کچھ دیا ہے ان کو لو اور ان پر عمل کرو اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے دور رہو۔ اور یہ نصوص صاف طور پر یہ بتاتی ہیں کہ اگر کسی شخص کا دوسرے کے ساتھ اختلاف پیدا ہو جائے اور وہ رسول اللہ ﷺ کو اس میں حَکَم نہ بنائے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ نیز آپ ﷺ جب کسی مسئلہ میں فیصلہ فرمادیں تو مسلمان کو اس کے ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ آپ ﷺ کے اس

فیصلہ کو تسلیم کرنے یا نہ کرے۔ یہ باتیں آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو برے انجام اور دردناک عذاب سے ڈراتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان نصوصِ قرآنی میں جن باتوں پر عمل کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید کی ہے وہ سنت نبوی اور فرامین نبوی ہیں جن کے نہ ماننے سے انسان مومن نہیں رہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت بھی شرعی احکام کا ایک مآ خذ ہے۔

نیز سنت کے ماخذ احکام ہونے پر امت کا اجماع ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور سے لے کر ہمارے دور تک تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ سنت نبوی سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا ماننا اور قبول کرنا واجب ہے۔ عقل کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی رسالت معجزات سے ثابت ہے تو آپ ﷺ اللہ کے برحق رسول و نبی ہیں اور رسول و نبی کی اطاعت لازم ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کی سنت کی اتباع سے ممکن ہے اس لئے سنت حجت ہے اور ماخذ احکام کیلئے ایک ماخذ ہے۔

تیسرا مآخذ اجماع امت

اجماع لغت میں عزم اور کسی کام کے بارے میں پختہ ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ نیز اجماع کے معنی کسی بات پر متفق ہونے کے بھی آتے ہیں، اصطلاح میں اجماع کی تعریف یہ ہے

اَلْاِجْمَاعُ هُوَ اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنَ الْاُمَّةِ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى حُكْمٍ شَرْعِيٍّ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

یعنی آنحضرت ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کسی دور میں امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہونے کو اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ اجماع مجتہدین کی تعریف ہے اور اجماع امت کی تعریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کسی دور میں پوری امت مسلمہ کا کسی خاص شرعی حکم پر متفق ہونا۔

اجماع مجتہدین ان اجتہادی امور میں ہوتا ہے جن کا تعلق مجتہدین سے ہو اور ان مسائل کی باریکیوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں اور اجماع امت کا تعلق ان احکام یا امور سے ہوتا ہے جن کا ہر مسلمان سے

تعلق ہو۔ خواہ وہ مجتہد ہو یا عامی اور ان امور کا تعلق ضروریات دین سے ہوتا ہے۔[۱]

جب اجماع اپنی شرائط کے ساتھ منعقد ہو جائے تو اس مجمع علیہ مسئلہ پر یہ قطعی دلیل ہوگا۔ یہ اجماع قطعی حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی لازم ہے، اس کی مخالفت یا اس کا توڑنا جائز نہیں۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حجیت اجماع کی قائل ہے۔ اجماع کی حجیت کے اثبات میں بے شمار دلائل ہیں جو اصول فقہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں، اختصار کی وجہ سے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

اجماع امت کی مثالیں جیسے صحابہ کرام ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت پر اتفاق و اجماع، میراث میں دادا کو چھٹا حصہ ملنے پر صحابہ کرام ﷺ کا اجماع، نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں نکاح کے درست ہونے پر اجماع وغیرہ۔ نظام معتزلی، شیعہ و خوارج نے اجماع کے حجت ہونے سے انکار کیا ہے لیکن جمہور کے اجماع کے حجت ہونے پر ٹھوس دلائل کے سامنے ان کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں۔ (اصول الفقہ الاسلامی جلد ا صفحہ ۵۳۸-۵۳۹)

چوتھا مآخذ قیاس

لغت میں قیاس دو چیزوں کے درمیان اندازہ کرنے اور ایک چیز کو دوسری کے ساتھ برابر کرنے کے معنی میں ہے۔ اصطلاح میں اصل منصوص علیہ کے حکم شرعی کو غیر منصوص علیہ فرع پر لگانا ایک علت مشترکہ کی وجہ سے جو اصل و فرع دونوں میں موجود ہو اور اس حکم کیلئے علت ہو جو محض لغت سے مدرک نہ ہو اور یہ حکم اصل کے ساتھ مختص نہ ہو اور علت معقول ہو۔

اَلْقِیَاسُ الشَّرْعِیُّ هُوَ تَرَتُّبُ الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ فِیْ غَیْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ عَلٰی مَعْنًی هُوَ عِلَّةٌ لِذٰلِکَ الْحُکْمِ الشَّرْعِیِّ فِی الْمَنْصُوْصِ عَلَیْهِ[۲]

قیاس شرعی میں چار چیزیں ضروری ہیں

۱۔ مقیس علیہ یا اصل: اس میں حکم شرعی موجود ہوتا ہے، نص کی وجہ سے۔

۱۔ اصول الفقہ الاسلامی، جلد ا صفحہ ۴۸۹-۴۹۰ ۲۔ (معلم الاصول مولانا نجم الغنی، مکتبہ علیہ بوہڑ گیٹ ملتان، صفحہ ۲۶۳)

۲: مقیس یا فرع: اس میں حکم ظاہر نہیں ہوتا ہے اور اس میں نص بھی نہیں ہوتا۔

۳: حکم شرعی: یہ اصل میں نص سے موجود ہوتا ہے اور فرع میں نہیں۔

۴: علت: یہ وہ وصف ہوتا ہے، جو شرعی حکم کیلئے علت ہوتا ہے۔

اس کی وجہ سے اصل منصوص علیہ میں حکم موجود ہوتا ہے اور یہ وصف اصل اور فرع دونوں میں موجود ہوتا ہے اور متقاضی ہوتا ہے کہ اصل کا شرعی حکم فرع پر لگا دیا جائے یا یہ حکم فرع میں بھی موجود ہونا چاہئے جس کو مجتہد بذریعہ قیاس شرعی ظاہر کرتا ہے اور علت پہلے سے موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

قیاس شرعی کی شرائط میں سے چار اہم ہیں

۱: اصل کیلئے جو حکم ثابت ہے وہ اصل کیلئے مخصوص نہ ہو۔

۲: اصل کا حکم غیر معقول نہ ہو۔

۳: اصل میں جو حکم ہے، جس کو فرع میں ثابت کرنا مقصود ہے وہ شرعی حکم ہو اور بعینہٖ اور بلا تغیر فرع میں ثابت ہونا چاہئے۔

۴: فرع میں اصل کا جو حکم شرعی منتقل کیا گیا ہے اس کیلئے فرع میں نص موجود نہ ہو ورنہ اصل سے حکم لانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فرع میں موجود نص اس حکم کیلئے کافی ہوگا، دوسری جگہ سے حکم لانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ استدلال

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کی اور فقہ کی بنیاد رکھی وہ نہایت وسیع کام تھا۔ اس لئے انہوں نے اتنے اہم اور بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر نہیں رکھا بلکہ انہوں نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں تمام علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے شاگردوں کو شامل کیا، ان کی تعداد چالیس تھی۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ایک مسئلہ شرعی کو بحث کیلئے پیش کیا جاتا۔ نہایت آزادی کے ساتھ مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کے بعد اگر سب کی رائے متفق ہوتی تو حضرت

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ اس مسئلہ کو کاتب کے حوالہ کر کے درج کرنے کا حکم دے دیتے اور اگر اختلاف رائے ہوتا تو امام اعظم ؒ بہت غور و تحمل سے سب تقریریں سن لیتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ جس کے سامنے سب بخوشی ورضا سر تسلیم خم کر لیتے اور مکمل آزادی کی وجہ سے کبھی مجلسِ شوریٰ کے بعض ممبران اختلاف رائے برقرار رکھتے۔ امام اعظم ؒ کے حکم سے وہ سب اقوال قلمبند کیے جاتے اس طرح تیس برس میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔[۱]

اس طرح امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے سب سے پہلے فقہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد دوسرے ائمہ مجتہدین آئے اور انہوں نے اپنے طرزِ استدلال سے نئے نئے فقہ کی بنیادیں رکھیں۔ تاہم امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا طرزِ استدلال ان سے زیادہ قوی درست اور قرآن وحدیث پر زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ اس کی استیعاب کی یہاں گنجائش نہیں، چند مثالیں نمونے کے طور پر پیشِ خدمت ہیں:

۱: قرآن عظیم الشان کی آیات میں مذکور خاص الفاظ سے ثابت ہونے والے حکم شرعی پر عمل لامحالہ واجب ہے۔ اگر مقابلہ میں خبر واحد ہو یا قیاس تو پہلے ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی جائے گی اور اگر نہ ہو سکے تو کتاب اللہ کے خاص پر عمل کیا جائے اور خبر واحد اور قیاس کو ترک کیا جائے گا۔ یہ امام صاحب کا مذہب ہے جبکہ دیگر ائمہ مجتہدین خبر واحد یا قیاس پر عمل کرتے ہیں اور کتاب اللہ کے خاص پر عمل چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یعنی جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ اپنے نفسوں کو (دوسرے نکاح سے) روکے رکھیں تین قرو تک۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ثَلٰثَةَ خاص ہے، اس کا معنیٰ معلوم ہے جو دو سے اوپر اور چار سے کم ہے۔ جو ایک معین مرتبہ عدد ہے اور وہ تین ہے اس لئے اس پر عمل واجب ہے۔ اور قُرُوْٓءٍ لفظ مشترک ہے اس کا معنیٰ طہر بھی ہے اور حیض بھی۔ حیض کا معنیٰ لینے سے ثلثہ پر عمل ہو جاتا ہے کیونکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا طہر میں طلاق دینا ہوگی اور اس کے بعد تین مکمل حیض گزرنے کے بعد عدت ختم ہو جائے گی لیکن حضرت امام شافعی قیاس پر عمل کرتے ہوئے کتاب اللہ کے خاص پر عمل

۱: تذکرۃ النعمان، مولانا شبلی نعمانی، رنگین پریس دہلی، صفحہ ۱۰۸

چھوڑ دیتے ہیں اور قُرُوْءِ طہر مراد لیتے ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ لفظ ثَلٰثَةَ مؤنث ہے تو اس کیلئے تمیز جمع مذکر ہوگا اور طہر ہے نہ کہ حیض ہے۔

۲: حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ: یعنی اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دے دی تو اب یہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں اور دوبارہ نکاح درست نہیں جب تک یہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی نہ کر لے اور اس کو شرعاً حلالہ کہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں نکاح کرنے کا کام عورت کی طرف منسوب کیا ہے یعنی وہ عورت خود اپنا نکاح دوسرے شوہر سے کرلے۔ اس میں تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ خاص ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ عورت خود نکاح کر سکتی ہے، یہی امام اعظم کا اس آیت سے استدلال ہے جبکہ امام شافعی و مالک کتاب اللہ کے اس خاص کو چھوڑ کر حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ عورت خود نکاح نہیں کر سکتی بلکہ سرپرست اس کا نکاح کرے گا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس عورت نے سرپرست یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے۔ امام اعظم ؒ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ ۲

اس قسم کی مزید مثالیں اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں، وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۳: امام اعظم ابوحنیفہ ؒ احادیث صحیح پر شدت سے عمل فرماتے تھے۔ ان کے سامنے جب کوئی شرعی مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں اس کا حل ڈھونڈتے اگر نہ ملتا تو حدیث شریف سے اس کا حل تلاش کرتے۔ اگر یہاں بھی نہ ملتا تو صحابہ کرام ؓ اور کبار تابعین کی طرف رجوع فرماتے اگر یہاں بھی نہ ملتا تو پھر خود قیاس کرتے اور بہت احسن طریقے سے۔ ۳

امام اعظم قیاس پر سنت کو مقدم قرار دیتے تھے۔ حتیٰ کہ مرسل حدیث سے استدلال فرماتے تھے اور اس کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیتے تھے اور مجہول راوی کی حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ صحابی کے قول پر بھی عمل کرتے تھے اور اس کے مقابلے میں قیاس چھوڑ دیتے تھے کیونکہ اس میں

۱: مزیل الغواشی، مولانا حکیم نجم الغنی خان، فاروقی کتب خانہ ملتان، صفحہ ۱۵-۱۶ ۲: ایضاً صفحہ ۲۲-۲۳

۳: کشف الاسرار جلد ۱، صفحہ ۳۰

یہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اس صحابی نے یہ بات حضور نبی کریم ﷺ سے سنی ہوگی جبکہ بعض ائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی رحمہ اللہ مراسیل احادیث کو مطلقاً قابل احتجاج نہیں سمجھتے اور صحابی میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اور نہ ان کے اقوال سے احتجاج و استدلال کرتے تھے بلکہ قیاس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔[۱]

امام اعظم نے قیاس ترک کر کے خبر واحد پر عمل کیا ہے اس کی بہت مثالیں فقہ حنفی میں موجود ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱: نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے امام اعظم کے نزدیک نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز میں قہقہہ مار کر ہنسے اس کو وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرنا چاہئے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ قیاس پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ وضو نجاست کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے اور قہقہہ مار کر ہنسنے سے جسم سے کوئی نجاست نہیں نکلی، اس لئے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲: مسئلہ محاذات میں قیاس کو ترک کر کے حدیث پر عمل کیا گیا۔ اس مسئلہ کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ ایک ہی صف میں نماز کی نیت کر کے بالغ عورت اور مرد کسی حائل و پردہ کے بغیر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہوں اور امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو تو مرد کی نماز فقہ حنفی کی روشنی میں ٹوٹ جائے گی عورت کی نہیں ٹوٹے گی۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ نہ مرد کی نماز ٹوٹے گی اور نہ عورت کی کیونکہ جب عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی تو مرد کی کیوں فاسد ہوگی۔ دیگر ائمہ قیاس پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کی بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں عورتوں کو جماعت میں سب سے آخری صف میں کھڑا کرنے کے بارے میں وارد شدہ حدیث پر عمل کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ یعنی عورتوں کو نماز کی صف میں مردوں کے پیچھے کھڑا کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے

---

[۱] الکافی، حسام الدین بن علی، مکتبۃ الرشید الریاض، جلد۱، صفحہ ۱۸۵ و تقویم الادلۃ، امام ابوزید عبیداللہ بن عمر الدین الدبوسی حنفی، دار الکتب العلمیہ بیروت، صفحہ ۲۵۶۔ کشف الاسرار جلد۱، صفحہ ۳۰-۳۱۔ مزیل الغواشی صفحہ ۳۰۸

ان کو پیچھے رکھا ہے۔ جب عورت اور مرد ایک امام کے پیچھے ساتھ کھڑے ہوں گے تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا اور چونکہ مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صف میں آگے رہیں اور عورتوں کو پیچھے رکھیں اسلئے مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی۔

۳: بھول کر روزہ میں کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ روزہ فاسد ہو جائے کیونکہ کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ خبر واحد سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا اور خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴: ایک سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا خلاف قیاس ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہو کیونکہ یہ کسی چھوٹی ہوئی چیز کو پورا کرتا ہے۔ جب نماز میں کوئی واجب بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو اس کی تلافی کرتا ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں قیاس کو ترک کر کے خبر واحد پر عمل کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ سلام کے بعد ہر سہو کے واسطے دو سجدے ہیں۔[۱]

اس قسم کی فقہ حنفی میں بے شمار مثالیں ہیں کہ قیاس کو ترک کر کے خبر واحد یا قول صحابی پر عمل کیا گیا اور بعض علماء نے تو اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حنفی ہی اہل حدیث ہیں، حدیث پر عمل کرنے والے ہیں چنانچہ اہل حدیث کے مقتدیٰ امام ابن قیم جوزی صحیح فرماتے ہیں

وَ اَصْحَابُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی مُجْمَعُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَذْہَبَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اِنَّ ضَعِیْفَ الْحَدِیْثِ عِنْدَہٗ اَوْلٰی مِنَ الْقِیَاسِ وَالرَّاْیِ وَ عَلٰی ذٰلِکَ بَنٰی مَذْہَبَہٗ[۲]

یعنی حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس ورائے سے اولیٰ وبہتر ہے اور اسی پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

جبکہ اہل حدیث کے نزدیک احادیث مرسل اور ضعیف احادیث قابلِ احتجاج نہیں اور ان پر عمل

۱: الوجیز، اردو ترجمہ صفحہ ۱۷۰-۱۷۱ ۲: اعلام الموقعین محمد بن ابی بکر ابن قیم جلد ۱، صفحہ ۷۷۔

واجب نہیں ہے۔ (الوجیز صفحہ ۱۸۳)

اس طرح احادیث کے ایک بہت بڑے مجموعے کو ترک کیا گیا کیونکہ مراسیل اور ضعاف احادیث کی بہت بڑی تعداد ہے اور ظاہر ہے کہ ان احادیث کو ترک کر کے قیاس پر عمل کرنا پڑے گا تو مخالفین احناف اہل الرائی اور قیاس پر عمل کرنے والے ٹھہرے جبکہ احناف کثرھم اللہ تعالی اہل حدیث یعنی حدیث نبوی پر عمل کرنے والے ہوئے۔ لیکن شمار کی چند احادیث ہیں جو کہ یا تو منسوخ العمل ہیں یا کتاب اللہ کے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہیں اس لئے احناف نے منسوخ احادیث کو متروک عمل کیا اور جو بظاہر کتاب اللہ کے مخالف معلوم ہوتی ہیں ان میں تطبیق کے ذریعہ عمل کیا۔ ان معدودے چند کو آڑ بنا کر مخالفین احناف کو اہل الرائی اور تارک حدیث کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں جس کا حقیقت حال سے کچھ تعلق نہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امام اعظم کے فقہی اصول وقواعد اور ان کی خصوصیات

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلامی احکام کا محور پانچ امور ہیں۔ یہ امور انسان کا نفس، دین، عقل، مال اور نسل ہیں[1]۔ چونکہ انسان کی دنیاوی واخروی حیات اور اس کی بقاء کا مدار یہ پانچ چیزیں ہیں اس لئے ان پانچ امور کے مصالح ومفاسد کے حصول ودفعیہ کو ہی مقاصد احکام شرعیہ قرار دیا گیا ہے[2]۔ فقہائے کرام نے اسلامی احکام کے انہیں مقاصد ومصالح کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور مذکورہ پانچ امور کے بنیادی تقاضوں کو ضرورت، ان کے تحفظ سے متعلقہ امور کو حاجت اور ان کے مناسبات کو مصالح سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ اسلام نے انسانی فطرت کے موافق نظام پیش کیا ہے جس کی بناء پر اسے دینِ فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بات کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے اجتہادی اصول وقواعد میں بھی انسانی فطرت کی پاسداری ہو۔ اجتہادی اصول انسانی فطرت کے جتنے قریب ہوں گے اتنے ہی مقاصد شرع کے پاسدار اور انسان کیلئے آسانی اور وسعت کے حامل ہوں گے۔ فقہ حنفی میں اسی طرح کی خصوصیات کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

ذیل میں فقہ حنفی کی اہم خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:

مقاصد شرع کی پاسداری

چونکہ احکام شرعیہ کا بنیادی مقصد انسانی فلاح اور اس کے مصالح کا حصول اور اس سے ضرر وفساد

۱: ابواسحٰق شاطبی، الموافقات، مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، جلد ۱، صفحہ ۳۸

۲: ایضاً صفحہ ۳۰

کا خاتمہ ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصول فقہ کی تعریف میں انہیں مقاصد کو بنیاد بنایا۔ آپ نے فقہ کا مفہوم دوسرے ائمہ کرام کے پیش کردہ مفاہیم کی نسبت زیادہ وسیع پیش کیا۔ دیگر ائمہ نے شریعت کے صرف فروعی احکام کو ہی فقہ کی تعریف میں شامل کیا جبکہ امام صاحب نے معرفۃ النفس مَالَھَا وَ مَا عَلَیْھَا پر فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔[۱]

دیگر ائمہ کے اصول انسان کے ظاہری افعال اور ان کے احکام پر محیط ہیں جبکہ امام صاحب کے اصول انسان کے نفسیاتی امور واحوال کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر ائمہ نے احکام میں صرف پانچ امور کو شامل کیا ہے جبکہ امام کی تعریف مَالَھَا وَ مَا عَلَیْھَا کے مراتب سے اس کے اقسام زیادہ ہو جاتے ہیں مثلاً دیگر ائمہ کے نزدیک اباحت شرعیہ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا گیا جبکہ امام ابوحنیفہ کے ہاں اباحت اصلیہ اور اباحت شرعیہ کے درمیان واضح فرق کیا گیا ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق نہیں مگر امام صاحب نے ان دونوں میں فرق کو واضح کر کے واجب کو شرعی احکام کی ایک علیحدہ قسم قرار دیا ہے۔[۲]

امام صاحب کی تعریف فقہ میں اعتقادی امور شامل ہیں جبکہ دیگر ائمہ کی تعریف سے یہ خارج ہیں۔ اسی طرح دیگر ائمہ کے اصول کا تعلق عام طور پر عبادات ومعاملات اور مناکحات وغیرہ سے ہے جبکہ امام صاحب کے اصول کا تعلق عبادات ومعاملات، سیاست اور احکام سلطانیہ بلکہ اس سے مزید آگے بڑھ کر بین الاقوامی امور سے بھی ہے[۳]۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومت خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق رہی ہو احکام سلطانیہ اور سیاسی امور میں حنفی فقہ ہی کی پیروی کرتی رہی ہے۔[۴]

اس کے علاوہ معاشرتی زندگی میں رسم ورواج، ضرورت اور حاجت، عام انسانوں کی سہولت اور اجتماعیت کو حنفی فقہ میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ

۱-۲: صدر الشریعۃ، عبید اللہ بن مسعود، التوضیح، بیروت، دار الکتب العلمیہ صفحہ ۲۸۔

۳: ابوزہرہ مصری، ابوحنیفہ حیاۃ وعصرہ، مصر دار الفکر العربی، ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۰۷۔

۴: ابن عابد بن شامی، رد المختار، صفحہ ۳۹۔

یہ امور حنفی فقہ کے اصول وقواعد میں شامل ہیں چنانچہ استحسان کی بنیاد انہیں امور پر ہے۔ اسی طرح عرف وعادت کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور ہر مسلمان کے قول وفعل کو ایک حد تک تحفظ دیا گیا ہے۔[1]

حنفی اصولوں کے تحت حلال وحرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے باقی احکام میں حتی الامکان عوام کی آسانی، سہولت اور ان کی اجتماعیت کو ترجیح دی گئی ہے[2] بلکہ عامۃ المسلمین کے معاملات اس وقت تک درست قرار دیئے جاتے ہیں جب تک ممانعت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو[3]۔ اسی خصوصیت کی بناء پر ائمہ اسلاف کی متفقہ رائے ہے کہ عوام کیلئے سہولت اور آسانی ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے[4]۔ امام شعرانی شافعی المذہب ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ عوام الناس کو امام ابوحنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے مسلمان کیلئے وسیع گنجائش پیدا کی ہے۔[5]

امام ابوحنیفہ ؒ کے ہاں اجتہادی اصولوں میں عوام کی ضرورت اور ان کے تعامل کو پیش نظر رکھنے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے مختلف اطراف سے تعلق رکھنے والے اپنے تلامذہ کی بڑی تعداد کو اپنی مجلس میں حاضری کا پابند کر رکھا تھا تاکہ مختلف علاقوں کے عرف وتعامل سے آگہی ہو سکے۔ امام صاحب خود بھی ایک تاجر کی حیثیت سے مختلف ملکوں اور علاقوں کا سفر کرتے رہے جس کے نتیجہ میں وہاں کے عرف وتعامل سے آپ کو آگاہی حاصل ہوئی۔ اس مجلس میں قواعد کے تحت جب استخراج اور استنباط کیلئے بحث ہوتی تو امام صاحب لوگوں کے تعامل کی بناء پر جب کوئی

1: احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، صفحہ ۳۸۵، جلد ۱۔ ابن عابدین شامی، رسم المفتی، صفحہ ۲۵۔ ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الفقہیہ صفحہ ۶۳

2: احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، صفحہ ۹۷ جلد ۲۔ ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الفقہیہ، صفحہ ۱۴۳۔

3: امام ابوالحسن الکرخی (اصول کرخی)، تاسیس النظر صفحہ ۱۶۵۔

4: حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، بیروت، دار الکتب العلمیہ، جلد ۳ صفحہ ۳۳۹، عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ، اردو ترجمہ مولانا محمد حیات سنبھلی، کراچی ۱۴۱۰ھ جلد ۱، صفحہ ۲۳۹۔

5: شعرانی، عبدالوہاب، المیزان الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔

استحسانی فیصلہ فرماتے تو تلامذہ کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔[۱]

فطرت کا لحاظ

امام صاحب ایسے مسائل میں جہاں روایات مختلف ہوں یا کوئی نص نہ ہو تو عام طور پر وہاں فطری تقاضے کو وجہ ترجیح قرار دیتے مثلاً مسواک کے متعلق عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ کی روایت کے مقابلہ میں عِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ یہ روایت فطری تقاضے کے قریب ہے کیونکہ مسواک فطری طور پر منہ اور دانتوں کی صفائی کے کام آتی ہے اور صفائی طہارت کا حصہ ہے لہٰذا ان کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے[۲]۔ جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں وہ نماز کی سنت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نماز میں قیام کے دوران میں ہاتھ ناف پر رکھنے سے متعلق روایات میں سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انسان فطری طور پر کسی بھی تعظیم کے موقع پر ہاتھوں کو مکمل کھلا چھوڑ کر ناف کے نیچے رکھتا ہے[۳]۔ مطلقہ بائنہ کے نفقہ اور سکنی کے مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک کے برعکس وہ اس کیلئے نان ونفقہ اور رہائش دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اپنے حق میں کسی کو پابند کرنے والا شخص، پابند شخص کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے[۴]۔ اسی طرح مغرب میں شفق کا مسئلہ ہے: کیا یہ سرخی کا نام ہے یا سفیدی کا؟ کہ جس کے ختم ہونے پر نماز مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی سورج کے فطری نظام کو پیش نظر رکھتے ہوئے احناف نے شفق بمعنی سفیدی کو ترجیح دی ہے[۵] کیونکہ سورج کے غروب اور طلوع کے مراحل مساوی ہیں اگرچہ ایک دوسرے کے برعکس ہیں یعنی طلوع کے جو مراحل طلوع شمس سے پہلے ہیں وہ مغرب میں غروب کے بعد ہوتے ہیں۔

سورج کے طلوع میں بیاضِ صادق اس کے بعد سرخی اور پھر طلوع ہے ادھر غروب اس کے بعد

۱: ابوزہرہ، تاریخ المذاہب، صفحہ ۱۳۸

۲: ملا علی قاری، مرقاۃ، جلد۲، صفحہ۲

۳: علی بن ابی بکر المرغینانی، الہدایہ، جلد۱، صفحہ۱۰۰

۴: ابن نجیم، البحر الرائق، جلد۴، صفحہ ۱۹۸۔ ۵: امام طحاوی، شرح معانی الآثار، جلد۱، صفحہ ۱۰۸۔

سرخی اور پھر بیاض ہے۔ چونکہ سورج کے مطرین نظام میں بیاض صادق فجر کے وقت میں شمار ہے اور لیل سے خارج ہے لہٰذا غروب کا بیاض بھی مغرب کے وقت میں شمار اور لیل سے خارج ہوگا جبکہ دیگر ائمہ نے شفق سے مراد سرخی لے کر بیاض کو عشاء کے وقت میں داخل کر دیا۔

نص کے اطلاق کی پابندی

چونکہ نص کلام حکیم ہے اس لئے اس کے اطلاق کا لحاظ رکھا جائے گا اور اسے کسی ادنیٰ دلیل سے مقید نہ کیا جائے گا چنانچہ قرآن کی مطلق نصوص کو حدیث کے بیان سے مقید نہ کیا جائے گا۔ مثلاً رضاعت کا مسئلہ کہ اس کے اثبات کیلئے مصتان (دو چوسے) پانچ چوسے یا بچے کے حلق میں مطلقاً دودھ کا اترنا اثبات رضاعت کیلئے کافی ہے اور اس سے حرمت رضاعت ہو جائے گی۔ اگرچہ بعض احادیث میں دو یا پانچ چوسوں کا ذکر ہے مگر چونکہ قرآن میں مطلق رضاعت پر حرمت کا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا قرآن کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک کی موجودگی میں دوسری بیوی سے نکاح پر نئی بیوی کو خصوصی رعایت کے مسئلہ میں حدیث شریف میں ہے کہ نئی بیوی کو اگر باکرہ ہو تو سات دن اور اگر ثیبہ ہو تو تین دن کا خصوصی حق ہوگا۔ یہ دن سابق بیوی کی باری سے زائد ہوں گے۔ قرآن مجید میں بیویوں کے متعلق عدل کا حکم مطلق ہے لہٰذا اس اطلاق کو حدیث کی وجہ سے تبدیل نہ کیا جائے گا اور نئی دلہن کو ابتداء میں جتنے بھی دن دیئے جائیں گے اتنے ہی دوسری بیویوں کو بھی دیئے جائیں گے تاکہ قرآنی اطلاق بحال رہے۔[۲]

جامعیت

جامعیت کا مفہوم ضابطے کا اپنی تمام جزئیات پر برابر منطبق ہونا ہے۔ اس ضمن میں احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر نص کے معانی یا روایات متعدد ہوں تو اس کا وہ معنی یا روایت قابل ترجیح ہوگی جس

۱: ابن نجیم، البحر الرائق، جلد ۳، صفحہ ۲۲۲

۲: ایضاً صفحہ ۲۱۸

میں جامعیت ہو مثلاً قرات خلف الامام کے متعلق دو روایات ہیں ایک میں لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اور دوسری میں مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ قِرَاءَۃٌ ہے اگر مقتدی کیلئے پہلی روایت پر عمل کو ضروری مانا جائے تو جامعیت نہ ہو گی کیونکہ مقتدی جہری نماز میں جب فاتحہ کے اختتام یا رکوع میں امام کی اقتداء میں داخل ہوا تو اس کیلئے فاتحہ پڑھنا ممکن نہیں۔ یہ اگرچہ مقتدی ہے مگر لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ والے حکم سے خارج ہوا۔ لہٰذا یہ حکم مقتدی کے ہر فرد کو شامل نہ ہوا لیکن مقتدی کو دوسری روایت میں داخل کیا جائے تو وہ حکم جامع رہتا ہے کہ ابتداء، درمیان فاتحہ یا رکوع میں شامل ہونے والے تمام افراد کو جامع ہے۔ لہٰذا مقتدی کیلئے دوسری روایت کو ترجیح ہو گی[۲]۔ اسی طرح مزابنہ اور محاقلہ یعنی پودے پر موجود پھل یا غلہ کو اندازاً خشک پھل یا غلہ کی مقرر اور معین مقدار کے عوض فروخت کرنا، ربا یا شبہ ربا کی وجہ سے حرام ہے کیونکہ ہم جنس غلہ کی بیع میں کمی بیشی جائز نہیں۔ حدیث میں مزابنہ اور محاقلہ کی حرمت میں سے عرایا کو مستثنیٰ کیا گیا ہے عرایا کی تفسیر میں امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی تفسیر کے مطابق عرایا بعینہٖ مزابنہ کی صورت ہے جسے امام مالک کی رائے میں رفع حرج اور امام شافعی کی رائے میں حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے لیکن امام ابوحنیفہ کی تفسیر کے مطابق عرایا، مزابنہ سے الگ دوسری چیز ہے کہ باغ کا مالک کسی حاجتمند کو ایک دو درختوں کا پھل ہبہ کرتا ہے کہ ان پر تازہ پھل تمہارا ہے پھر کسی وجہ سے مالک اس کو کہتا ہے کہ میں نے جو پھل تمہیں ہبہ کئے تھے وہ میں واپس لیتا ہوں اس پھل کا اندازہ کر لو۔ اس تفسیر کے مطابق یہ ہبہ قبل از قبض واپس لے کر بدلے میں دوسرا ہبہ دیا جا رہا ہے لہٰذا ہبہ کے عوض دوسرا ہبہ ہے۔ یہ بیع نہیں ہے پھر پہلے ہبہ پر موہوب لہ کا ابھی قبضہ نہیں ہوا کہ اسے واپس لینے میں کراہت ہو کیونکہ پھل ابھی مالک کے درخت پر ہے[۳]۔ بعض روایات میں اسے صورتاً بیع العرایا کہا گیا ہے جبکہ باقی ائمہ کی تفسیر میں عرایا حقیقی بیع ہے جو کہ مزابنہ کی صورت ہے۔ اسے محض حاجت یا حرج کی بناء پر مزابنہ کی

---

[۱]: اسحٰق بن ابراہیم، اصول الشاشی، صفحہ ۵۰۔ [۲]: ملا علی قاری، مرقاۃ، جلد ۲ صفحہ ۳۰۲

[۳]: الہدایہ، جلد ۳، صفحہ ۵۴

حرمت سے مستثنیٰ کیا گیا اس طرح امام صاحب نے مزابنہ کی حرمت کو جامع رکھا جس کا ہر فر (صورت) حرام ہے۔ اس کی جامعیت کو برقرار رکھتے ہوئے عرایا کی ایسی تفسیر فرمائی کہ مزابنہ کی حرمت پر اثر انداز نہ ہو۔

اسی طرح امام صاحب کا مزارعت کے بارے میں موقف بالکل منفرد ہے۔ ان کے ہاں مزارعت کی کوئی صورت جائز نہیں جبکہ باقی تمام ائمہ مزارعت کو مطلقاً یا مساقاۃ کے تابع قرار دے کر جائز مانتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مزارعت میں بدل مجہول ہے۔ تمام ائمہ نے عقد معاوضہ میں بدل مجہول کو فاسد کہا ہے لہٰذا اس قاعدے کے مطابق مزارعت فاسد ہونی چاہئے لیکن باقی ائمہ نے اس فساد کے باوجود مزارعت کو جائز مانا ہے۔ انہوں نے اس کے جواز کی دلیل خیبر کے واقعہ کو قرار دیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود خیبر کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا۔ لہٰذا اس واقعہ کی بناء پر خلاف قاعدہ مزارعت جائز ہے۔ امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ بدل مجہول کی وجہ سے فساد کا قاعدہ جامع ہے لہٰذا مزارعت ناجائز ہے۔ باقی رہا خیبر کا معاملہ تو وہ مزارعت نہیں تھا بلکہ فتح خیبر کے بعد وہاں یہود کو ذمی قرار دیا گیا تھا۔ ان سے نقد جزیہ کی بجائے فصلانہ کی شکل میں جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ ان سے جزیہ کی وصولی قرآنی حکم کے مطابق ضروری تھی جبکہ فصلانہ کے علاوہ ان سے اور کوئی جزیہ وصول کرنے کا ثبوت نہیں ہے اور پھر خیبر کے معاملہ کو مزارعت پر محمول کرنا یوں بھی غلط ہے کہ خیبر والوں سے مزارعت کی کوئی مدت طے نہ کی گئی تھی۔ ان سے معاہدہ یہ ہوا تھا کہ ہم جب چاہیں گے تمہیں وہاں سے نکال دیں گے حالانکہ مزارعت کو جائز کہنے والوں کے ہاں بھی مزارعت کیلئے مدت کا تعین ضروری ہے کیونکہ مدت مجہول اور غیر معین ہو تو ہر قسم کا اجارہ فاسد ہوتا ہے۔ مزارعت بھی چونکہ زمین کا اجارہ ہے جو مدت مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگا لہٰذا ان کے اس مسلّمہ قاعدے پر بھی خیبر کا معاملہ مزارعت نہیں بن سکتا[۱]۔ غرضیکہ امام صاحب کے ہاں یہ قاعدہ کہ مدت مجہول و بدل مجہول موجب فساد ہے جامع ہے۔ اس کی جامعیت کو باقی رکھتے ہوئے امام صاحب نے خیبر کے معاملہ کی

۱: ملا علی قاری، مرقاۃ، جلد ۶، صفحہ ۱۲۵۔

ایسی توجیہ بیان فرمائی کہ قاعدہ کی جامعیت پر حرف نہیں آیا جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں جو توجیہ ہے وہ قاعدہ کو مجروح کرتی ہے۔

عوامتہ الناس کیلئے آسانی اور وسعت

حنفی اصولوں کی بنیاد ہی اس امر پر ہے کہ عوام کو شدت اور تنگی سے بچایا جائے اور ان کیلئے آسانی کی گنجائش پیدا کی جائے۔ چنانچہ شرعی احکام میں فرض وحرام یہ دو ایسے حکم ہیں جن میں پابندی کیلئے شدت اور سختی ہے مثلاً فرض کا انکار کفر اور اس کا ترک موجب فسق ہے۔ اسی طرح حرام کو جائز قرار دینا کفر اور اس پر عمل موجب فسق ہے۔ اب اگر فرض وحرام کا دائرہ وسیع ہو تو عوام کیلئے حرج اور تنگی کا دائرہ وسیع ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کو عوام کیلئے یسر پسند اور عسر ناپسند ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ[۱] (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یسر چاہتا ہے اور عسر نہیں چاہتا)۔

اسی لئے امام صاحب نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر ان کا دائرہ اور تعداد کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ آپ کے نزدیک فرض وحرام کا اثبات ایسی نص سے ہوگا جو ثبوت اور دلالت دونوں طرح سے قطعی ہو اور اگر کوئی نص اس معیار پر نہ ہو مثلاً قطعی الثبوت تو ہو مگر قطعی الدلالت نہ ہو یا اس کے برعکس ہو یا ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی نہ ہو تو ایسی نصوص سے فرض یا حرام ثابت نہ ہو سکے گا[۲]۔ اس کے برعکس دیگر ائمہ کرام کے نزدیک فرض اور حرام کیلئے یہ سخت شرائط نہیں ہیں جس کے نتیجہ میں دیگر ائمہ کے ہاں فرائض ومحرمات کی تعداد زیادہ ہوگی مگر امام ابوحنیفہ کے ہاں ہر شعبۂ زندگی میں عام طور پر فرائض ومحرمات کی تعداد کم ہوگی جس سے عامتہ الناس کو سہولت اور آسانی حاصل ہوگی اور نصوص کے ثبوت یا دلالت میں شبہ کا فائدہ عوام اور مکلفین کو حاصل ہوگا اور یوں ان کیلئے کفر اور فسق کے مواقع اور ذرائع کم ہو جائیں گے۔ اسی طرح آپ کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی عوام پر شفقت کا پہلو نمایاں نظر آئے گا مثلاً فرض کی ادائیگی

۱: سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵

۲: ابن عابدین شامی ردالمحتار، جلد ا صفحہ ۶۳

کے اصول میں آپ کے نزدیک جو سہولت اور آسانی ہے وہ دیگر ائمہ کرام کے ہاں نہیں ہے۔ حنفی اصول کے تحت ماموربہ کے اطلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر عمل کر لینا فرض کی ادائیگی کیلئے کافی ہے مثلاً نماز میں رکوع یا سجدہ کو ادا کرنے میں رکوع کیلئے منہ کے بل جھک جانا اور سجدہ کیلئے زمین پر پیشانی کا لگا دینا کافی ہے کیونکہ قرآن میں رکوع اور سجدہ کا ذکر مطلق ہے اور اس میں کسی مزید قید کا ذکر نہیں ہے لہٰذا وَارْکَعُوْا اور وَاسْجُدُوْا کو ادا کرنے کیلئے رکوع اور سجدے کے معنی کا مطلقاً ادا ہونا فرض ادا کرنے کیلئے کافی ہے۔ اس سے زائد مثلاً طمانیت یا اعتدال یا کسی اور کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا سجدے اور رکوع کی ادائیگی میں یہ زائد امور فرض نہ ہوں گے (واجب یا سنت وغیرہ ہو سکتے ہیں) یوں امام ابوحنیفہ کے ہاں فرض کی ادائیگی میں سہولت اور آسانی ہو گی کیونکہ اطلاق میں وسعت ہے جبکہ تقیید میں عسر اور تنگی ہے حالانکہ دیگر ائمہ کے ہاں رکوع اور سجدے کے فرض کو ادا کرنے کیلئے طمانیت کی زائد کیفیت فرض ہے۔ جس سے مکلف کو رکوع یا سجدہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔[۱]

امام صاحب نے نمازوں کے اوقات میں نماز کی ادائیگی کیلئے اسی وقت کو افضل قرار دیا جس میں فطری طور پر انسان کیلئے سہولت ہو۔ دیگر ائمہ کرام کے ہاں مطلقاً ہر نماز میں تعجیل افضل ہے جبکہ امام صاحب کے ہاں موسم اوقات اور نمازی کے حال کے اختلاف سے فضیلت مختلف ہوتی جائے گی۔

شخصی آزادی

امام صاحب کے اجتہادی قواعد میں شخصی آزادی کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے ہر پہلو میں شخصی آزادی کا تحفظ فرمایا ہے اور کسی طاقت کی مداخلت کی بجائے آپ شخصیت سازی میں اخلاقی احساسات کو اجاگر کرنے کے قائل تھے تاکہ قانونی جبر کی بناء پر بغض وعناد کی فضاء پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے عاقل، بالغ مرد وعورت کو ولی کی مداخلت کے بغیر نکاح کی اجازت دی ہے جبکہ دیگر ائمہ نے ولی کی مداخلت کو ضروری قرار دیا ہے۔

---

[۱] ابن نجیم زین الدین، البحر الرائق، جلد۱، صفحہ ۲۹۳

ولایتِ نفس

ولایت نفس کو تحفظ دیتے ہوئے آپ نے حرہ، عاقلہ، بالغہ لڑکی کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے جبکہ باقی ائمہ کرام حدیث لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ کے تحت کسی قریبی مرد ولی کے بغیر ایسے نکاح کا اختیار نہیں دیتے جبکہ امام صاحب کے نزدیک ولی کی یہ پابندی صرف نابالغہ، مجنونہ اور لونڈی کیلئے ہے۔[۱]

اسی طرح شادی شدہ لونڈی کے آزاد ہونے پر امام صاحب نے اسے وسیع اختیار دیا ہے کہ غلامی کے دور میں مالک کے کیئے ہوئے نکاح کو وہ فسخ کرسکتی ہے خواہ اس کا خاوند حر ہو یا عبد ہو۔ دیگر ائمہ کرام اس کو یہ اختیار صرف خاوند کے عبد ہونے کی صورت میں دیتے ہیں، خاوند کے حر ہونے کی صورت میں وہ یہ اختیار نہیں دیتے۔[۲]

مدبر، مکاتب اور ام ولد کی بیع کو امام صاحب نے اسی لئے ناجائز قرار دیا ہے کہ ان کو مالک کی طرف سے ایک طرح کا استحقاقِ آزادی حاصل ہو چکا ہے جسے کالعدم نہیں کیا جاسکتا جبکہ دیگر ائمہ کرام مدبر کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جس سے اس کا استحقاق متاثر ہو جاتا ہے۔[۳]

اس طرح اگر وصیت کے ذریعہ متعدد غلاموں کو مجموعی آزادی کا حق ملتا ہو تو آپ کے نزدیک وہ سب آزاد ہو جائیں گے، اگر ان کی مجموعی قیمت وصیت کرنے والے کے کل مال کے ثلث سے زائد ہو تو ہر ایک سعی کے ذریعہ اپنے حصہ سے زائد رقم ورثا کو ادا کرے گا جبکہ بعض دیگر ائمہ کرام قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض کو آزاد اور بعض کو غلام قرار دینے کا اختیار ورثاء کو دیتے ہیں جس سے بعض غلام استحقاقِ حریت سے محروم ہو جاتے ہیں۔[۴]

۲-۱: ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر شرح الہدایہ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۱۔

۳: علی بن ابی بکر مرغینانی، ہدایہ، جلد ۲ صفحہ ۴۵۲

۴: ابن عابد بن شامی، رد المحتار، جلد ۳، صفحہ ۲۱۔ عبداللہ محمد بن عبدالرحمن دمشقی شافعی، رحمت الامۃ فی اختلاف الائمۃ صفحہ ۴۲۸۔

تحفظ حقوق

حنفی فقہ میں حقوق کا تحفظ بھی اہم مسئلہ ہے چنانچہ حنفی مذہب میں قضاء علی الغائب کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں غیر حاضر شخص کے حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے۔ اسی طرح حقوق زوجیت میں قاضی یا حاکم کو اس وقت تک فسخ نکاح کیلئے مداخلت کا اختیار نہیں جب تک کہ نکاح کے بنیادی مقاصد کی ادائیگی کا امکان باقی ہے مگر بعض دیگر ائمہ کرام کسی وقتی شکایت کی بناء پر بھی قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔[۱]

ملکیت میں تصرف

اپنی ملکیت میں تصرف کی آزادی بھی فقہ حنفی کی ایک خصوصیت ہے مثلاً کوئی لڑکا اپنے بلوغ میں کامل ہوجائے مگر اس کے باوجود فضول خرچی سے باز نہ آئے تو دیگر ائمہ کرام کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس فضول خرچ لڑکے کو اپنے مال میں تصرف سے محروم (مجور) کردے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ بلوغِ کامل کے بعد کسی شخص کو اپنے مال میں تصرف سے محروم کردے اگرچہ قاضی کو اس صورت میں دیگر تادیبی کارروائی کا اختیار ہے مگر کسی عاقل بالغ کے حق تصرف کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔[۲]

اسی طرح دیوالیہ ہونے کی صورت میں مقروض کے متعلق بھی دیگر ائمہ کی یہی رائے ہے کہ قاضی اسے اپنی ملکیت میں تصرف سے محروم کرسکتا ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیوالیہ مقروض کو بھی اپنی ملکیت میں تصرف سے محروم کرنے کا اختیار قاضی کو نہیں ہے اگرچہ یہاں قاضی کو دیگر کاروائی کی اجازت ہے۔

۱: ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸۔

۲: ایضاً جلد ۷، صفحہ ۳۱۴۔

حریت فکر

امام ابوحنیفہ حریت فکر کے زبردست حامی تھے ان کا موقف یہ تھا کہ ایک عالم کو آزادی فکر کا حامل اور اپنی سوچ میں آزاد منش ہونا چاہئے۔ آپ کا موقف ہے کہ عالم کو چاہئے کہ وہ حکومت کی ملازمت سے آزاد رہے بلکہ اس کو خلیفہ وقت یا اس کے کسی ماتحت سے کوئی ہدیہ یا وظیفہ وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی سوچ اور فکر میں آزاد رہ سکے اور کلمہ حق کہنے میں بے باک رہ سکے۔ آپ نے خود اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے متعدد پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور اپنی فکری آزادی کے تحفظ میں جان تک قربان کردی ہے[1]

عرف وتعامل

امام ابوحنیفہ نے انسان کے قول وفعل کو ایک حد تک قانونی تحفظ دیتے ہوئے عرف اور تعامل کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا تاکہ انسانی احترام کے پیش نظر اس کے وضع کردہ امور کو مہمل ہونے سے بچایا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی اصولوں کے تحت حلال وحرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے حتی الامکان عامۃ الناس کے معاملات کو درست قرار دیا گیا ہے بلکہ ان امور میں اس وقت تک عوام کی موافقت کی جائے گی جب تک ان کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو[2]

عرف وتعامل کے اعتبار سے جہاں احناف کے ہاں بہت سے معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں وہاں اس سے انسانی قدروں کے احترام کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس سے انسان کے بطور انسان مسلمان ہو یا کافر عالم ہو یا جاہل قول وفعل کو تحفظ اور مجموعی انسانی معاشرے کو معاشرتی امور میں ایک طرح سے متقنن کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[1]: ابوزہرہ، تاریخ المذاہب، صفحہ ۱۴۸۔

[2]: احمد رضا خان بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱، صفحہ ۹۷۔ ابوزہرہ، تاریخ المذاہب جلد ۳، صفحہ ۱۴۳۔ ابوالحسن کرخی، اصول کرخی، صفحہ ۶۰

احترامِ انسانیت

امام صاحب نے احترامِ انسانیت کو دستور قرار دیتے ہوئے اہم فیصلے فرمائے۔ آزاد عورت کے مہر کے مسئلہ میں دیگر ائمہ کے برعکس آپ کا خصوصی موقف یہ ہے کہ اس کے مہر کا گراں قدر ہونا شرعی حق ہے جس میں کسی انسان کو بلکہ خود عورت کو بھی مداخلت کا اختیار نہیں لہذا کسی ولی یا خود عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بغیر مہر یا شرعی مقدار سے کم یا مہر میں مال کے بغیر کسی اور شرط پر نکاح کر سکے کیونکہ انسانی جزو یا حصے سے انتفاع یا اس کا استعمال احترامِ انسانیت کے منافی ہے۔[۱]

لیکن خود خالق و مالک نے نکاح کی صورت میں انسانی جزو سے انتفاع کی اجازت بعض ضروری مقاصد کیلئے دی ہے جو ایک استثنائی صورت ہے۔ جس کو مالی معاوضہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔ یہ استثنائی صورت اپنی خصوصیات کے بغیر ظہور پزیر نہ ہوگی ورنہ احترامِ انسانیت کے دستور کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ اسی قاعدہ کی بنا پر آپ نے چوری میں قطع ید کو بھی ایک حد تک گراں قدر مال کی چوری سے مشروط کیا ہے[۲]۔ معمولی چیز کی چوری پر قطعِ ید انسانی احترام کے منافی ہے۔ انسانی اکرام و احترام کو دستور قرار دیتے ہوئے آپ نے جہاد میں گھوڑے کی شرکت پر غنیمت میں سے گھوڑے کیلئے مجاہد کے مقابلے میں دوگنا حصہ کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے مقابلہ میں حیوان کو کسی بھی صورت میں اعزاز نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس سے انسانی احترام و اکرام کا دستور متاثر ہوسکتا ہے۔[۳]

مذکورہ بالا وہ مسائل ہیں جنہیں تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں اقوام عالم نے اہمیت دی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے تیرہ سو سال قبل ہی ان کی اہمیت واضح کر دی تھی۔ اسی طرح آپ نے ان ممکنہ مسائل کیلئے ضابطے بھی وضع فرما دیئے جن کا وجود آپ کے زمانہ بلکہ بعد تک بھی نہیں تھا تا کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل کو ان ضوابط کے تحت حل کر لیا جائے۔ چنانچہ فرضی جزئیات کی بنیاد پر اصول وضع کرنے کے بارے میں جب امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ ایسے مسائل کا وجود نہیں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم ابتلا اور تکلیف کے وقوع سے

۳-۲-۱: ابن نجیم، البحر الرائق، جلد ۳ صفحہ ۱۵۲۔

قبل ہی اس کا حل پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ (ابوزہرہ، ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، صفحہ ۲۰۳)

حنفی فقہ کی اس وسعت کے پیشِ نظر یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل فقہِ حنفی میں موجود ہے۔ (حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب البغدادی، تاریخ بغداد، جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۸)

(بشکریہ مجلہ ''فقہ اسلامی'' کراچی، صفر المظفر ۱۴۲۴ھ/اپریل ۲۰۰۳ء)

بقیہ: تقلید کی شرعی حیثیت

بھی اچھی طرح واضح ہو گئے جن کی بدولت انہوں نے دینِ اسلام کی خدمت کی اور یہ سب ان پر فیضانِ الٰہی تھا کہ ان کو ایسا علم عطا ہوا جسکی وجہ سے بقول حضرت امام شافعی بقیہ امت ان کی عیال ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ ؒ نے حدیث، تفسیر، فقہ، علم کلام، قراۃ، نحو، صرف، عربیت وغیرہ میں ایسے نکات پیدا کئے کہ آج بھی دنیا محوِ حیرت ہے۔ مناظروں میں انہوں نے حریفوں کو انہیں کے الفاظ میں شکست دی۔ یہ سب کچھ عطیہ خداوندی اور فیضانِ الٰہی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کی عملی زندگی اور بندگی سے خوش ہو کر ان پر نازل کیا۔

تمام مسلمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ چشمِ بینا دے کہ وہ امام اعظم ؒ کو اچھی طرح دیکھ سکیں کیونکہ امام اعظم ؒ کے حالات اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانبدار آدمی پر یہ بات روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ امام اعظم ؒ کی زندگی کے علمی اور عملی دونوں پہلو عطیہ الٰہی کا بہترین نمونہ ہیں جنہوں نے امام اعظم ؒ کو اس نظر سے دیکھا وہ خود مقبول بارگاہ ہوئے اور جنہوں نے امام اعظم ؒ کے ساتھ حسد وبغض کیا اور تنقید سے کام لیا آج تاریخِ عالم کے صفحات ان کے واقعات سے دوسروں کیلئے عبرت بنے ہوئے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ آج امام اعظم ؒ کا مسلک اور ان کے نام لیوا اسی فرشِ زمین پر کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور حاسدین و ناقدین کے قول ومسلک پر دس مسلمان بھی نماز پڑھنے والے شاید مشکل سے دستیاب ہوسکیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَ عِنْدِیْ ھٰذَا مِنَ الْکِتَابِ

خراج عقیدت بحضور سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

آں امامانے کہ کردند اجتہاد
رحمت حق بر روان جملہ باد

بو حنیفہ بُد امام با صفا
آں سراج امتانِ مصطفی

باد فضلِ حق قرینِ جانِ او
شاد باد ارواح شاگردانِ او

صاحبش بو یوسف قاضی شدہ
وز محمد ذوالمنن راضی شدہ

شافعی، ادریس، مالک یا زفر
یافت ذیشاں دینِ احمد زیب فر

احمد حنبل کہ بود او مردِ حق
در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

روح شان در صدرِ جنت شاد باد
قصر دیں از علم شاں آباد باد

فقہ کا تاریخی پس منظر اور

فقہ حنفی کا تعارف

سید یاسر بخاری (متعلم ایل ایل بی)

ممالکِ عالم کی تاریخ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کم وبیش ہر گوشہ میں ابتداً قبائلی رسوم ورواج کا غلبہ تھا اور ہر مسئلہ کا حل اس علاقہ کی مخصوص روایات کے تحت ہی تلاش کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا جس کو علاقائی رسم ورواج کے مطابق حل کرنا ممکن نہ ہوتا تو پھر اسی معاشرہ کے کسی با اعتماد اور عقلمند شخص کی جانب رجوع کیا جاتا جو اپنے فہم وادراک کی بدولت اور علاقائی رسوم و رویوں کو مدنظر رکھ کر مسئلہ کے حل تک پہنچنے کی کوشش کرتا اور اس کا فیصلہ آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک قانون کی حیثیت اختیار کر جاتا۔ یہی فیصلے قانون کی ترقی اور ترویج ونشونما میں انتہائی ممد ومعاون ثابت ہوئے۔

لغوی مفہوم

لغتِ عربی کے مطابق ''فقہ کے معنی یہ ہیں

''الفقہ: کسی شئے کا جاننا اور سمجھنا، احکام شرعیہ کا علم ادلہ تفصیلیہ کے ساتھ۔ حذاقت زیرکی والفقیہ: بہت سمجھدار، ذکی، عالم، علم فقہ کا جاننے والا''

(المنجد صفحہ ۷۵۸، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۵ء)

یعنی لغوی اعتبار سے ''فقہ'' کے معنی جاننے اور سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم

بطورِ اصطلاح فقہ کے مشہور ترین معنی وہ ہیں جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہیں

هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَ مَا عَلَيْهَا (شرح فقه الاكبر ، ملا علی قاری رحمہ اللہ)

ترجمہ: نفس کو اس بات کا علم ہونا کہ اس کے حقوق کیا ہیں اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

یعنی انسان اپنے نفع ونقصان، فرائض وذمہ داریوں کی معرفت جس علم کے ذریعہ حاصل کرے اسے فقہ کہتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہ تعریف قدماء کی اس اصطلاح پر مبنی ہے جس میں اعتقادیات اور عملیات دونوں ہی فقہ کہے جاتے تھے۔ اس تعریف کی رو سے فقہ کا دائرہ کار بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے کُل علومِ دینیہ بلکہ کل حقوق وفرائض نفس کی معرفت مراد لی گئی ہے۔ اس طرح فقہ کُل اعتقادیات (مثلاً ایمان وغیرہ)، وجدانیات (اخلاقِ باطنہ وملکات نفس) اور عملیات (مثلاً صلوٰۃ وصوم وغیرہ) پر مشتمل ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں علم کلام، علم اخلاق وتصوف اور علمِ معاملات سب فقہ شمار کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ علمِ کلام بھی اسی زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے مگر یہ مفہوم کچھ ضرورت سے زیادہ وسیع ہے اور ظاہر ہے کہ فقہ کی اتنی وسیع تعریف سے بہت سے تضادات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اسی لئے علماء نے اسے زیادہ قطعی اور معین بنانے کی سعی وکوشش کی ہے۔ اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تصنیف ''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں فقہ کی تعریف میں رقمطراز ہیں

" هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ"

(بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور جلد ۱۴/۱)

اس تعریف کی ایک شکل یہ بھی ہے

هُوَ مَجْمُوْعَةُ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ الْمُسْتَفَادَةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ

ترجمہ: یہ مجموعہ احکامِ شرعیہ عملیہ ہے جو ادلہ شرعی یعنی قرآن مجید، سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس کی بناء پر مستنبط ہوتے ہیں اسی لئے بعض اہلِ فن نے ایسے احکام کو فروع بھی کہا ہے۔

فقہ کے چار ارکان (ادلہ) بتائے گئے ہیں

۱: العبادات (امر الآخرۃ)۔ ۲: المعاملات۔

۳: المناکحات۔ ۴: العقوبات۔

علمِ فقہ کا موضوع

فِعْلُ الْمُکَلَّفِ مِنْ حَیْثُ الْوُجُوْبِ وَالنَّدْبِ وَالْحِلِّ وَالْحُرْمَۃِ

ترجمہ: وجوب واستحباب اور حلت وحرمت کے اعتبار سے مکلف کا فعل اور اس کے مسائل احکامِ شرعیہ عملیہ ہیں۔

فقہ کی غرض وغایت

اَلنِّجَاۃُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ نَیْلُ الثَّوَابِ فِی الْجَنَّۃِ

ترجمہ: عذاب جہنم سے نجات اور جنت کا حصول ہے۔

علمِ فقہ کا شرف بوجہ اس امر کے ہے کہ یہ دین سے متعلق ہے اور اس کی تحصیل اجر وثوابِ عظیم کا موجب ہے۔ علمِ فقہ شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کو صحیح اور عمدہ طریق پر سمجھنے اور ان سے مسائل کے صحیح استنباط کیلئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اصطلاحی طور سے فقہ کے معنی یہ بھی ہیں اَلْعِلْمُ مَعَ الْفَھْمِ یعنی کسی کے حکم کے معنی کی صحیح وصائب واقفیت جس کی اساس مجتہدانہ نظر وتامل پر ہو (ماخوذ از اردو دائرہ معارف اسلامیہ بحوالہ بالا)

فقہ، اجتہاد، قیاس، رائے تقلید قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے اپنی کلام قرآن مجید فرقانِ حمید میں فرمایا لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ (التوبۃ) ''تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں'' فرما کر علمِ فقہ کے حصول کی ترغیب دی۔ اس آیۂ کریمہ کے تفسیری حاشیہ میں صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ ''فقہ افضل ترین علوم ہے'' (خزائن العرفان، حاشیہ بر کنز الایمان)

نیز ارشاد فرمایا وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ''اور کتاب اور حکمت (پختہ علم) سکھاتا ہے''

میں حکمت سے مراد مفسرین نے فقہ لی ہے۔ اسی طرح یُؤتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَاءُ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (القرآن) ''اللہ تبارک وتعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت عطا کی گئی پس تحقیق اسے بہت بڑی بھلائی عطا کی گئی'' میں بھی حکمت سے مراد قرآن و حدیث وفقہ کا علم ہے۔ (خزائن العرفان حاشیہ بر کنزالایمان بحوالہ مدارک وخازن)

آیۂ کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ''اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں''۔ اس آیت میں اولی الامر سے مراد جمہور مفسرین کرام نے اہلِ علم وفقہ لی ہے۔

پیغمبر اسلام نبی کریم عالم علوم اولین و آخرین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حدیث مبارکہ میں ارشاد فرماتے ہیں مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (مشکوٰۃ، کتاب العلم، فصل اول صفحہ ۳۲ اصح المطابع دہلی)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقیہہ بنا دیتا ہے۔

حضرت علامہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں

''اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ علماء کی سب لوگوں پر اور فقہ کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔'' (فتح الباری)

اسی طرح رسالت مآب ﷺ نے امام المفسرین حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیلئے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (مشکوٰۃ) ''اے اللہ! ابنِ عباس کو دین کا فقیہہ بنا دے''۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر و عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی جھگڑا تصفیہ کیلئے پیش ہو تو تم فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا تو پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ دونوں میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو

گے؟ انہوں نے عرض کیا

قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَأْيِىْ وَلَا اٰلُوْ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ صَدْرَه' فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ

ترجمہ: تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر (ازراہِ شفقت) ہاتھ مار کر فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء جس نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

(ابوداؤد، کتاب القضاء، باب اجتہاد الرائی فی القضاء)

دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشادِ گرامی بہت مشہور و معروف ہے تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا یعنی فقہ سیکھو قبل اس کے کہ تم سردار بنائے جاؤ۔

خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا کہ جب کبھی ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے فَقَالَ اَجْتَهِدُ بِرَأْيِىْ (طبقات ابن سعد، جلد ۳) "میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں"۔

امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا اَحْكُمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَ اَجْتَهِدُ رَأْيِىْ (شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری) یعنی میں کتاب اللہ و سنتِ رسول ﷺ کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

فقہ اسلامی عہدِ رسالت میں

تاریخِ اسلام پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ آغازِ اسلام کے ساتھ ہی اسلامی فقہ کی بناء پڑ گئی تھی کیونکہ قرآن مجید فرقانِ حمید ہی فقہ اسلامی کا ماٰخذ اولی اور بنیادی رکن ہے یعنی

"جب سے اسلام ہے جب ہی سے فقہ اسلام ہے کیونکہ نزولِ قرآن کا سلسلہ تئیس برس تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں جب کوئی ضرورت پیش آتی رسول کریم ﷺ اپنے اجتہاد سے حکم دیتے اس ہی کا نام فقہ ہے اور یہی فقہ کا سنگِ بنیاد ہے"

(تاریخ الفقہ، قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی، مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور ۱۹۶۳ء، صفحہ ۱۲)

پیغمبر اسلام نبی کریم عالم علومِ اولین و آخرین ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جس مبارک و مقدس طریقہ پر فقہ اسلام اور دینی مسائل کی سمجھ بوجھ یا فقاہت حاصل کرنے کی جانب راغب فرمایا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ علم فقہ کو نہایت پسند فرماتے تھے اور خصوصی میلانِ خاطر رکھتے تھے۔ آپ ﷺ بحیثیت شارع و صاحبِ قرآن ہونے کے کتاب اللہ کے احکامات میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا اصولِ اجتہاد کتاب و قیاس تھا۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ آنحضور ﷺ از روئے آیہ قرآن مجید وَ مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی ۝ (اور نبی کریم ﷺ اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں فرماتے، وہ جو بھی ارشاد فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے) کتاب اللہ کے فیصلوں کی جو مزید تشریح فرماتے ہیں ان میں اور فقہائے کرام کے استنباطِ مسائل اور اجتہاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آنحضور ﷺ کا ہر ارشاد مبارک اور حل فرمودہ مسئلہ باتفاق علمائے اہل سنت و جماعت وحی غیر متلو کہلاتا ہے۔ البتہ آپ ﷺ کی امت کے فقہائے کرام نے دراصل آپ ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے وحی متلو (قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (حدیث مبارکہ) کو مدنظر رکھ کر استنباطِ مسائل فرمایا ہے جو کہ فقہ کے ابتدائی اور بنیادی ماخذ ہیں۔۔ فافہم۔ ذیل میں آپ ﷺ کے چیدہ چیدہ اجتہاد درج کئے جاتے ہیں:

"قرآنِ مجید نے ناپاک چیزوں کو حرام اور پاک چیزوں کو حلال کیا۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں باقی رہیں ان کے متعلق آنحضور ﷺ نے اپنے اجتہاد سے تصریح فرمادی کہ ہر درندہ جانور اور کج پنجہ دار حرام ہے۔۔۔ قرآنِ مجید نے اس مال کی تفصیل نہیں کی جس میں زکوٰۃ واجب ہے، نہ زکوٰۃ مفروضہ کی تعداد معین کی، حضور ﷺ نے اس

کی توضیح فرمادی --- قرآن مجید نے جان کی دیت بتلادی، سارے اعضاء کی دیت نہیں بتلائی، حضور ﷺ نے اس کی تفصیل فرمادی --- قرآن مجید میں حکم ہے وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (یعنی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو) یہ حکم عام ہے۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں لیکن حضور نے علت حکم پر قیاس فرما کر کہ مشرکین کے قتل کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے، ضرر پہنچاتے تھے۔ بوڑھے بچے اور بیمار کو اس سے مستثنیٰ کردیا کیونکہ یہ اس پر قادر نہیں" (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۳)

"حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ میری ماں نے حج ادا کرنے کی منت مانی تھی مگر وہ بغیر ادا کئے مرگئی تو کیا میں اپنی ماں کی جانب سے حج ادا کردوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہ کرتی؟" (بخاری)

یہاں حضور ﷺ نے دینِ مباد پر دینِ حق تعالیٰ کو قیاس فرما کر حکم دیا کہ متوفیہ کی جانب سے حج ادا کیا جائے۔

"قرآن مجید نے ماں اور بیٹی اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا۔ حضور ﷺ نے اس ہی پر قیاس فرما کر بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو بھی نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمادیا --- اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ (البقرہ) یعنی کوہ صفا و مروہ خدا کی نشانیاں ہیں) اس آیت میں صفا کا نام اول آنے سے حضور ﷺ نے قیاس فرما کر حکم دیا کہ حج میں سعی کی ابتداء صفا سے کرنا چاہئے۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (البقرہ) (یعنی خدا ہی کیلئے مشرق و مغرب ہے) اس آیت سے استنباط کیا گیا کہ فرضیت استقبال قبلہ بحالت عذر ساقط ہوسکتی ہے"۔ (تاریخ الفقہ، بحوالہ بالا صفحہ ۱۴)

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے بہ نفس نفیس اپنے چند مقرب و خاص الخاص صاحبان عقل وفہم کو اجتہاد و فتویٰ کے فرائض تفویض فرمار کھے تھے۔ صاحب "تاریخ الفقہ" تحریر فرماتے ہیں

"بعض مسائل و معاملات کے متعلق حضور ﷺ خود حکم دیتے تھے۔ بعض میں اصحاب سے مشورہ فرماتے تھے جیسے اذان کے معاملہ میں یا اسیرانِ جنگِ بدر کے معاملہ میں۔ شوریٰ کی عزت ہر صحابی کیلئے نہ تھی بلکہ ان حضرات سے مشورہ کیا جاتا تھا جن کا علم عقل و تجربہ وسیع تھا۔ حاضر باشی یا تقویٰ و طہارت پر ہی اس کا انحصار نہ تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور اکثر اصحاب صحبتِ رسول کریم ﷺ سے مستفید ہوئے تو حضور ﷺ نے بعض اصحاب کو اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا۔ ان مجتہد اصحاب کے سوا کوئی دوسرا اصحابی فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔ ان اصحاب کا اصولِ اجتہاد کتاب و سنت و قیاس تھا چونکہ رائے و قیاس معاملہ تھا۔ سب کا علم و عقل یکساں نہ تھا اس لئے اختلاف ہونا بھی لازمی تھا۔ بعض مسائل میں اختلاف ہو جاتا تھا، حضور ﷺ سن کر بعض دفعہ فریقین کے اجتہاد کو پسند فرماتے اور بعض دفعہ ایک فریق کے استنباط پر اظہارِ پسندیدگی کرتے" (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۴)

آنحضور ﷺ کے مجاز مفتی و مجتہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں

۱: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
۳: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۴: امام الاولیاء سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم
۵: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۶: حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
۷: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	۸: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ
۹: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۱۰: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۱۱: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۲: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
۱۳: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	۱۴: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۱۵: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۱۶: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ
۱۷: حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ	(ماخوذ از تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۴)

یہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت یافتہ وہ بزرگ اور عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے

اپنی موجودگی میں اجتہاد اور قیاس کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور انہیں پسند بھی فرمایا۔

مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر ہر ایک صحابی کے اجتہاد و فتویٰ کی امثال درج نہیں جا سکتیں صرف خلفائے راشدین المہدیین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادوار سے چند مثالیں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ مزید تفصیلات کیلئے سیر و تاریخ کی مستند کتابوں کی جانب رجوع کیا جا سکتا ہے۔

فقہ اسلامی خلافتِ راشدہ میں

رسول کریم ﷺ کے عہدِ مبارکہ میں تمدنِ اسلامی ابتدائی حالت میں تھا اور اس تمدن کی اساس ایک ایسی سرزمین میں ڈالی جا رہی تھی جہاں کی معاشرت و تہذیب پر کسی بیرونی تہذیب کے اثرات موجود نہیں تھے۔ اہلِ عرب کا طرزِ بود و باش انتہائی سادہ تھا۔ دیگر ممالک اور اقوام کے ساتھ تعلقات بھی برائے نام وابستہ تھے اور نہ ہی علوم و فنون کی جانب لگاؤ تھا جس کی وجہ سے ابتدائی مسلمانوں کی ضروریات بہت محدود اور ان کا طرزِ معاشرت انتہائی سادہ تھا۔

آنحضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ عالم تھا کہ وہ سرتا پا محبت و اطاعتِ رسول ﷺ میں مشغول و مصروف تھے۔ اتباعِ رسول ﷺ کے اس کامل جذبہ کے تحت نہ تو وہ کسی بات پر حجت کرتے، نہ تکرار، نہ سوچ بچار۔ بس جس کام کو جس طرح رسول کریم ﷺ کو انجام فرماتے دیکھتے بعینہٖ اسی طرح کیا کرتے۔

"حضور ﷺ کی وفات کے بعد ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ تمدن و ضروریات میں وسعت ہوئی۔ مختلف ممالک کے باشندوں، مختلف المذہب لوگوں اور مختلف قوموں سے میل جول ہوا، معاملات ہونے لگے۔ مختلف دیار اور امصار مختلف مذہب و ملت کے لوگ جوق در جوق داخلِ اسلام ہونے لگے اسلئے نئے نئے واقعات پیش آنے لگے۔ بعض مسائل تو ایسے تھے جن کے متعلق آیت و حدیث صاف و واضح موجود تھی اور کوئی حدیث اس کے

معارض نہ تھی لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی تھے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی تصریح موجود نہ تھی یا ایک حدیث کے معارض دوسری حدیث تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ عادات وسنن ومباحات میں اکثر ایک ہی امر کے پابند نہ رہتے تھے اور یہ ممکن بھی نہ تھا اور تمام اصحاب رضی اللہ عنہم بھی ہر وقت موجود نہ رہتے تھے اس لئے جس صحابی نے جو کچھ حضور ﷺ کو کرتے دیکھا یا زبان مبارک سے سنا اس کو گرہ میں باندھ لیا۔ اس لئے اجتہاد واستنباط کی زیادہ ضرورت پیش آئی چونکہ قرآن وحدیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ جزئیات کے فیصلہ کیلئے اجتہاد اور اجتہاد میں قیاس شرعی سے کام لیا جائے اور یہ اصول حضور ﷺ کے عہد مبارک میں قائم ہو چکا تھا" (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۹-۲۰)

عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ

خلیفہ اول امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی ذاتِ ستودہ صفات کے بارے میں جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قول تھا کہ وہ سب سے زیادہ اعلم ہیں ان کا معمول یہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ کی جانب رجوع فرماتے، اگر وہاں مسئلہ کا حل نہ پاتے تو فرماتے فَقَالَ اَجْتَهِدُ بِرَاْیِیْ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں۔ (طبقاتِ ابنِ سعد، جلد ۳)

"ابوبکر رضی اللہ عنہ سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے ان کی رائے اور اجتہاد پر نظر کرتے اگر سب کے سب ایک بات پر متفق ہو جاتے تو اسی کو لے لیتے اور خود بھی اجتہاد کرتے"

(تاریخ الفقہ، بحوالہ بالا صفحہ ۲۱)

بحث وتمحیص کے بعد مسائل طے کر کے جاری کئے جاتے تھے۔ اس مجلس میں ہر شخص آزادی کے ساتھ رائے زنی کرتا۔ نہ کوئی کسی کے اثر سے مرعوب ہوتا تھا نہ مخالفت کرنے والے کے خلاف خلیفہ کوئی نامناسب خیال قائم کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اجتہادی مسائل میں اکثر حضرت

ابو بکر سے اختلاف رہتا تھا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو رکن مجلسِ شوریٰ مقرر فرمایا اور جمع قرآن پر مامور فرمایا (تاریخ الفقہ محولہ بالا صفحہ ۲۲)

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بعض قبائلِ عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان پر جہاد کیونکر ہو سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَدْ عَصَمَ مَالَہٗ وَ نَفْسَہٗ، یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے اپنا جان و مال کو مجھ سے بچا لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا کہ ان پر اس لئے جہاد کیا جائے گا کہ وہ نماز کو زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں حالانکہ دونوں حقوق اللہ ہیں، اس کو سب نے تسلیم کیا'' (بخاری جلد اول، صفحہ ۱۸۸)

''اس واقعہ کو ذکر کر کے قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ ابو بکر نے قیاس کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحتِ رائے عمر رضی اللہ عنہ پر منکشف ہو گئی'' (نیل الاوطار، بحوالہ تاریخ الفقہ صفحہ ۲۶)

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ

''رسول کریم ﷺ کے عہد تک کتاب و سنت و قیاس اصولِ اجتہاد تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد سے ان میں اجماع کا اور اضافہ ہوا۔ قرآن و حدیث کو نہ پانے کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش آتا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بھی تلاش کرتے'' (بخاری، ابو داود، ترمذی بحوالہ تاریخ الفقہ صفحہ ۲۲)

یعنی خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارکہ سے اصولِ اجتہاد میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ قیاس و اجماع پر آثارِ سلف کا مزید اضافہ ہو گیا۔

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ اَنَّ اَبَا اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیَّ خَرَجَ حَاجًّا اِذَا کَانَ بِالْبَادِیَۃِ مِنْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ اَضَلَّ رَوَاحِلَہٗ وَ اِنَّہٗ قَدِمَ عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یَوْمَ النَّحْرِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ اِصْنَعْ مَا یَصْنَعُ الْمُعْتَمِرُ ثُمَّ قَدْ حَلَلْتَ فَاِذَا اَدْرَکَکَ الْحَجُّ قَابِلًا حَجِّجْ وَ اَھْدِ

مَااسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ --- اخرجہ مالک

یعنی ابنِ یسار سے روایت ہے کہ ابوایوب انصاری حج کو چلے راستہ میں ان کی قربانی کی اونٹنیاں گم ہو گئیں۔ وہ حج کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو عمرہ والا کرتا ہے وہی تم کرو، تمہارا احرام کھل جائے گا پھر آئندہ سال حج و قربانی کرو اس کی مالک نے تخریج کی ہے" (تیسیر کتاب الحج بحوالہ تاریخ الفقہ صفحہ ۲۴)

دیکھا جائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ خود ایک بزرگ اور جلیل القدر صحابی رسول ﷺ تھے لیکن چونکہ صاحب اجتہاد نہ تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ نصوص کا سمجھنا اور نصوص سے استنباط مسائل ہر کسی کا کام نہیں لہٰذا ایک مجتہد صحابی یعنی عمر فاروقؓ سے دریافت فرما کر عمل کیا۔

"حضرت عمرؓ نے اوقاتِ نماز پنج گانہ کے متعلق ایک مفصل ہدایت مرتب کر کے بھیجی۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کے عدم جواز کے متعلق مفصلات میں احکام بھیجے۔ بعض مرتبہ بیرونِ جات سے بھی حضرت عمرؓ کے پاس مسائل آتے تھے ان کا جواب بارگاہِ خلافت سے ارسال ہوتا تھا" (تاریخ الفقہ بحولہ بالا صفحہ ۲۴)

حضرت عمر فاروقؓ نے اہل اسلام کی مختلف النوع تعلیم و تنظیم کی بابت علیحدہ علیحدہ ایسے اصحاب مقرر و مامون فرما رکھے جو واقعی اس خدمت کے اہل تھے اور ان اصحاب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کام کو انجام دینے کا مجاز نہ تھا۔ آپ اپنے دورِ خلافت میں اس بات کی کڑی نگرانی فرمایا کرتے تھے کہ مقرر کردہ اصحاب کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے فتویٰ کا صدور نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اس بات کا بھی قوی احتمال موجود تھا کہ مسائل میں پیچیدگیاں پیدا ہوں گی اور اہلِ حرص و ہوائے نفسانی مختلف اشخاص سے مسائل دریافت کر کے ان کے اختلاف رائے سے اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کریں گے۔ اگر دورِ فاروقیؓ میں کسی دوسرے صحابی نے کوئی فتویٰ صادر کر دیا جو کہ مقرر کردہ اصحاب میں نہیں تھے تو انہیں باقاعدہ طور پر منع کر دیا گیا۔ آپ نے دار الخلافت سے دور دراز فاصلوں پر واقع مقامات و امصار و دیار میں ایسے حکام، عمال و افسر مقرر کیے جو قرآن و حدیث پر کامل عبور رکھنے کے

ساتھ ساتھ علم وفقہ پر بھی مکمل دسترس رکھتے تھے۔

''چنانچہ سفر شام میں بمقام جابیہ خطبہ میں فرمایا مَنْ اَرَادَ الْقُرْآنَ فَلْیَأْتِ اُبَیًّا وَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْأَلَ الْفَرَائِضَ فَلْیَأْتِ زَیْدًا وَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْأَلَ مِنَ الْفِقْهِ فَلْیَأْتِ مُعَاذًا یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے ابی بن کعب سے سیکھے جو فرائض سیکھنا چاہے وہ زید سے سیکھے اور جو فقہ سیکھنا چاہے وہ معاذ سے سیکھے'' ؓ (تاریخ الفقہ بحولہ بالا صفحہ ۲۵)

آپ ؓ نے جن حضرات کو دینی تعلیم خصوصاً مسند افتاء پر مامور کیا تھا وہ اس بات کے مجاز تھے کہ مشکل اور غیر منصوص مسائل میں اپنی ذاتی رائے اور قیاس سے فیصلہ کریں۔

''چنانچہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو لکھا کہ جو چیز تم کو قرآن وحدیث میں نہ ملے خوب غور کرو اور اس کے ہم شکل مسائل و واقعات دریافت کر کے قیاس کرو'' (دارقطنی بحوالہ تاریخ الفقہ صفحہ ۲۶)

عہدِ عثمانی ؓ

خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان ذی النورین ؓ بھی حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح مجتہدینِ قرنِ اول میں شامل ہیں۔ آپ ؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں کتاب اللہ و سنتِ رسول ﷺ کی مکمل اتباع و اطاعت کرتے ہوئے نئے رونما ہونے والے مسائل کو حل کیا۔ آپ کا اصولِ اجتہاد قرآن مجید، سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام اور شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے جاری کردہ فتاویٰ و فیصلوں پر مبنی تھا چنانچہ جب عثمان غنی ؓ کی بیعتِ خلافت کی گئی تو آپ سے اس بات کا اقرار لیا گیا کہ وہ قرآن و حدیث و سنتِ شیخین پر عمل کریں گے۔

''حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان ؓ سے کہا کہ جد کی میراث کے معاملہ میں میں نے ایک رائے سوچی ہے اگر تمہارے نزدیک مناسب ہو تو اس کا اتباع کرو۔ انہوں نے

کہا کہ اگر ہم آپ کی رائے کا اتباع کریں تو بھی درست ہے مگر آپ سے پہلے بزرگ (ابو بکرؓ) آپ سے زیادہ ذی رائے تھے، ان کا اتباع بہتر ہوگا" (تاریخ الفقہ صفحہ ۳۱)

حضرت سیدنا عثمان ذی النورینؓ بنفسِ نفیس فقہی مسائل بیان فرماتے تھے اور عملی طور پر ان کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

"ایک مرتبہ عصر کے وقت وضو فرمایا اور بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا" (ابو داؤد، کتاب الطہارت باب صفۃ وضوالنبی ﷺ)

آپؓ ہی کے دورِ خلافت میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع کی گئی۔

"مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھیں اس لئے ایک اور مؤذن کا تقرر فرمایا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا۔ نمازوں میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے"

(مستدرک ابنِ حنبل، بحوالہ سیر الصحابہ، شاہ معین الدین ندوی، جلد ۱ صفحہ ۲۳)

اسی طرح آپؓ کا سب سے زیادہ اہم و تاریخ ساز کارنامہ کتاب اللہ قرآن مجید فرقان حمید کو اختلافات و تحریفات سے بچانا اور اس کی اشاعتِ عامہ ہے۔

"شیخین کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ سے فتوے پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی --- ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا ڈال دی۔ اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا، انہوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کردے اس کو اڑا دیا کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ اور اور اسی وقت مر گیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کا باعث ہوئے تھے --- حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کردی مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی"
(سیر الصحابہ شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اصفحہ ۲۳۶، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

عہدِ مرتضوی رضی اللہ عنہ

خلیفۂ رابع امیر المومنین سیدنا امام الاولیاء علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کمسنی سے ہی درسگاہِ نبوت میں تعلیم ونشو ونما پائی اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ تقربِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو درجات آپ کو نصیب ہوئے کسی دوسرے کو نہ ملے، سفر وحضر، حالتِ امن و جنگ غرض ہر جگہ آپ معیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہے مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم دینِ اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فقہ واجتہاد کے حوالہ سے کتاب وسنت کے علوم کے ساتھ ساتھ سرعتِ فہم، دقیقہ سنجی اور انتقالِ ذہنی کی خداداد صلاحیتوں سے بھی مالامال تھے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس استعداد وقابلیت کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا اور آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ "اقضاھم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضاء کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے چنانچہ جب اہلِ یمن نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضاء کیلئے آپ کو منتخب فرمایا" (بحوالہ بالا جلد اصفحہ ۳۱۷)

"یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی باتیں بھی تازہ تھیں۔ ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے، نو ماہ بعد اس کے ہاں لڑکا ہوا۔ اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا جس

کے نام قرعہ نکلا اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوا دیئے گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا" (سیر الصحابہ بحوالہ بالا صفحہ ۳۱۸)

"ابو عبد الرحمن السلمی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کہا کہ مجھ کو رسول کریم ﷺ نے ایک زانیہ لونڈی کے درے لگانے کا حکم دیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ اس کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ میں نے اس خیال سے اس کے درے نہ لگائے کہ مر جائے اور رسول کریم ﷺ سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا کیا اس کو صحت ہونے تک رہنے دو۔ اس کی مسلم و ابو داؤد و ترمذی نے تخریج کی ہے۔ باوجودیکہ حدیث میں کوئی قید نہ تھی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر دلائل کلیہ پر نظر کر کے اپنی قوت اجتہادیہ سے اس حکم کو مقید بقید تحمل سمجھ کر عمل کیا اور حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا"

(تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۷)

اس طرح کے لاتعداد و بے شمار واقعات سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی خداداد علمی و ذہنی کاوشوں سے مشکل ترین اور پیچیدہ مسائل کو سلجھایا۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دقیق استنباط کو دیکھ کر بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید ان کے پاس رسول کریم ﷺ کے زمانہ کی کچھ یادداشتیں ہیں اس پر سوال کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہم کو قرآنی مضامین کے سمجھنے کیلئے خدائے کریم نے فہم خاص عطا فرمائی ہے" (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۲۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلے قانونِ اسلامی کے نظائر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے دورِ خلافت میں فقہ و اجتہاد نے جس تیزی سے ترقی کی اس نے تاریخ فقہ اسلامی پر گہرے اثرات مرتب کئے اور آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے مزید آسانیاں فراہم ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو فقہ و اجتہاد میں جو کامل

دستگاہ حاصل تھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کبار صحابہ کرام یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ وحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی آپ کے فضل وکمال کا ممنون ہونا پڑا۔

فقہائے سبعہ

خلافتِ راشدہ کے بعد خلفاء کو اپنی سیاسی الجھنوں کی وجہ سے دینی امور کی طرف توجہ کم رہی اسلئے زمانہ خلافتِ راشدہ کا انتظام درہم برہم ہوگیا جو صحابی جہاں تھا خود مجتہد تھا۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جارہا تھا صحابہ کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی اور جماعت تابعین میں سے مجتہد پیدا ہوتے جاتے تھے۔ ان کا اجتہاد عالمِ اسلام نے تسلیم کیا۔ تابعین میں بعض ایسے عظیم المرتبت مجتہد ہوئے کہ صحابہ ان سے مسئلہ دریافت فرماتے تھے جیسے علقمہ بن قیس نخعی تابعین مجتہدین میں زیادہ مشہور مدینہ کے فقہائے سبعہ ہیں

"مجتہد تابعین رحمت اللہ علیہم اجمعین

فقہائے سبعہ مدینہ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث

حضرت عمر کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، اپنے باپ اور دیگر اصحاب سے حدیث حاصل کی۔ ۹۴ھ میں وفات پائی، امام زہری ان کے خاص شاگرد تھے۔

سعید بن مسیّب

۱۵ھ میں پیدا ہوئے، حضرت ابوہریرہ کے داماد اور شاگرد تھے۔ حضرت ابن عمر فرمایا کرتے تھے کہ سعید بن مسیب مفتیوں میں سے ایک مفتی ہیں۔ امام حسن بصری کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو ان سے دریافت کرتے۔ ۱۰۱ ہجری میں وفات پائی۔

خارجہ بن زید بن ثابت

اپنے باپ زید بن ثابت کے شاگرد تھے، ۹۹ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

حضرت عائشہ وابو ہریرہ وابنِ عباس سے وابنِ عمر سے تعلیم حاصل کی، ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اپنی پھوپھی حضرت عائشہ وابنِ عباس وابن عمر سے علم حاصل کیا۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان کی حدیثیں جمع کرائی تھیں۔

سالم بن عبداللہ بن عمر فاروق

اپنے باپ اور حضرت عائشہ وابو ہریرہ سے حدیث حاصل کی۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ ان سے امام زہری وعمر بن دینار نے حدیث سیکھی۔

سلیمان بن یسار

ام المؤمنین حضرت میمونہ کے مولا وشاگرد ہیں۔ حضرت عائشہ وابو ہریرہ سے بھی حدیث حاصل کی، ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ ان سے عمرو بن دینار، امام زہری، یحیٰی بن سعید اور صالح بن یسار نے حدیث سیکھی'' (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۵۶)

ان کے علاوہ تابعینِ مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام وغیرہ ممالک میں بہت سے مجتہد ہوئے ان میں زیادہ مشہور عروہ بن زبیر، امام زین العابدین، امام حسن مثنیٰ، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، نافع بن سرخس مولائے عبداللہ بن عمر، یحیٰی بن سعید الانصاری، مکحول بن عبداللہ

طاؤس بن کیسان، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان، عبداللہ بن دینا، ہشام بن عروہ بن زبیر، علقمہ بن قیس نخعی، عطا بن ابی رباح، امام شعبی، امام زہری، ربیعہ رائی، امام حسن بصری، اسود بن یزید نخعی، محمد بن منکدر، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز، قتادہ، شعبہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، امام ابوحنیفہ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ہوئے ہیں اور بھی بہت سے بزرگ مجتہد تھے لیکن زیادہ نامور یہی ہیں'' (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۳۲)

فقہ حنفی کا تعارف

گزشتہ سطور میں فقہ کی مختصر تاریخ اور اس کی پس منظر پر روشنی ڈالی گئی، زیر نظر سطور میں فقہ حنفی کا اجمالی تعارف پیش کرنا مقصود ہے تاکہ ممالکِ عالم میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول اور معتمد بہ مذہب یعنی حنفیت یا فقہ حنفی سے قارئین کو مناسب حد تک آگہی حاصل ہو۔ مختلف فقہی مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صبحی محمصانی فقہ حنفی کی وجہ شہرت و مقبولیت کے بارے میں رقم طراز ہیں

''حنفی مذہب تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس لئے سب سے زیادہ پھیلا کہ خلفائے عباسیہ نے محکمہ عدل و قضاء کیلئے یہی مذہب منتخب کیا تھا اور اہلِ عراق عموماً اسی مذہب کے مقلد تھے، اس کے علاوہ سلطنتِ عثمانیہ کا سرکاری مذہب بھی یہی تھا''

(صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، اردو ترجمہ فلسفہ شریعت اسلام از محمد احمد رضوی لاہور ۱۹۶۲ صفحہ ۴۸)

مصنف موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں

''جو ملک سلطنتِ عثمانیہ کے زیر حکومت رہے ہیں جیسے مصر، سوریا اور لبنان ان کا مذہب بھی محکمہ عدل و قضاء میں حنفی چلا آتا ہے۔ حکومت تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیر اثر ممالک مثلاً شام والبانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی مسائل عبادات میں یہی ہے اور مسلمانانِ بلقان وقفقاز بھی مسائل عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں۔ اسی طرح افغانستان و ترکستان اور (پاکستان و) ہندوچین کے ہاں بھی یہی مذہب غالب ہے

اور اس مذہب کے پیرو دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں'' (صبحی محمصانی بحوالہ بالا صفحہ ۴۸)

مندرجہ بالا سطور میں موجودہ دور میں فقہ حنفی کی مقبولیت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ آج سے کم وبیش چھ سو برس پہلے ممتاز مؤرخ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں

''امام ابوحنیفہ ؒ کے مقلدین آج عراق، ہند، چین، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں بکثرت پھیلے پڑے ہیں'' (مقدمہ ابن خلدون اردو ترجمہ از سعد حسن خان یوسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی صفحہ ۴۶۹)

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مذہب حنفی ہی دنیا میں زیادہ مقبول و معروف ہے۔ ظاہراً اس کی مقبولیت و ترویج واشاعت کا سبب فقہائے احناف کا قضاء وعدل کے بلند واونچے مناصب و مراتب پر فائز ہونا نظر آتا ہے لیکن اگر مذاہب اربعہ یا دیگر مکاتیبِ فکر کا باہم تقابل کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں وواضح ہو جاتی ہے کہ مذہب حنفی اپنے طریق استنباطِ مسائل، اصول و قواعدِ فقہ وطرزِ استدلال میں دیگر تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ دراصل یہی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن کی بدولت آج مسلم دنیا کے تقریباً دو تہائی مسلمان اس مذہب کے پیروکار ہیں۔

ہم گزشتہ صفحات میں اس بات کا جائزہ لے چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد صحابہ کرام مملکت اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے اور ہر صحابی بحیثیت مجتہد اپنی جگہ مقتدائے مسلمین قرار پایا۔ روزمرہ نت نئے مسائل کا حل ہر صحابی ؓ اپنے علم وفہم اور اپنے اپنے اجتہاد واستنباط کے ذریعہ پیش کرتا۔ ان وجوہات کی بناء پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم مختلف الرائے ہو گئے اور ایک قسم کا اختلاف رونما ہوا۔

''اور اختلاف کا پیدا ہونا ہی ضروری تھا کیونکہ احکام شرعیہ کے اصول وادلہ قرآن میں ہیں وہ بہر حال لغت عرب میں ہیں جو کئی کئی معانی کے محتمل ہیں اور اسی اختلاف معانی کے سبب ائمہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہی حال سنت کا ہے کہ وہ مختلف الطرق ہے اکثر

متعارض فی الاحکام اس لئے لامحالہ ترجیح کی ضرورت پڑتی ہے اور یہیں سے اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے۔ پھر قطع نظر ان باتوں کے دنیا کے واقعات نئے نئے رونما ہوتے رہتے ہیں جن میں نصوص سے بظاہر کوئی رہنمائی نہیں ملتی مجبوراً کسی مشابہت سے ان کو منصوص ہی کے زمرہ میں شمار کرنا پڑتا ہے۔ بس یہیں سے اختلافات کے راستے پھوٹتے ہیں اور یوں ہی سلف بھی آپس میں مختلف الرائے رہے اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین بھی''

(مقدمہ ابنِ خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۷)

ان اختلافات کی بنیاد پر جو فقہی مذاہب وجود میں آئے ابنِ خلدون ان کے بارے میں رقمطراز ہیں

''اب دو ہی مذہب رواج پزیر رہے یا تو اہل الرائے کا مذہب عراق میں یا اہلِ حدیث کا مذہب حجاز میں۔ اہلِ عراق کے امام اور مذہبی پیشوا امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت ہیں جن کا مقام فقہ میں اتنا اعلیٰ وارفع ہے کہ کوئی اس تک نہ پہنچ سکا یہاں تک کہ ان کے ہم مشرب حضرات بھی خصوصاً امام مالک وشافعی کھلے الفاظ میں کہہ گئے کہ فقہ میں امام ابوحنیفہ کا کوئی مثیل ونظیر نہیں'' (مقدمہ ابنِ خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۸)

امام ابوحنیفہ ؒ کے ''اہل الرائے'' کہنے کے سبب کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں

''امام ابوحنیفہ ؒ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اس کی تدوین کی تو مسئلے ایسے پیش آئے جن میں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اس لئے ان کو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر پہلے بھی عمل تھا، خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اس کے مطابق فتوے دیتے تھے لیکن اس وقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب ؒ نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا۔ قیاس کی کثرت سے استعمال کے ساتھ اس کے اصول وقواعد بھی مرتب کرنا پڑے۔ اس بات نے ان کو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے، امام اہل

الرائے لکھا جاتا ہے" (سیرۃ النعمان، شبلی نعمانی، ستار بکڈپو، اردو بازار لاہور صفحہ ۲۲۰)

فقہ حنفی کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لینے سے قبل یہ بات ضروری ہے کہ مذہبِ احناف کی ان چار ممتاز و جلیل القدر ہستیوں کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے جو کہ مذہب حنفی کے ارکان ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

آپ فقہ حنفی کے موسس وبانی ہیں، آپ کا نام نامی نعمان بن ثابت ہے۔ ۸۰ ہجری میں کوفہ میں ولادت ہوئی اور کوفہ میں ہی آپ نے خالص مذہبی گھرانے میں پرورش وتربیت پائی۔ کتب تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دادا اور والد ہر دو حضرات نے امام الاولیاء سند الاتقیاء امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ملاقات کی تھی۔ خاندانی طور پر متمول اور خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ زندگی بھر کاروبار تجارت سے معاشی طور پر وابستہ رہے۔

آپ نے جس ماحول میں جنم لیا وہاں مختلف الخیال لوگ آباد تھے۔ شیعہ، خارجی، معتزلہ، تابعین غرض ہر طرف مناظرہ ومجادلہ کا میدان گرم تھا۔ اپنی ذہنی فطانت وفراست کی بناء پر نوجوانی میں ہی ان مناظروں میں گرمجوشی سے حصہ لیتے رہے اور رفتہ رفتہ پوری تندہی اور لگن کے ساتھ تحصیل علوم فقہ کی جانب راغب ہو گئے۔

"امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام سے سوال کیا گیا آپ کو فقہ کی توفیق کیسے نصیب ہوئی؟ امام نے فرمایا سنئے! جہاں تک توفیق کا تعلق ہے تو وہ بارگاہِ لم یزل کی جانب سے تھی -- فلہ الحمد۔ میں جب طلبِ علم کیلئے کمربستہ ہوا تو میں نے تمام علوم پر ایک ایک کر کے نظر دوڑائی، ان کے نفع اور نتیجہ پر غور کیا۔ میرے جی میں آیا علم کلام پڑھو، غور کرنے پر معلوم ہوا اس کا انجام اچھا نہیں اور اس میں فائدہ بھی کم ہے، آدمی اس میں ماہر بھی ہو جائے تو اپنا عندیہ برسر عام بیان نہیں کر سکتا۔ اس پر طرح طرح کے

الزام عائد کئے جاتے ہیں اور اسے صاحب بدعت وضلالت کا لقب دیا جاتا ہے۔

پھر ادب ونحو پر غور کیا اس نتیجہ پر پہنچا کہ آخر اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بیٹھ کر بچوں کو نحو وادب کا سبق دوں۔

پھر شعر وشاعری کے پہلو پر غور کیا اس کا مقصد مدح وہجو، دروغ گوئی اور تخریب دین کے سوا کچھ نہ پایا۔

پھر قرأت وتجوید کے معاملہ پر غور کیا، میں نے سوچا کہ اس میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے بعد آخر یہی ہوگا کہ چند نوعمر جمع ہو کر میرے پاس تلاوتِ قرآن کریں۔ باقی رہا قرآن کے مفہوم ومعنی تو وہ بدستور ایک دشوار گزار گھاٹی رہے گی۔

پھر خیال آیا طلبِ حدیث میں لگ جاؤں پھر سوچا کہ ذخیرۂ احادیث جمع کرنے کے بعد مجھے طویل عمر کی ضرورت ہوگی تاکہ علمی استفادہ کیلئے لوگ میرے محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ طلبِ حدیث کیلئے احتیاج کی ضرورت نوخیز لوگوں کو ہی ہو سکتی ہے پھر ممکن ہے کہ مجھے کذب اور سوء حفظ سے متہم کرنے لگیں اور روزِ حشر تک یہ الزام میرے گلے کا ہار ہو جائے بعد ازاں میں نے فقہ کی ورق گردانی شروع کی۔ جوں جوں تکرار واعادہ ہوا اس کا رعب بڑھتا ہی گیا اور اس میں مجھے کوئی عیب دکھائی نہ دیا۔ میں نے سوچا کہ تحصیل فقہ میں علماء مشائخ کی مجالست ومصاحبت اور ان کے اخلاقِ جلیلہ سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے مواقع میسر آئیں گے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ادا فرائض، اقامت دین متین، اظہار عبودیت اور دنیا وآخرت کا حصول فقہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص فقہ کے ذریعہ دنیا کمانا چاہے تو وہ بڑے بلند منصب پر فائز ہو سکتا ہے اور اگر تخلیہ وعبادت کا آرزومند ہو تو کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ حصول علم کے بغیر مشغول عبادت ہے بلکہ کہا یہ جائے گا کہ وہ صاحبِ علم فقیہ اور علم کی راہ پر گامزن ہے"۔

(حیاتِ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، شیخ ابوزہرہ مصری، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۹-۶۰)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابوزہرہ تبصرہ فرماتے ہیں

"روایت بالا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رائج الوقت علوم وفنون پر تنقیدی نگاہ ڈالی تاکہ ان میں سے اپنے لئے کسی مناسب علم کا انتخاب کر کے اس میں امتیاز او تخصص پیدا کر سکیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے تمام عصری علوم میں واجبی حد تک واقفیت حاصل کر لی تھی اگرچہ بعد میں صرف علم فقہ ہی آپ کی جولانگاہِ فکر ونظر بنا۔ گویا فقہ کی جانب آپ کا رجحان ومیلان دیگر علوم کو آزمانے اور ان میں واجبی غور وتامل کے بعد تھا" (حیات حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بحوالہ بالا صفحہ ۶۰)

فقہی علوم ومباحث کے ساتھ آپ کو اتنا لگاؤ اور ذوق وشوق تھا کہ باوجود اپنی بے نظر ذہانت، فطانت، فراست اور علمی استعداد کے پورے اٹھارہ برس اپنے استاد حماد کے زیر تربیت رہے۔ خطیب بغدادی نے "تاریخِ بغداد" میں آپ کا یہ قول تحریر کیا ہے

فَجَعَلْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا اُفَارِقَ حَمَّادًا حَتّٰی یَمُوْتَ فَصَحِبْتُهٗ ثَمَانِیَ عَشْرَةَ سَنَةً

(تاریخِ بغداد، جلد ۱۳، صفحہ ۳۳۳، مطبوعہ بیروت)

یعنی میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ (شیخ) حماد سے اپنی موت تک جدا نہیں ہوں گا پس میں پورے اٹھارہ برس ان کی صحبت میں رہا۔

شیخ حماد کی صحبتِ بابرکات سے آپ کو بہت فائدہ ہوا اور آپ کے علمی قد کاٹھ میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں

"تبحر علمی کی وجہ سے ام ابوحنیفہ کا لقب امامِ اعظم ہو گیا۔ آپ کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا کہ علم فقہ سیکھنے والا ابوحنفیہ کا محتاج ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ میں ہمارا باہمی اختلاف ہوتا تھا تو ہم اسے امام ابوحنیفہ کے سامنے پیش کرتے تھے، آپ اتنی جلدی جواب دیتے تھے جیسے اپنی آستین سے نکالا ہو"

(فلسفہ شریعتِ اسلام، بحوالہ بالا صفحہ ۳۸-۳۹)

آپ کے مشہور اساتذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں

۱: امام شعبی ۲: شیخ حماد بن ابی سلیمان ۳: امام محمد باقر

۴: امام جعفر صادق ۵: ہشام بن عروہ ۶: قتادہ

۷: شعبہ ۸: عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

نیز مدینہ منورہ کے مشہور و معروف و عظیم الشان فقہائے سبعہ میں سے امام ابوحنیفہ ؒ نے سلیمان ؒ بن یسار اور سالم بن عبداللہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ صدر الائمۃ ابوالمؤید موفق نے آپ کے شیوخ کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ ۱۲۰ ہجری میں شیخ حماد کی وفات کے بعد جب امام صاحب ان کے مستقل جانشین ہوئے تو ان کی درسگاہ کی ایسی شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر ان کی درسگاہ میں شامل ہوگئیں۔ موفق نے لکھا ہے کہ امام صاحب سے سات سو مشائخ نے روایت کی ہے"(ماخوذ از تاریخ الفقہ بحولہ بالا صفحہ ۸۶)

امام ابوحنیفہ کی وفات

"جب خلیفہ منصور عباسی کا دورِ حکومت آیا اور سادات پر بے انتہا مظالم ہوئے تو محمد مہدی عرف نفسِ ذکیہ بن معبد ابن امام حسن مثنیٰ نے مدینہ خلیفہ کے خلاف خروج کیا۔ امام مالک نے فتویٰ دیا کہ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ شہید ہو گئے تو ان کے بھائی ابراہیم نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ ابوحنیفہ نے ان کی تائید کی اور مالی امداد دی۔ جب ابراہیم شہید ہو گئے تو خلیفہ منصور نے امام صاحب کو طلب کیا اور عہدۂ قضاء پر مامور کرنا چاہا۔ امام صاحب نے کہا میں اس کے قابل نہیں۔ منصور نے غصہ ہو کر کہا کہ تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کیونکہ جھوٹا آدمی قضاء کے قابل نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ نے امام صاحب کو قید خانہ بھیج دیا۔ امام صاحب کے طرفداروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ اس رجوع عام سے خلیفہ کو خطرہ ہوا آخر ۱۵۰ ہجری

میں قید خانہ میں امام صاحب کو زہر دے دیا گیا'' انا للہ و انا الیہ راجعون

(تاریخ الفقہ، بحوالہ بالا صفحہ ۸۹، ۹۰)

قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دوسری شخصیت جنہوں نے فقہ حنفی کو مدون کرنے میں اہم خدمات انجام دیں حضرت امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ سعد بن عتبہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

''امام ابو یوسف کوفہ میں ۱۱۳ ہجری میں پیدا ہوئے، تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے باپ نہایت غریب آدمی تھے، وہ بوجہ تنگدسی ان کو تعلیم سے روکتے تھے تاکہ یہ کچھ کھانے کی فکر کریں، یہ اپنی دھن میں لگے رہے۔ امام ابو حنیفہ کے درس میں کثرت سے شریک ہوتے تھے۔ امام صاحب کو جب ان کی عسرت کا علم ہوا تو وہ ان کے کفیل ہو گئے۔ امام ابو یوسف نے مشہور ائمہ حدیث جیسے ہشام بن عروہ، امام اعمش، سلیمان تیمی ابو اسحاق شیبانی و یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں سیکھیں۔ محمد ابن اسحاق سے فن مغازی و سیر حاصل کیا۔ محمد بن ابی یعلیٰ سے فقہ حاصل کی۔ خلیفہ مہدی عباسی نے ان کو قاضی مقرر کیا اور خلیفہ ہارون الرشید ے قاضی القضاۃ بنا دیا۔ امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفی کے متعلق کتابیں تصنیف کیں --- ۸۲ھ میں وفات پائی --- علامہ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور تذکرہ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ شیخ یحییٰ بن معین محدث نے ان کو کثیر الحدیث کہا ہے۔ یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور یہ دونوں بزرگ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابو یوسف کو بیس ہزار حدیثیں منسوخ یاد تھیں۔ اب یہ خیال کر لیا جائے کہ ناسخ کس قدر رہوں گی''

(تاریخ الفقہ، بحوالہ بالا صفحہ ۱۱۹-۱۲۰)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے تلمیذِ رشید امام محمد بن الحسن الشیبانی ہیں، آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے ''۱۳۵ ہجری واسط میں پیدا ہوئے، تبع تابعین میں سے ہیں۔ تحصیل علم کیلئے کوفہ آئے۔ انہوں نے امام سفیان ثوری، شیخ مالک بن دینار اور امام اوزاعی وغیرہ سے حدیث حاصل کی پھر امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد امام ابویوسف سے بھی استفادہ کیا پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس امام مالک سے حدیث حاصل کی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا۔ ۱۸۹ ہجری میں 'رے' میں وفات پائی۔ ان کے حلقہ درس میں بڑے بڑے ائمہ، فقہا، محدثین شریک ہوتے تھے۔ امام شافعی بھی ان کے شاگرد تھے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ (آپ کی فصاحت کا یہ عالم تھا کہ) جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔ نیز فرمایا ہے کہ قرآنِ مجید کا عالم میں نے امام محمد سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ امام احمد ابنِ حنبل سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہ باریک مسائل کہاں سے حاصل کیے، فرمایا امام محمد کی تصانیف سے'' (تاریخ الفقہ بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۰-۱۲۱)

ابوزہرہ لکھتے ہیں

''محمد بن حسن ان اوصاف کے جامع تھے جو ان کے استاذ امام ابویوسف کے سوا کسی دوسرے میں جمع نہ ہوسکے۔ آپ نے عراقی فقہ مکمل طور پر حاصل کی۔ منصب قضاء کی ذمہ داریوں نے اس میں مزید جلا پیدا کی۔ استاذ مدینہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اہل حجاز کی فقہ اخذ کی۔ اہل شام کی فقہ ملکِ شام کے مشہور شیخ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ تفریع اور حساب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، زبردست قوتِ بیانیہ کے مالک تھے۔ جب قضاء کی ذمہ داریوں سے دوچار ہوئے تو آپ کے علم و تجربہ کو چار چاند لگ گئے اور آپ کو فقہ کا عملی

تجربہ حاصل ہوا۔۔۔۔تدوینِ فقہ کی طرف آپ کی خاص توجہ تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ عراقی فقہ کو متاخرین تک نقل کرنے کا سہرا امام محمد کے سر ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ صرف عراقی فقہ ہی کے ناقل نہ تھے بلکہ آپ نے امام مالک سے موطا روایت کی اور اسے مدون کیا'' (حیاتِ حضرت امام ابوحنیفہ، بحولہ بالا صفحہ ۳۶۹)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ

مذہب حنفی کے چوتھی اہم ترین شخصیت زفر بن بدیل بن قیس بن سلیم العنبری البصری، یہ صاحب الحدیث مشہور تھے۔ آپ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا دونوں تلامذہ ابو یوسف اور محمد سے باعتبار صحبت مقدم تھے اسی لئے امام اعظم کی وفات کے فقط آٹھ برس بعد ہی ۱۵۸ ہجری میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی کوئی تصانیف موجود نہیں۔ اگرچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد تھوڑا عرصہ ہی حیات رہے مگر تمام عمر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی خدمت اور آپ کی تعلیمات کی تبلیغ میں مصروف عمل رہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی آپ بصرہ کے قاضی مقرر ہو گئے تھے مگر پھر بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس و تدریس کی جانشینی آپ کے حصہ میں آئی اور آپ کی وفات کے بعد امام ابو یوسف نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ (ماخوذ از حیات حضرت امام ابوحنیفہ بحولہ بالا صفحہ ۳۸۴، ۳۸۵)۔

''خواجہ داؤد طائی محدث فرماتے ہیں امام زفر جب امام ابو یوسف سے فقہ میں مناظرہ کرتے تو امام ابو یوسف مضطر ہو جاتے کیونکہ زفر جید اللسان تھے'' (تاریخ اللغۃ بحولہ بالا صفحہ ۱۲۱)

فقہ حنفی کی ان چاروں معزز ترین اور معتبر ہستیوں کا ذکر تاریخ بغداد میں بڑے بہترین انداز میں کیا گیا ہے، لکھا ہے

''مروی ہے کہ ایک شخص امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہلِ عراق کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ''ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' امام مزنی نے کہا ''اہلِ عراق کے سردار'' اس نے پھر پوچھا'' اور

ابو یوسف کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" امام مزنی ؒ بولے "" وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں" اس شخص نے پھر پوچھا" اور امام محمد ؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" مزنی ؒ فرمانے لگے" وہ تفریعات میں سب پر فائق ہیں" وہ بولا" اچھا تو زفر ؒ کے متعلق فرمائیے!" امام مزنی ؒ بولے" وہ قیاس میں سب سے زیادہ تیز ہیں" (حیات حضرت امام ابوحنیفہ بحوالہ بالا صفحہ ۳۸۴)

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے مذکورہ بالا تینوں شاگردوں نے فقہ حنفی کی تدوین میں ناقابل بیان حد تک کوشش وسعی کی۔ علاوہ ازیں آپ کے دیگر تلامذہ نے بھی نہایت اہم کردار ادا کیا۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر کرتے ہیں

"امام صاحب ؒ نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پُر خطر کام تھا۔ اس لئے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر نہیں کرنا چاہا۔ اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص منتخب کئے جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کیلئے ضروری تھے استادِ زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے مثلاً یحییٰ بن ابی زاہد، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان، مندل، حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے، امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معان اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے" (سیرۃ النعمان بحوالہ بالا صفحہ ۳۰۸)

چونکہ فقہ حنفی کی تدوین کا طریقہ کار اصولِ شوریٰ و بحث و تمحیص پر مبنی تھا لہٰذا یہ بھی اس فقہ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے جس پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ علامہ مکی کی تصنیف "المناقب للمکی" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں

''آپ نے اپنے مسلک کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے ٹھونسنی نہیں چاہی۔ اس سے آپ کا مقصد دینی کاوش اور خدا اور رسول سے تعلق خلوص میں امکانی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک ایک مسئلہ پیش کر کے تلامذہ کے جوابات سنتے اور پھر اپنا مافی الضمیر بیان فرماتے۔ ضرورت کا تقاضا ہوتا تو ان سے تبادلہ افکار بھی کرتے جب ایک قول پر آ کر بات ٹھہر جاتی تو ابو یوسف ؒ اسے اصول میں درج کر لیتے۔ اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لئے'' (حیات حضرت امام ابوحنیفہ بحوالہ بالا صفحہ ۳۴۳)

یہ حوالہ نقل کرنے کے بعد ابوزہرہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''یہ ہے وہ طریقۂ تحریر جس کے مطابق امام صاحب ؒ اور آپ کے اصحاب کا مذہب مدون ہوا، اس کی آپ کے تلامذہ نے مرتب، منظم، مبوب اور کتابی شکل میں اشاعت کی''

آپ ؒ کی اس مجلس شوریٰ میں شامل تلامذہ جس علمی استعداد اور قابلیت کے حامل تھے اس کی جانب خطیب بغدادی نے اپنی تصنیف لطیف ''تاریخ بغداد'' میں امام اعظم ؒ کے درج ذیل قول کو نقل کر کے اشارہ کیا ہے کہ آپ نے اپنے تلامذہ کی اس جماعت کے متعلق فرمایا

''یہ چھتیس آدمی ہیں ان میں اٹھائیس قاضی بننے کے لائق ہیں اور چھ مفتی بننے کے اور دو قاضیوں اور مفتیوں کی اصلاح و تادیب کی قابلیت رکھتے ہیں اور آپ نے ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ فرمایا'' (حیات حضرت امام ابوحنیفہ ؒ بحولہ بالا صفحہ ۲۵۱)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ! کی فقہ کی بنیاد اور آپ کی تعلیمات کی اساس کتاب و سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال پر مشتمل ہے، آپ کے سوانح نگاروں نے جابجا آپ کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے کہ

''اولاً میں کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ ﷺ پر، پھر حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی ؓ کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہ کرام کے فیصلوں پر پھر اس کے بعد جب ان میں اختلاف پاتا ہوں تو قیاس کرتا ہوں''

چونکہ فقہ حنفی کی بنیاد قرآنی دلائل و براہین، شواہد و آثار نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ پر رکھی گئی ہے اس لئے یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ سلطنتِ عباسیہ میں حکومتِ اسلامی کی حدود کافی پھیل چکی تھیں اور روز بروز مختلف النوع اقوام دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی تھیں جن کا اپنی تہذیب وتمدن موجود تھا جس کی وجہ سے عالمِ اسلام میں کئی نئے مسائل نے جنم لیا جن کو فقہائے عظام نے پوری محبت اور جانفشانی سے حل کیا۔ اسی کوشش وسعی کے دوران بعض مسائل پر فقہائے کرام کے درمیان اختلافات بھی رونما ہوئے۔ مؤرخ ابنِ خلدون فقہائے احناف کی علمی و فقہی صلاحیتوں کی تعریف میں یوں گویا ہے

''امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے خلفائے عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے تودے لگا دیئے اور شافعیوں کے ساتھ ان کی زبردست مناظرے رہے اور اختلافی مسائل میں بھی اچھی اچھی بحثیں ان کے قلم سے نکلیں۔ یوں وہ علم میں منجھ گئے اور عمیق النظر بن گئے اور جو کچھ ان کی فضیلت و برتری تھی وہ منظر عام پر آ گئی'' (مقدمہ ابنِ خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۹)

ابنِ خلدون نے فقہ حنفی پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب و فقہی مکاتب فکر پر بھی روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں

''آپ دیکھیں گے کہ مالکی مذہب بہ نسبت اور مذاہب کے حضریت کے رنگ اور اثر سے دور ہی رہا'' (مقدمہ ابنِ خلدو بحوالہ بالا صفحہ ۴۷۰)

حنبلی مکتبِ فکر کے بارے میں تحریر کرتا ہے

''امام احمد بن حنبل کے مقلدین بہت کم تعداد میں ہیں کیونکہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور ہے'' (مقدمہ ابن خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۹)

''امام احمد بن حنبل کے شاگردوں نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے استفادہ علمی کیا گو ان کا خود کا مرتبہ حدیث میں بہت اونچا تھا مگر پھر بھی فقہ حنفی ہی کے خوشہ چین ہوئے''

(مقدمہ ابنِ خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۹)

فقہ حنفی کی خصوصیات

اہلِ علم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے کہ مذاہب فقہ کے چاروں ائمہ کرام نے پوری محنت و جانفشانی، اخلاص وللّٰہیت اور نیک نیتی کے جذبہ صادقہ کے ساتھ مسائلِ جدیدہ کا استنباط قرآن وسنت کی روشنی میں کیا ہے لیکن آدابِ شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر اور مختلف اقوام کے سماجی وتہذیبی رویوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے استنباطِ مسائل اور پیچیدگیوں کو جس احسن طریقہ سے فقہائے احناف نے سلجھایا ہے وہ فقہ حنفی کا ہی خاصا ہے۔ اسی بنا پر اسے عالمگیر شہرت وترقی حاصل ہوئی۔ فقہ حنفی کی چیدہ چیدہ خصوصیات جو اُسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں درج ذیل ہیں

ا: فقہ حنفی کی سب سے اہم اور قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مسائل اسرار ومصالح پر مبنی ہیں اور یہ سراسر اصول عقلی کے عین موافق ہے، علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں

"حنفی فقہ جس قدر اصولِ عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآ ثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص وطریق نظر سے ثابت کا جائے۔ محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے" (سیرۃ النعمان بحولہ بالا صفحہ ۳۵۴، ۳۵۵)

۲: دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں معاملات سے متعلق قواعد وقوانین تمدنی تقاضوں کے عین مطابق ہیں

"فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں پر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے، امام ابوحنیفہ ﷫

کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ تمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا اور نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے'' (سیرۃ النعمان بحوالہ بالا صفحہ ۳۶۵)

۳: اس کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی کی تمام تر تدوین باقاعدہ مجلس مشاورت کے ذریعہ عمل میں لائی گئی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سربراہی میں کام کرنے والی اس چالیس یا پچاس افراد کی مجلسِ علمی کے زیر بحث آنے والے جواہر پاروں کو اس قدر تحقیق و تفحص کے بعد قلمبند کیا گیا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایک ایک مسئلہ کی تحقیق و بحث پر تین تین دن تبادلہ خیالات جاری رہتا تھا۔

۴: ایک اور اہم خصوصیت فقہ حنفی کی یہ کہ اس کے مدونین یعنی امام اعظم رحمہ اللہ کی مجلس تلامذہ کے ارکان کے تبحر علمی اور استعدادِ ذہنی کی مثال بھی نادر و نایاب ہے جو بلند علمی و فقہی مراتب فقہ حنفی کے مدونین اشخاص کو نصیب ہوئے ہیں اور کسی کو نہیں ملے۔ دیگر تمام مذاہب کے ائمہ نے آپ کے شاگردوں کے بوستانِ علمی کی خوشہ چینی کی ہے۔

۵: فقہ حنفی کی یہ خصوصیت بھی قابلِ توجہ ہے کہ مسائل کے استنباط کا تمام تر دارومدار نصوص شرعیہ یعنی قرآن مجید فرقانِ حمید اور سنت رسول اللہ ﷺ پر رکھا گیا ہے۔ بعد ازاں صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کے اقوال و آراء کو بھی ترجیح دی گئی ہے اور حتی الوسع ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

۶: سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت فقہ حنفی کی یہ ہے کہ یہ دوسرے تمام فقہی مکاتیب فکر کی بہ نسبت سہل اور یسیر التعمیل ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس پر مفصل اور گراں قدر تجزیہ قلمبند کیا ہے جو ہدیہ قارئین ہے

''عبادات اور معاملات کا کوئی باب، کوئی فصل لے لو یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف

اس کے اور ائمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل انہیں میں سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید ہے یعنی ہاتھ کاٹنا لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کے جزئیات سے معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر آسان اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے

	امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
۱	نصاب سرقہ ایک اشرفی ہے	ایک اشرفی کا ربع (چوتھا حصہ)
۲	اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	امام احمدؒ کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
۳	نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالکؒ کے نزدیک ہے۔
۴	کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
۵	زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
۶	بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے
۷	قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
۸	ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے

	امام ابوحنیفہ کے مسائل	دیگر ائمہ کے مسائل
۹	ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہوگیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
۱۰	غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
۱۱	قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ہے
۱۲	لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا	اور ائمہ کے نزدیک آتا ہے۔

فقہ کا ایک بہت بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال، جائز و ناجائز کی تفصیل، اس تفصیل میں یہ دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور ائمہ کے نزدیک بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ ؒ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو اپلوں کی آگ سے پکائے گئے ہوں ان میں کھانا ناجائز ہے۔ رانگ، کانچ، بلور، عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ پشمینہ، سمور، پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور ان کو پہن کر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن، کرسیاں اور زین وغیرہ جن پر چاندی کا کام ہو ان کا استعمال ناجائز ہے --- ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ ؒ کا مذہب امام شافعی ؒ کے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دوسری فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔" (سیرۃ النعمان ؒ بحوالہ بالا صفحہ ۳۶۳ تا ۳۶۵)

فقہ حنفی کی ان چند چیدہ چیدہ خصوصیات کے علاوہ دیگر کئی امتیازی خصوصیات ہیں جن کی بدولت

اسے شہرت عام وبقائے دوام نصیب ہوئی۔ بقولِ ابنِ خلدون

''امام ابو حنیفہ کے مقلدین آج عراق، ہند، چین، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں بکثرت پھیلے پڑے ہیں'' (مقدمہ ابن خلدون بحوالہ بالا صفحہ ۴۶۹)

خلفائے عباسیہ نے فقہ حنفی کو محکمہ عدل وقضاء کیلئے منتخب کر رکھا تھا بعد ازاں عثمانی سلطنت کا سرکاری مذہب کی فقہ حنفی ہی رہا۔ رفتہ رفتہ فقہ حنفی کو اتنی ترقی ملی اور متاخرین نے اس فقہ پر اتنی تحقیق کی جس کی بدولت گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی میں) میں ہندوستان کے مغل فرمانروا اورنگزیب عالمگیر نے ملک کے نامی گرامی اور قابل ترین علمائے کرام کی ایک مجلس تشکیل دی جس کو فتاویٰ جمع کرنے کے کام پر مامور کیا گیا۔ اس مجلس کو یہ ہدایات جاری کی گئیں کہ ایک ایسی جامع کتاب تالیف دی جائے جس میں روایاتِ ظاہرہ کے مطابق وہ تمام مسائل اکٹھے کر دیے جائیں جن پر تمام تر علمائے فقہ متفق ہیں۔ چنانچہ اس مجلس علمی نے کافی تحقیق وجستجو کے بعد ایک عظیم الشان کتاب تیار کی جس کو ''فتاویٰ عالمگیری'' کا نام دیا گیا، اس کو ''فتاویٰ ہندیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں

''یہ کتاب فقہ حنفی کا مشہور ماخذ رہی ہے۔ فتاویٰ کا یہ مجموعہ نیم سرکاری حیثیت رکھتا ہے''

(فلسفہ شریعت اسلام بحوالہ بالا صفحہ ۹۳)

اس وقت بھی عصر حاضر کی مشہور ومعروف اسلامی یونیورسٹی جامعہ الازہر میں دیگر تمام مذاہب کے ساتھ فقہ حنفی کی تدریس بھی ہوتی ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے اور یہ فوقیت فقہ حنفی کو سلطنت عثمانی کے عہد سے حاصل ہے، مملکت خداداد پاکستان اور بلادِ ہندوستان میں اسی فیصد مسلم آبادی حنفی مذہب کی پیروکار ہے۔ امام ابو المؤید موفق بن احمد مکی کے اس خوبصورت قطعہ پر مضمون کا اختتام کیا جاتا ہے۔

هَذَا مَذْهَبُ النُّعْمَانِ خَيْرُ الْمَذَاهِبِ
كَذَا الْقَمَرُ الْوَضَّاحُ خَيْرُ الْكَوَاكِبِ

تَفَقُّہ فِی خَیرِ القُرُونِ مَعَ التُّقیٰ
فَمَذھَبُہٗ لَاشَکَّ خَیرُ المَذَاھِب

ترجمہ: یہ نعمان بن ثابت کا مذہب بہترین ہے جس طرح چاند خوب روشن ہے اور ستاروں سے خوب بہتر ہے خیر القرون میں تقویٰ کے ساتھ فقہ مرتب ہوا تو ان کا مذہب بلاشبہ بہترین مذہب ہے"

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل ہمیں اسی مذہب حنفی پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور حنفی عقائد کی مکمل پاسداری کی سعادت سے نوازے۔

آمِینْ یَا رَبَّ العَالَمِینَ بِحُرْمَۃِ وَ بِجَاہِ رَحْمَۃٍ لِّلعَالَمِینَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ

نوٹ: فقہ حنفی کے بارے میں ایک تعارفی مضمون "فقہ حنفی کا اجمالی تعارف" محررہ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی لائق مطالعہ ہے، راقم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ مضمون ہذا ماہنامہ "نور اسلام" شرق پور کے "امام اعظم ابوحنیفہ نمبر" میں شائع ہو چکا ہے۔

بقیہ: امام اعظم کا فقہی مزاج

ہوئے۔ کیونکہ حقیقت یہ تھی کہ اموی اور عباسی حکمران ظلم اور زیادتی میں حد سے تجاوز کیا کرتے تھے اسلئے امام صاحب نے عہدۂ قضاء قبول نہ کیا تاکہ ظلم اور زیادتی میں تعاون نہ ہو جائے۔ اس دور کے محتاط اہل علم وفضل کا یہی رویہ تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۲۹-۳۳۰، سیرت ائمہ اربعہ صفحہ ۳۱ تا ۹۵)

بہر حال اس مختصر سی معلومات میں امام صاحب کی زندگی کے چند پہلوؤں پر جامع روشنی پڑتی ہے خصوصاً علم فقہ سے متعلق کہ امام صاحب نے نہایت مستند اصول وضع کئے اور نہایت احتیاط پر مسائل فقہ کا استخراج کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے جید تلامذہ کیساتھ مل کر اس علم کی خدمت کی، مسائل کو ہر لحاظ سے بحث ومباحثہ کے بعد عملی صورت میں اختیار کیا جاتا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات مزید بلند فرمائے اور انہیں خاص اپنی جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور فقہ حنفی کو تاقیامت زندہ جاوید رکھے اور امام صاحب کے تمام معتقدین اور محب حضرات کی مغفرت فرمائے --- آمین!

رحمت الرّحمان اُردو شرح قصیدۃ النعمان

در شان سید انس و جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف سراج الامت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

اردو شرح عارف طریقت مولانا محمد اعظم رحمۃ اللہ علیہ (میر ووال)

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت یہ قصیدہ مبارکہ امام ہمام امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آقائے نامدار، سرور عالم و عالمیان، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا جو عربی زبان میں ۵۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں انتہائی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان، مقام محبوبیت، حیات النبی، معجزات باہرہ آپ کے افضل الخلق اور جامع الصفات ہونے کے ساتھ ساتھ ندائے یارسول اللہ، رضائے مصطفیٰ، وسیلہ مبارکہ، شفاعت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد محامد و فضائل نظم کرتے ہوئے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً احناف کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین فرمائی ہے۔

اس قصیدہ مبارکہ کے منظوم اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں برصغیر پاک و ہند کے ایک عالم اجل، فقیہ اکمل، ادیب شہیر علامہ عصر حضرت علامہ مولانا محمد اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میر ووال) نے اس کا اردو میں ترجمہ و شرح کرتے ہوئے حق ادا کر دیا ہے اور ہر ایک شعر کی تشریح و وضاحت قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کی ہے۔ یہ کتابی شکل میں قبل ازیں بھی چھپ چکی ہے[۱]۔ لیکن اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسے مع دیباچہ و مقدمہ کے الحسن کے اس خصوصی نمبر میں دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

[۱] یہ کتاب پشاور سے حاجی تنویر احمد قادری ناظم "ادارہ اشاعت و تبلیغ اسلام" محلہ قاضی خیلاں پشاور نے ۲۰۰۱ء میں شائع کی تھی۔

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

حمد باری تعالیٰ عزاسمہ

معراج ہے چشم حوصلہ کی | رویت ہے ہلال بسملہ کی!
دل شکر خدا کا معترف ہے | نالہ الحمد کا الف ہے
ہر موئے بدن اگر زباں ہو | ممکن نہیں حمد کا بیاں ہو

قاصر ہیں سب اصل مدعا سے
پوچھو یہ زبانِ مصطفیٰ سے

نعت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا نعت رسول کا ہو اثبات | چھوٹا سا ہے منہ بہت بڑی بات
شاہنشہ انبیا محمد | ہے عرش بریں پہ جس کی مسند
معراج ہے اوج باب عالی | قوسین خم رکاب عالی

غائب نہ وہ نور ہے نظر سے
صاد صلوت زبان آنکھیں مانگے

اما بعد

سرتاپا عیب، اپنے گناہوں سے شرمسار، خدا کی رحمت کا امیدوار محمد اعظم بن محمد یار ناظرین پاک خیال کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ان دنوں اتفاق وقت سے تذکرۂ معاذیہ جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے یمن جانے اور خواب میں وفات سرور کائنات وفخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے دیکھنے اور بصد ولولہ واضطراب مدینہ منورہ میں پہنچنے اور ہر ایک صحابی سے مل

مل کر آپ کی وفات کا حال پوچھنے اور کمال عشق ومحبت کے اظہار میں بزبان عربی تصنیف ہے عاجز کی نظر سے گزرا۔ اس کے آخر میں بطور خاتمہ قصیدہ متبرکہ تصنیف حضرت امام الائمہ سراج الامہ فخر الفقہاء و المحدثین کمال معنی صورت مجسم رافت روئی امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ مرقوم ہے دیکھا گیا۔

یہ قصیدہ[۱] اس وقت کا جوش طبع ہے جبکہ آپ کو زیارت فیض زیادت روضہ ریاض جنت کی مدینہ مطہرہ زادہا اللہ شرفا میں ہوئی تھی۔ چونکہ آج تک ایسا قصیدہ حاوی صدہا نکات ومعانی گنج مخفی کی طرح خاص خاص جگہ میں تھا خیال میں گزرا کہ اگر بنظر افادہ عوام اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تو بہبودی دین و دنیا ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا بھی ثواب اور خوشنودی حق تعالیٰ ہے۔ اس خیال سے اس کو حتی الوسع بسط و تفصیل کے ساتھ تمام کیا بعونہ ومنہ تعالیٰ اور بعد اتمام کے بغرض اشاعت واستزاج بخدمت فیض درجت جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالاحد صاحب سلمہ (مالک مطبع مجتبائی واقع دہلی) بھیج دیا سو الحمد للہ کہ مولانا موصوف نے اول سے آخر تک ملاحظہ فرمایا اور بعض بعض مناسب مقامات پر اصلاح بھی فرمائی اور ہر شعر کو خوش اسلوبی سے دو دو شعر ترجمہ کے ساتھ بھی مزین فرمایا، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔

مؤلف

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تذکرہ

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک نعمان تھا اور کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم کیونکہ آپ

---

[۱]: اس قصیدہ سے متعلق حضرت مولانا عبدالعلی آسی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قصیدہ مجموعہ تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اخیر میں بطور خاتمہ کے چھپ گیا ہے اور نیز سلف صالح نے تاریخ میں اس قصیدہ متبرکہ کا پتہ دیا ہے اور یہ قصیدہ اس وقت کے جوش طبع کا نتیجہ ہے جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ میں روضہ مقدسہ حضرت رسالت پناہ روحی فدا کی زیارت سراپا خیر وبرکت بمعائنہ چشم صوری وعین معنوی نصیب ہوئی۔ اس قصیدہ میں جابجا نکات ودقائق وحقائق اسرار الٰہی کی طرف اشارہ ہے بلکہ تمام قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ ومحامد زاہرہ وفضائل قرآنیہ وشمائل حدیثیہ سے بھرا ہوا ہے کہ ایک ایک شعر اس کا دلدادگان شاہد رسالت وطالبان ذکر حضرت نبوت کے واسطے جوش و خروش پیدا کرنے والا ہے اور طالب کو مطلوب تک پہنچانے والا ہے۔ (صفحہ ۶۲، ۶۷ بوس المقدلین)

اپنے وقت میں فقہ اور اجتہاد اور تتبع کتاب و سنت میں بہت درجہ رکھتے تھے۔ سر آمد فضلائے کاملین و علمائے متبحرین تھے، ان کے باپ کا نام ثابت تھا۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ثابت کا باپ حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ثابت ساتھ تھا۔ آپ نے دونوں کی اولاد کے واسطے خیر و برکت کی دعا کی۔ امام اعظم فارسی النسل اور ابنائے فارس سے تھے۔ بحکم مرویہ بخاری و مسلم و متفقہ دیگر محدثین

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَيَّا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالثُّرَيَّا لَيَنَاوِلُهُ رَجُلٌ مِنْ اٰلِ فَارِسَ

ترجمہ: اگر علم ثریا میں ہو تو اہلِ فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے (حاصل کر لیں گے) ایک روایت میں علم کی بجائے دین کا لفظ ہے۔

آپ مخزن علم و ایمان تھے، ورع و تقویٰ زہد و ریاضت میں قدم آگے تھا۔ اہل عرفان کے بڑے بڑے پیشوا مثل ابراہیم ادہم و فضیل بن عیاض و داؤد طائی و بشر حافی رحمۃ اللہ علیہم آپ سے مستفیض تھے۔ فقہائے محدثین میں سے عبداللہ بن مبارک و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوری و عبدالرزاق و حماد بن زید و وکیع و اعمش و مقری استاد بخاری و ہیثم جیسے علمائے اعلام آپ کے شاگرد تھے۔

تعلیم دقائق کتاب و سنت و معارف کیلئے من جملہ شیوخ اس فن کے آپ کو امام الانام زبدہ خاندان نبوی قدوۂ دودمان مرتضوی جناب امام محمد باقرؓ سے خاص نسبت تھی اور بیعت بھی انہیں سے تھی۔

مقامات علیہ کی سیر حضرت ابن رسول بحق ناطق امام ہمام جعفر صادقؓ سے کی چنانچہ امام محمد و ابی یوسف اور وکیع سے منقول ہے کہ ابوحنیفہؒ امام جعفر صادقؓ کے مزار پر انوار پر بڑی ارادت سے جاتے تھے، عتبہ (آستانہ) عالیہ کی خود جاروب کشی کرتے اور مجاوروں کو کچھ دیتے۔

حافظ قرآن تھے ہر ایک مسئلہ کیلئے بارہا تمام قرآن پر نظر کرتے، اجتہاد میں آپ کا پایہ عالی تھا۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے ان کا طریق اقتباس نہایت ادق اور احوط ہے۔ اس لئے بعض نافہموں نے جو ان دقائق کو نہیں پہنچے آپ کی شان والا میں بلباس تحکم و استعلا کچھ کچھ کہا ہے وَلَنِعْمَ مَا

قَالَ الْقَائِلُ

اِذْ لَمْ یَنَالُوْا شَانَہٗ وَ وَقَارَہٗ | فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَہٗ وَ خُصُوْمٌ

ترجمہ: چونکہ لوگ ان کی شان اور عظمت کو حاصل نہ کرسکے اس لئے ان کے دشمن اور مخالف ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو رتبہ تابعی ہونے کا بھی حاصل ہے کیونکہ انہوں نے صحابہ پیغمبر خدا ﷺ کو بھی دیکھا ہے۔ چنانچہ شرح مشکوٰۃ ابن حجر مکی میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ صحابہ کو دیکھا۔ (۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۲) عبداللہ بن اوفیٰ (۳) سہل بن سعد (۴) ابوالطفیل۔ چار اور کہ جن سے بلاواسطہ روایت کی ہے، حنفیوں کے پاس پچاس حدیثیں ایسی ہیں واللہ اعلم اور متبعین سے کسی کا قول ہے قطعہ

کَفَی النُّعْمَانَ فَخْرًا مَا رَوَاہُ | مِنَ الْاَخْبَارِ مِنْ غُرَرِ الصَّحَابَہ

وَمَا خَیْرٌ مِنَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ | وَمَا خَیْرُ النَّبِیِّ اِلَّا اَصَابَہٗ

ترجمہ: نعمان کیلئے ان روایات کا فخر ہی کافی ہے جو انہوں نے شرفائے صحابہ سے روایت کیں۔ خدائے بزرگ و برتر اور نبی اکرم کی ہر بھلائی کو انہوں نے پالیا۔

ائمہ مجتہدین مثل مالک واحمد وشافعی رحمہم اللہ اکثر آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور استدلال میں آپ کی تعریف کیا کرتے بالخصوص امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے کمال ارادت تھی۔ وہ آپ کے مرقد شریف پر جایا کرتے، بتوسل وتبرک حل مشکلات میں جناب الٰہی میں دعا مانگتے، محافل و مجالس عامہ وخاصہ میں آپ کا ذکر بہت کیا کرتے، انہیں کا قول ہے

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اَنَّ ذِکْرَہٗ | کَمِسْکٍ اِذَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعٗ

ترجمہ: ہمارے لئے نعمان کے تذکرہ کا اعادہ کئے جاؤ کیونکہ اس کا ذکر کستوری کی طرح ہے جس کی خوشبو گھسنے کے تکرار سے مہکتی ہے۔

اور حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَیْھَا | اِمَامُ الْمُسْلِمِیْنَ اَبُوْحَنِیْفَہْ!

بِاَحْكَامٍ وَّ اٰثَارٍ وَّ فِقْهٍ | كَاٰيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلَى الصَّحِيْفَهْ
فَمَا فِى الْمَشْرِقَيْنِ لَهٗ نَظِيْرٌ | وَلَا بِالْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَهْ
يَبِيْتُ مُشَمِّرًا سَهَرَ اللَّيَالِىْ | وَصَامَ نَهَارَهٗ لِلّٰهِ خِيْفَهْ

(تبییض الصحیفہ صفحہ ۲۸، مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ دکن)

ترجمہ: مسلمانوں کے امام ابوحنیفہ ؒ نے شہروں اور شہروں میں بسنے والوں کو زینت دے دی ہے۔ احکامِ شرعی، احادیث اور فقہ کے باعث جو آیاتِ زبور کی طرح ورق پر مرقوم ہیں۔ پس نہ تو دونوں مشرقوں میں ان کی کوئی نظیر ہے اور نہ دونوں مغربوں میں اور نہ شہر کوفہ میں۔ وہ مستعد عبادت ہو کر راتوں میں بیدار رہتے ہیں اور اللہ کے ڈر سے دن کو روزہ رکھتے ہیں۔

اعیان واکابر اہل علم نے آپ نے مذہب کو ترجیح دی کما قال غیر واحد

حَسْبِىْ مِنَ الْخَيْرَاتِ مَا اَعْدَدْتُهٗ | يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِىْ رِضَى الرَّحْمٰنِ
دِيْنَ النَّبِىِّ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْوَرٰى | ثُمَّ اعْتِقَادِىْ مَذْهَبَ النُّعْمَانِ

(تبییض الصحیفہ صفحہ ۳۱، مطبوعہ دائرۃ المعارف عثمانیہ دکن)

ترجمہ: قیامت کے دن خدا تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے نیکیوں میں سے جو کچھ میں نے تیار کیا ہے وہ میرے لئے کافی ہے اور وہ محمد ﷺ کا دین ہے جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور پھر مذہب نعمان کی صداقت پر میرا اعتقاد ہے۔

آپ مستغنی عن التوصیف ہیں آپ کے مناقب بے شمار اور اوصاف بیرون از حصار ہیں۔ ائمہ اعلام مقلدین وغیر مقلدین نے آپ کے مناقب ومحامد میں بقدر ماتیسر تصنیفیں کی ہیں۔ اس کے دریافت کرنے کو کتب ذیل دیکھنی چاہیں:

۱: خیرات الحسان فی ترجمۃ النعمان (علامہ ابن حجر مکی شافعی ؒ)

۲: تبییض الصحفیہ فی مناقب ابی حنیفہ (حافظ جلال الدین سیوطی ؒ)

۳: شقائق النعمان (علامہ جار اللہ زمخشری ؒ)

۴: بستان فی مناقب النعمان (شیخ محی الدین عبدالقادر ابن الوفا حنبلیؒ)

۵: کشف الاسرار (عبداللہ بن محمد حارثی)

۶: انتصار (یوسف بن فرغلی سبط ابن جوزی)

۷: تحفة السلطان فی مناقب النعمان (ابن کاس)

۸: عقود الجمان فی مناقب النعمان (ابو عبداللہ بن محمد دمشقی)

۹: عقود الجمان فی مناقب النعمان (امام ابو جعفر طحاوی)

۱۰: اکمال فی اسماءِ الرجال (صاحبِ مشکوٰۃ)

۱۱: طبقات (ملا علی قاری)

۱۲: مجلہ (مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس)

۱۳: کشف المحجوب (علی ہجویری داتا گنج بخشؒ)

۱۴: تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطارؒ)

۱۵: نافع الکبیر لمن یطالع جامع الصغیر (مولانا عبدالحی فاضل لکھنوی)

۱۶: جلب المنفعت (نواب صدیق حسن خاں)

۱۷: سیرت النعمان (علامہ شبلی نعمانی پروفیسر علی گڑھ کالج)

۱۸: تنویر الحاسه فی مناقب الائمة الثلاثة (مولوی محمد حسن)

۱۹: روح الایمان فی مناقب النعمان ۲۰: امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی

ان کے سوا صدہا کتابیں امام صاحبؒ کے مناقب میں ہیں اور لاکھوں اہل کشف کے اقوال شاہد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی و شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی متاخرین سے اور بہت سے متقدمین سے منقول ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا -- يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ - لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

مقدمہ

چونکہ قصیدے کا آغاز "یا" سے ہے جو حرف ندا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ حیات الانبیاء اور جواز ندا کا ثبوت اول دیا جائے تا کہ ظنونِ فاسدہ اور شکوکِ جہلاء اول دل سے دور ہو جائیں اور ملال و کدورت نہ رہے۔ واضح ہو کہ پایہ ثبوت شرعیہ تین ہیں (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) عمل اُمت یا اجماع۔ جب ان سے کوئی امر ثابت نہ ہو تو پھر ایک چوتھے کی حاجت پڑتی ہے جسے قیاس کہتے ہیں۔

قرآن

۱: اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ "شہید۲ زندہ ہیں" اور پیغمبر اُن سے افضل۳ ہیں۔

ا: بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ خلاصہ: میرا بندہ کثرت نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور دیتا ہوں۔

جائے غور و تامل ہے کہ صفات محدودہ بشریہ کے زائل ہونے سے صفات غیر محدودہ حقیہ حاصل ہوتی ہیں جیسے دور دراز سے سننا، دیکھنا، یا بنانا یا پہنچانا وغیرہ۔ تو جب بالجملہ علائق دنیوی سے پاک ہو کر بالکل الی اللہ و فی اللہ و باللہ ہو جائے کیونکر صفات حقیہ سے متصف نہ ہو گا۔ فافہم۔

۲: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ ۲، ع ۳) ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (پ ۴، ع ۴) (ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں)۔

۳: کیونکہ وہ کامل الشہادت ہیں۔

۲: یہ بھی فرمایا ہے کہ ایمان والوں کا مرنا جینا[۲] برابر ہے اور پیغمبر ان سے افضل ہیں۔[۳]

۳: یہ رسول[۴] تمہارا گواہ ہے۔ جس روز کہ پیغمبر اپنی اپنی امت پر گواہی دینے کو حاضر ہوں گے اور تو اس (اپنی) امت پر گواہی دینے کو بلایا جائے گا'' اگر وہ زندہ نہیں اور ہمارے حال سے مطلع نہیں تو کیا گواہی دیں گے؟

ا: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ (پ ۲۵، ع ۱۸) (کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کردیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہے) نافع مدنی، ابن کثیر، ابوعمر بصری، ابن عمر شامی، سلیمان، اعمش ائمہ قرأت کے نزدیک سواءٌ کے آخر تنوین مین ضمہ ہے۔ اس کے مطابق ترجمہ یہی ہے جو درج ہوا۔

۲: کیونکہ یہ کامل الایمان ہیں۔

۳: تفسیر عباسی میں لکھا ہے کہ محی المومنین ومماتُ المومنین سواء بسواء یعنی ایمان والوں کا مرنا اور جینا برابر برابر ہے۔

۴: شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷫ در جامع البرکات نوشتہ وے ﷺ بر احوال و اعمال امتان مطلع است و بر مقربان و خاصان خود ممد و مفیض و حاضر و ناضر۔ ترجمہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی ﷫ نے ''جامع البرکات'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کے حالات واعمال سے آگاہ ہیں اور اپنے مقربوں اور خاصوں کیلئے ممد وفیض رساں اور حاضر وناظر ہیں۔ وشاہ عبدالعزیز ﷫ محدث دہلوی در تفسیر خود تحت قول اللہ تعالیٰ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (پ ۲، ع ۱) و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی ماندہ است کدام است۔ پس اوی شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اخلاص شما و نفاق شمارا۔ انتھی (ترجمہ: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ﷫ نے اپنی تفسیر میں وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا کے ذیل میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں گے کیونکہ آپ اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے درجے اور رتبے سے آگاہ ہیں کہ وہ دین کے کس مرتبے پر پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی کیا حقیقت ہے اور وہ کون سا حجاب ہے۔ جس سے وہ ترقی سے رک گیا ہے پس آپ تمہارے گناہوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے ایمان کے درجوں اور تمہارے اخلاص ونفاق سے بھی واقف ہیں) و ملا علی قاری در شرح شفا از ابن دینار تابعی مکی روایت کردہ است کہ روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اھل الاسلام یعنی روح مبارک آنجناب ﷺ اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔ الدر المنظم

احادیث

۱:مَرَرْتُ بِقَبْرِ مُوْسٰی فَاِذَا هُوَ فِیْهِ قَائِمٌ یُصَلِّیْ (اخرجه مسلم بن انس ۱۲) معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں (انباء الاذکیا للسیوطی)

۲: آپ نے فرمایا دنوں میں اچھا دن جمعہ ہے اس روز بہت درود پڑھا کرو کیونکہ جو مجھ پر درود بھیجے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی مٹی میں کچھ رہ نہیں جاتا، آپ نے فرمایا اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ اللہ نے پیغمبروں کے جسم مٹی پر حرام کئے ہیں ان کو نہیں کھاتی - اخرجہ ابو داؤد والبیہقی عن اوس الثقفی ---(مشکوٰۃ باب الجمعہ)

۳:قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ (اخرجه ابو یعلی و البیهقی عن انس) پیغمبر زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ (انباء الاذکیا للسیوطی)

۴:قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یُتْرَکُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ بَعْدَ اَرْبَعِیْنَ وَلٰکِنَّهُمْ یُصَلُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ اللهِ حَتّٰی یُنْفَخَ فِی الصُّوْرِ (اخرجه البیهقی عن انس) پیغمبر زندہ ہے چالیس روز کے بعد پھر قبروں میں مکلف کئے جاتے ہیں۔ قیامت تک اللہ کے سامنے نماز پڑھتے رہیں گے۔ (انباء الاذکیاء للسیوطی)

۵۔قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَةً فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ وَ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ قَضَی اللهُ لَهٗ مِائَةَ حَاجَةٍ سَبْعِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَةِ وَ ثَلٰثِیْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا ثُمَّ وَکَّلَ اللهُ بِذٰلِکَ مَلَکًا یُدْخِلُ عَلَیَّ فِیْ قَبْرِیْ کَمَا یُدْخَلُ عَلَیْکُمُ الْهَدَایَا یُخْبِرُنِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بِاسْمِهٖ وَ نَسَبِهٖ فَاُثْبِتُهٗ عِنْدِیْ فِیْ صَحِیْفَةٍ بَیْضَاءَ (بیهقی) اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاةِ (اخرجه البیهقی والاصبهانی فی الترغیب (انباء الاذکیاء للسیوطی)

جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کوئی مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجت پوری کر دیتا ہے، ستر آخرت میں تیس دنیا میں پھر اللہ ایک فرشتہ اس پر موکل (مقرر) کرتا ہے کہ وہ مجھے اس طرح پر درود

پہنچاتا ہے جیسے کوئی کسی کے پاس ہدیہ لے جاتا ہے (وہ مجھے درود پڑھنے والے کے نام ونسب کی بھی خبر دیتا ہے کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ آلِکَ وَسَلَّمَ یہ درود فلاں بن فلاں کا ہے۔ میں اس کو اپنے ایک نورانی دفتر میں لکھ لیتا ہوں (۱۲ بیہقی) میری جان پہچان بعد موت بھی ویسی ہی ہوگی جیسی کہ اب ہے۔

۶: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَ مَنْ صَلّٰی غَائِبًا بُلِّغْتُہٗ (اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان والاصبہانی فی الترغیب عن ابی ہریرۃ) جو شخص میری قبر کے پاس آکر درود پڑھے تو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے تو وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے (انباء الاذکیا للسیوطی)

۷: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ فَمَا مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَّغَنِیْھَا (اخرجہ البخاری فی تاریخہ) اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے تمام جہان کی باتیں سنائی دینے کا رتبہ عطا کیا ہے۔ وہ میری قبر پر کھڑا رہتا ہے جہاں کہیں کوئی مجھ پر درود پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتا ہے۔ (انباء الاذکیاء للسیوطی)

۸: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ (رواہ النسائی والدارمی عن انس) اللہ کے کئی فرشتے سیاح ہیں چلتے پھرتے رہتے ہیں اور مجھے میری اُمت کا سلام پہنچا دیتے ہیں۔

۹: قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْکَ مِمَّنْ غَابَ عَنْکَ وَ مَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَکَ مَا حَالُھُمَا عِنْدَکَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَ اَعْرِفُھُمْ وَ تُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا (دلائل الخیرات)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا کہ فرمایئے جو لوگ دور سے آپ کو مخاطب کر کے درود پڑھیں یا بعد آپ کے تو ان کا درود وسلام کیونکر آپ کو معلوم ہوگا۔ فرمایا میں اپنی محبت اور عشق والوں کا درود تو خود سن لوں گا اور انہیں پہچان لوں گا اور دوسروں کا درود مجھ پر پیش کر دیا جائے گا۔

۱۰: عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اَدْخُلُ بَیْتِیَ الَّذِیْ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنِّیْ

وَاضعُ ثَوبِی وَ اَقُولُ اِنَّمَا ھُوَ زَوجِی وَ اَبِی فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَھُم فَوَاللہِ مَا دَخَلتُہٗ اِلاَّ وَ

اَنَا مَشدُودَۃٌ عَلَیَّ ثِیَابِی حَیَاءً مِن عُمَرَ (رواہ الامام احمد فی مسندہ)

میں اپنے حجرہ میں جہاں رسول خدا ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدفون ہیں کھلے کپڑوں جایا کرتی اور دل میں کہتی کہ کچھ حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ تو میرے شوہر ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے باپ مگر جب عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن ہوئے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ سے شرم کی وجہ سے میں اس کمرے میں اس حالت میں داخل ہوتی ہوں کہ پردے کے کپڑے مجھ پر بندھے ہوتے ہیں۔

اجماع یا عمل امت: باتفاق اہل سنت و جماعت ابوبکر رضی اللہ عنہ اَفضَلُ الصَّحَابَۃِ وَ اَعلَمُھُم بِالکِتَابِ وَ السُّنَۃِ[1] ہیں بعد وفات سرور کائنات ﷺ ان کا یہ مرثیہ ہے۔

وَدَّعَنَا الوَحیُ اِذَا وَلَّیتَ عَنَّا	فَوَدَّعَنَا مِنَ اللہِ الکَلاَمُ
سِوَی مَا قَد تَرَکتَ لَنَا رَھِینًا	تَضَمَّنَہُ القَرَاطِیسُ الکِرَامُ

ترجمہ: جب آپ نے ہم سے منہ پھیر لیا (یعنی وفات پائی) تو وحی الٰہی اور اللہ کے کلام نے بھی الوداع کہہ دیا سوائے اس کلام کے جسے آپ نے ہمارے لئے کاغذوں میں بند چھوڑا ہے۔

(حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ

بِاَبِی اَنتَ وَاُمِّی یَا رَسُولَ اللہِ لَقَد کَانَ لَکَ جِذعٌ تَخطُبُ النَّاسَ عَلَیہِ فَلَمَّا کَثُرَ النَّاسُ اتَّخَذتَ مِنبَرًا لِتُسمِعَھُم فَحَنَّ الجِذعُ --- الخ

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ایک ستون سے تکیہ لگا کر خطاب کیا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہوئے تو آپ نے منبر بنوالیا تا کہ لوگوں کو اپنا کلام سنا سکیں تو وہ ستون رو دیا (السیرۃ النبویہ۔ مفتی مکہ زینی دحلان رحمہ اللہ)۔

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں اور قرآن وسنت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

(حضرت) حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ	فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ	فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

ترجمہ: آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ پس آپ کی وجہ سے (یا آپ کے غم میں) آنکھ اندھی ہوگئی (عمی کی یا کو ساکن کرنا خلاف قیاس ہے) آپ کے بعد جو شخص چاہے مرے (یعنی جو مرتا ہے مرتا رہے) مجھے تو صرف آپ کی وفات کا ڈر تھا (السیرۃ النبویہ، مفتی مکہ زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ)

وَلَهٗ اَيْضًا

رَسُوْلَ اللّٰهِ ضَاقَ بِنَا الْفَضَاءُ	وَجَلَّ الْخَطْبُ وَ انْقَطَعَ الْاِخَاءُ
فَجَاهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهٌ	رَفِيْعٌ مَا لِرَفْعَتِهٖ انْتِهَاءُ
رَجَوْتُكَ يَا ابْنَ اٰمِنَةٍ لِاَنِّيْ	مُحِبٌّ وَ الْمُحِبُّ لَهُ الرَّجَاءُ

ترجمہ: اے اللہ کے رسول (آپ کی وفات سے) وسیع زمین میرے لئے تنگ ہوگئی اور مصیبت بہت بڑھ گئی اور دوستی منقطع ہوگئی۔ اے اللہ کے رسول آپ کا مرتبہ بہت بڑا ہے اس کی بلندی کی کوئی انتہا نہیں۔ اے آمنہ کے فرزند میں آپ سے امید رکھتا ہوں کیونکہ مجھے آپ سے محبت ہے اور محب کو اپنے محبوب سے امید ہوا کرتی ہے۔

(حضرت) صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنْتَ رَجَاءَنَا	وَ كُنْتَ بِنَا بَرًّا وَّلَمْ تَكُ جَافِيَا
وَ كُنْتَ رَحِيْمًا هَادِيًا وَّمُعَلِّمًا	لِيَبْكِ عَلَيْكَ الْيَوْمَ مَنْ كَانَ بَاكِيَا
لَعَمْرُكَ مَا اَبْكِي النَّبِيَّ لِفَقْدِهٖ	وَلٰكِنْ لِمَا اَخْشٰى مِنَ الْهَرْجِ اٰتِيَا
كَاَنَّ عَلٰى قَلْبِيْ لِذِكْرِ مُحَمَّدٍ	وَمَا خِفْتُهٗ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ لَكَاوِيَا
اَفَاطِمَ صَلَّى اللّٰهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ	عَلٰى جَدَثٍ اَمْسٰى بِيَثْرِبَ ثَاوِيَا

فِدَی لِرَسُوْلِ اللہِ اُمِّیْ وَ خَالَتِیْ | وَ عَمِّیْ وَ اٰبَائِیْ وَ نَفْسِیْ وَمَالِیَا
فَلَوْ اَنَّ رَبَّ النَّاسِ اَبْقٰی مُحَمَّدًا | سُرِرْنَا وَ لٰکِنْ اَمْرُہٗ کَانَ مَاضِیَا
عَلَیْکَ مِنَ اللہِ السَّلَامِ تَحِیَّۃٌ | وَ اُدْخِلْتَ جَنَّاتٍ مِنَ الْعَدْنِ رَاضِیَا

(طبقات ابن سعد، جلد دوم، صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول آپ ہماری امید تھے اور آپ ہمارے محسن تھے، جفا کار نہ تھے۔ آپ بڑے مہربان بھی تھے اور ہادی اور معلم بھی۔ ہر رونے والے کو آج آپ پر رونا چاہیے۔ اے مخاطب تیری زندگی کی قسم میں نبی اکرم ﷺ کے گم ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کے بعد آنے والے فتنہ و آشوب کے ڈر سے رو رہی ہوں۔ گویا آنحضرت کی یاد اور آپ کے بعد آنے والے واقعات کے ڈر سے میرے دل پر داغ دینے کے گرم لوہے رکھے ہوئے ہیں۔ اے فاطمہ اللہ تعالیٰ جو محمد ﷺ کا رب ہے اپنی رحمت نازل فرمائے اس قبر پر جو یثرب (مدینہ منورہ) میں موجود ہے۔ رسولِ خدا پر میری ماں، خالہ، چچا اور آباؤ اجداد اور خود میری ذات اور میرا مال فدا ہو جائے۔ اگر لوگوں کا پروردگار ہم میں آنحضرت کو باقی رہنے دیتا تو ہم خوش ہوتے لیکن اس کا حکم جاری ہو کر رہتا ہے۔ آپ پر اللہ کی طرف سے سلام ہو اور آپ راضی خوشی جنتِ عدن میں داخل ہوں۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جب مزار پر انوار پر آتی تھیں تو اپنے شوق و اضطراب کو بیان کرتی تھیں کہ!

اِذَا شْتَدَّ شَوْقِیْ زُرْتُ قَبْرَکَ بَاکِیًا | اَنُوْحُ وَ اَشْکُوْ مَا اَرَاکَ مُجَاوِبٖ
اَیَا سَاکِنَ الْغَبْرَاءِ عَلَّمْتَنِی الْبُکَا | وَ ذِکْرُکَ اَنْسَانِیْ جَمِیْعَ الْمَصَائِبِ
فَاِنْ کُنْتَ عَنِّیْ فِی التُّرَابِ مُغَیَّبًا | فَمَا کُنْتَ عَنْ قَلْبِ الْحَزِیْنِ بِغَائِبِ

(مدارج النبوت، وصل دفن آنحضرت ﷺ صفحہ ۵۷۰)

ترجمہ: جب میرا شوق بڑھ جاتا ہے تو آپ کی قبر کی روتے ہوئے زیارت کرتی ہوں اور نوحہ کرتی ہوں شکایت کرتی ہوں مگر دیکھتی ہوں کہ آپ جواب نہیں دیتے (نحوی ترکیب کے لحاظ سے مجاوب منصوب

ہونا چاہئے لیکن آخری دوشعروں میں حرف روی مکسور ہے) اے زمین میں سکونت رکھنے والے تو نے مجھے رونا سکھادیا اور تیری یاد نے میری تمام مصیبتیں بھلادیں۔ اگر آپ مجھ سے قبر میں غائب ہیں (تو کیا ہوا) آپ میرے غمزدہ دل سے غائب نہیں۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما

یَا مُصْطَفِی یَا مُجْتَبٰی	اِرْحَمْ عَلٰی عِصْیَانِنَا

ترجمہ: اے مصطفیٰ اور اے مجتبیٰ (صلی اللہ علیک) ہماری نافرمانی پر رحم فرمایئے۔

کتب سیر وتواریخ میں لکھا ہے کہ جب قاتلانِ امام علیہ السلام آپ کی شہادت کے بعد پسماندگان اہلِ بیت نبوت کو دمشق کی طرف اسیر کر کے چلے تو جناب زینب بن فاطمہ رضی اللہ عنہما نے ان بیتوں سے حضور اقدس نبی کریم ﷺ میں استغاثہ کیا۔

یا جد من ھولی یتامی و اخوتی	بالذل قد سلبوا القناع و جرّدوا
یاجد من ثکلیٰ و طول مصیبتی	لما اعینه اقوم و اقعد
یا جد لو ابصرتنی و رأیتنی	یاجد نا نحر الحسین و مورد
یا خالقی انت الرقیب علیھم	فی فعله ظلما و انت الشاھد
یا والدی المشفق علی المرتضی	مال العد و بنا قد مھد
یا امی الزھراء قومی وعددی	و جمیع املاک السماء تشھد
ھذا حبیبک بالحدید مقطع	و مخضب بدمائه متشھد
و الطیبون بنورک قتلی حوله	فوق الصعید مفرج و مجرد
ھذا مصائب ما اصلیب بمثله	بشر من المخلوق الاواحد

(مذکورہ بالا اشعار میں بہت سی اغلاط ہیں ان کی اصل نہیں مل سکی اس لئے ان کا ترجمہ اور تصحیح نہیں ہو سکی)

بہجۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ حضرت سید ابو محمد عبد القادر جیلانی ﷫ جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو روضہ مطہرہ پر دست بستہ کھڑے ہو کر التماس کیا۔

فِیْ حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُھَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَھِیَ نَائِبَتِیْ
وَھٰذِہٖ نَوْبَۃُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ یَدَیْکَ لِکَیْ یَحْظُوْ بِھَا شَفَتِیْ

ترجمہ: دوری کی حالت میں تو میں اپنی روح کو جو میری قائم مقام ہے بھیجا کرتا تھا تاکہ آپ کی زمین کو بوسہ دے۔ اب نوبت جسموں کی حاضری کی ہے جو حاضر ہو گئے۔ اپنے دست مبارک دراز کیجئے تاکہ میرا ہونٹ ان کو چومنے سے بہرہ ور ہو۔

رسول خدا ﷺ نے دست مبارک نکالے اور مصافحہ کیا اور بھی جناب قدسی مآب نے رفع اشتباہ مشتبہین کیلئے دور سے حضرت کریم میں گذارش کی ہے۔

یَا حَبِیْبَ الْاِلٰہِ خُذْ بِیَدِیْ
مَا لِعَجْزِیْ سِوَاکَ مُسْتَنَدِیْ
غَیْرُ عَزْوَاکَ لَیْسَ فِی الدَّارَیْنِ
لِلْعَلِیْلِ الذَّلِیْلِ مُعْتَمَدِیْ
اعْتِصَامِیْ سِوٰی جَنَابِکَ لِیْ
لَیْسَ یَا سَیِّدِیْ اِلَی الْاَحَدِ

ترجمہ: اے خدا کے حبیب میری دستگیری فرمایئے کیونکہ میری عاجزی اور درماندگی کیلئے آپ کے سوا اور

ا؎ علامہ سیوطی ﷫ نے یہ واقعہ حضرت شیخ احمد رفاعی ﷫ کے متعلق لکھا ہے، مذکورہ اشعار بھی ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بعض کتابوں میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ﷫ اس وقت موجود تھے اور یہ واقعہ نوے ہزار کے مجمع میں پیش آیا۔ (فضائل حج صفحہ ۱۳۰)

کوئی نہیں جس پر میرا اعتماد ہو۔ دونوں جہانوں میں آپ کی دست آویز کے سوا اس علیل و ذلیل کیلئے کوئی نہیں جس پر میں بھروسہ کر سکوں، اے میرے آقا آپکی جناب کے سوا کوئی ایسا نہیں جسکی پناہ لوں

وَمِنْهُ اَيْضًا

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا | يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا
اِنَّنِىْ فِىْ بَحْرِ غَمٍّ مُغْرَقٌ | خُذْ يَدِىْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

نوٹ: یہ دونوں اشعار مولانا عبدالعلی آسی مدراسی ؒ نے دبوس المقلدین کے خاتمہ میں قدسی ؒ کی طرف منسوب کئے ہیں۔

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ہماری بات سنئے اور اے اللہ کے حبیب ہمارے حال کو ملاحظہ فرمایئے، میں غم کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں، میری دستگیری کیجئے اور ہماری مشکلات کو آسان کیجئے۔ اِسْمَعْ اور اُنْظُرْ میں ہمزہ وصلی ہے اسے درج کلام بطور ہمزہ قطعی استعمال کرنا صحیح نہیں۔

شیخ امام بوصیری قدس سرہ

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِىْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بزرگ تر آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں کہ کسی بڑے حادثہ کے نازل ہونے کے وقت میں اس کی پناہ لوں۔

اسی طرح کسی کو اہلِ علم واعتقاد سے حضرت رسول کریم ﷺ کی حیات اور سمع میں اختلاف نہیں اور جاہلوں کا مرض لاعلاج ہے۔ فرد

دانا کیلئے کافی ہے اک لفظ نصیحت
نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

آغاز قصیدہ مبارکہ بجناب رسالت مآب ﷺ

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُکَ قَاصِدًا | اَرْجُوْا رِضَاکَ وَ اَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

معنے بیت: اے سیدوں کے سید، پیشواؤں کے پیشوا! میں دلی قصد سے آپ ہی کے حضور آیا ہوں، آپ کی مہربانی اور خوشنودی کی امید رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو سب برائیوں سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اے پیشوائے دو سرا در پہ ہوں تیرے آ پڑا
چشم کرم بہر خدا چشم کرم بہر خدا
تیری عنایت چاہیے، تیری حمایت چاہیے
مطلوب ہے تیری طلب، محبوب ہے تیری رضا

سید السادات

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سید السادات ہونے میں کسی کو کلام نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب فرمایا ہے یٰسٓ[۱] اے سید، اے پیشوا! کذا فی التفاسیر اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط (پ۲۲، ع۲) یعنی محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے تو کسی کا باپ نہیں ہے لیکن اللہ کا رسول اور نبیوں کا پورا کرنے والا ضرور ہے۔ ختم بآخر رسانیدن کذا فی المنتخب وغیرہ۔ پس آپ نبیوں کے پورا کرنے والے ہیں۔ بجز آپ کے کمی تھی تکمیل آپ وجود باجود سے ہوئی تو کمال آپ ہی کو حاصل ہوا۔ پس سید

---

[۱] ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ابی طفیل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ (۱) محمد (ﷺ) (۲) احمد (۳) فاتح (۴) خاتم (۵) ابو القاسم (۶) حاشر (۷) عاقب (۸) ماحی (۹) یٰسٓ (۱۰) طٰہٰ۔ (الدر المنظم)

(پیشوا) یہی ہیں کیونکہ پیشوائی اہلِ کمال کو لائق ہے اور خاتم النبیین سے ثابت ہو چکا ہے کہ درجاتِ انبیاء کے پورا کرنے والے آپ ہیں کیونکہ سب پیغمبروں کو اکیلے اکیلے جو کمال حاصل تھے وہ سب کے سب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات شریف میں کلیتہً موجود ہوئے۔ اس صورت سے بھی سیادت اور پیشوائی کے حقدار آپ ہیں۔ فَالنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ سَیِّدٌ مِنْ اَیِّ وَجْہٍ کَانَ (پس نبی اُمی ہر وجہ اور ہر طریقہ سے سردار ہیں)۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ، (پ۳، ع۱) یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور جن کو فضیلت دی ہے ان میں سے (کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے) اور بعض کا درجہ بلند کیا ہے۔

اور بعض سے مراد محمد ﷺ ہیں جیسے کہ تفسیر معالم وغیرہ میں ہے اور تفسیر مظہری میں ہے کہ اونچے درجے والے سے مراد محمد ﷺ کی ذات ہے اور آپ کا فاضل و رفیع الدرجات ہونا وحی[1] غیر متلو سے بھی ثابت ہے جو مجمع علیہا امت ہے انتہٰی اور مظہری والے نے بعد اس کے بہت سی حدیثیں جو مشتمل بر فضیلت آپ کے دیگر انبیاء پر ہیں ذکر کی ہیں اور کہا ہے کہ یہ حدیثیں اگرچہ از قسم آحاد ہیں لیکن معنی متواتر اور مقبول محدثین وائمہ اعلام ہیں۔ بیہقی وطبرانی وابن عساکر نے حضرت عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے بیان کیا کہ میں نے تمام زمین پر شرقاً غرباً پھر پھر کر دیکھا لیکن محمد ﷺ سے کوئی شخص اور بنی ہاشم سے کوئی قوم افضل نہیں دیکھی۔

اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعقبات علی موضوعات ابن الجوزی میں لائے ہیں کہ ابونعیم نے حلیہ میں حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور حاکم نے مستدرک صحیح میں حضرت عائشہ و جابر سے بھی اور اسی نے بسند صحیح ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ

---

[1] وھو قول جبریل اذا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ عن اللہ تعالی عند تفسیر قولہ جل جلالہ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ معالم (ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا، جب میرا ذکر ہوتا ہے تو میرے ساتھ تیرا بھی ذکر ہوتا ہے)۔ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تفسیر میں صاحب معالم نے اس کا ذکر کیا ہے)۔

اٰدَمَ وَ عَلِیٌّ سَیِّدُ الْعَرَبِ ترجمہ: میں سردار اولاد آدم ہوں اور علی سردار عرب ہے۔[1]

اور ابن عساکر نے قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَ اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُ کُهُوْلِ الْعَرَبِ وَعَلِیٌّ سَیِّدُ الْعَرَبِ

ترجمہ: میں تو تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عرب کے میانہ عمر والوں کا سردار ہے اور علی جوانان عرب کا سردار ہے۔

اور مسلم میں بروایت ابی ہریرہ اور ترمذی میں ابی سعید سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا علیہ وآلہ التحیۃ الثناء نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنی قیامت کو (کہ موقع اظہار حقیقت ہے) میں ہی اولاد آدم کا سردار اور پیشوا ہوں گا۔

اور چونکہ انبیاء اپنی اپنی امت کے پیشوا اور سردار ہیں اور رسول اللہ ﷺ انبیاء و مرسلین کے پیشوا تو آپ سید السادات ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ

زیارت کی نیت سے حاضری

قَاصِدًا اس واسطے کہا کہ رسول خدا ﷺ کی قصد خدمت کے سوا اور کوئی غرض یہاں آنے کی نہیں۔ آنا محض بقصد نیت سعادت اندوزی ملازمان حضور ہے۔ جذب القلوب میں ہے مَنْ جَاءَ نِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ یعنی جو شخص میری زیارت کو آئے بشرطیکہ اسے سوائے میری زیارت کے اور کوئی کام نہ ہو تو مجھ پر اس کا حق ہے کہ میں قیامت کو ضرور اس کی سفارش کروں گا۔

اور بھی حدیث میں ہے مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یعنی جو

---

[1] ابن سعد نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ جب حلیمہ نے حضرت ﷺ کو لیا تو آپ کی والدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اے حلیمہ! جس بچہ کو تو نے لیا ہے اس کی شان عجیب ہے، میں جب اس سے حاملہ تھی تو مجھے کہا گیا تھا کہ جب تو جنے تو اس کا نام احمد رکھیو کیونکہ سید العالمین ﷺ یعنی تمام جہاں کا سردار ہے۔ الخ۔ الدر المنظم مختصر من الحدیث۔

شخص میری زیارت کرے اور اس کا اصلی مقصود میرے پاس تک آنے کا ہی ہو تو وہ قیامت کو میرے پڑوس میں ہوگا۔

رضائے مصطفیٰ رضائے خدا ہے

اَرْجُوْ رِضَاکَ خوشنودی خدا تعالیٰ کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے بجز اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل ہو کیونکہ خوشنودی آپ کی موجب خوشنودی خدا ہے۔ اسی واسطے صلح حدیبیہ میں جب مومنوں نے رسول کریم ﷺ سے بجہت استرضائے (حصول خوشنودی) آپ سے بیعت کی (کہ جب تک جان ہے میدان سے نہ نکلیں گے تا آں کہ آپ ہم پر راضی ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوشنودی کو اپنی خوشنودی ٹھہرایا اور یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ (پ ۲۶، ع ۱۱، الآیۃ) بتحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوا جبکہ انہوں نے تیری بیعت کی۔

مشکوٰۃ شریف میں (نقلا عن البیہقی فی شعب الایمان) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا مَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَ مَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ خلاصہ یہ ہے کہ جس نے مجھے خوش کیا گویا اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اسے بہشت میں داخل کرے گا۔

الغرض آپ کے تمام منسوبات فی النبوۃ والرسالۃ منسوبات بحق ہیں جیسے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا پ ۵ ع ۸) اور وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی پ ۹ ع ۱۶) اور یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ اور بخاری میں ہے مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ جل جلالہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی تو گویا اس

نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد ہی فرماں برداروں اور سرکشوں میں فرق ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ جس نے مجھ کو خفا کیا اس نے خدا کو خفا کیا اور جس نے مجھ کو راضی کیا اس نے خدا کو راضی کیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا خدا کی نافرمانی کی اور جس نے میری فرمانبرداری کی اس نے گویا خدا کی فرمانبرداری کی چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (پ ۳، ع ۱۲) تو کہہ کہ اگر تم اللہ سے پیار لگانا چاہتے ہو تو پہلے مجھ سے پیار لگاؤ۔ میرے ساتھ پیار لگانے سے اللہ خود بخود تم سے پیار کرے گا کیونکہ میری خوشی اس کی خوشی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ اللّٰہِ یَا خَیْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِیْ | قَلْبًا مَشُوْقًا لَا یَرُوْمُ سِوَاکَا

معنے بیت: اللہ کی قسم! اے بہترین مخلوقات تحقیق میرا دل آپ کی زیارت کا بہت ہی شوق رکھتا ہے سوائے آپ کے اور کسی کو نہیں چاہتا۔

اے رہنمائے گمرہاں، اے بہترینِ دو جہاں
اے خاتم پیغمبراں، اے مظہرِ نورِ خدا
رہتے ہیں تیرے شوق میں مضطر دل و جان و جگر
راحت کہاں تیرے بغیر الفت کسے تیرے سوا

وَ اللّٰہ قسم اس لئے کھائی کہ قسم سے کلام موکد ہو جاتا ہے اور اللہ سے زیادہ عظمت اور بزرگی والا کون ہے کہ جس کی قسم لائق تسکین مخاطب ہو۔ ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ جس نے سوائے اللہ کے کسی اور شے کی قسم کھائی تو گویا اس نے شرک کیا۔

سب مخلوق سے بہتر

خَیْرَ الْخَلَائِقِ بے شک رسول خدا ﷺ سب مخلوقات سے بہتر ہیں۔ ترمذی میں حضرت

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اِنَّہٗ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَکَاَنَّہٗ سَمِعَ شَیْئًا فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا ؟ فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ ثُمَّ جَعَلَ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ ثُمَّ جَعَلَہُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ ثُمَّ جَعَلَہُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِہِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُہُمْ نَفْسًا وَ خَیْرُہُمْ بَیْتًا

خلاصہ: یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جناب خیر الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے بحالتیکہ گویا انہوں نے کسی بد انجام سے آپ کے نسب عالی کی نسبت کوئی نامناسب بات سنی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ میں کون ہوں؟ سب نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا یہ تو ہے ہی پر بطور شخصی میں محمد بن عبداللہ ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمام خلقت کو پیدا کیا اور مجھے مخلوقات کے بہترین نوع میں کہ وہ نوع انسانی ہے بنایا پھر کئی فرقے بنائے مجھے ان سے بہترین فرقے میں بنایا۔ پھر اس کے بھی کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو ان سے بہترین قبیلے میں بنایا۔ پھر اس کے کئی گھر بنائے۔ مجھے ان سے بہترین گھر میں پیدا کیا تو میں ان سب سے بذاتِ خود بھی بہتر ہوں اور میرا گھرانہ بھی ان سے بہتر ہے۔

اس حدیث سے بوضوح تمام آپ کا خیر الانام ہونا ثابت ہو گیا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لَا یَـرُوْمُ دل آپ کے سوا کسی اور شئے سے نہیں لگتا یعنی بجز آپ کے میرے دل میں صبر و قرار نہیں اور دلی محبت کی شرط بھی یہی ہے کہ دل سوائے محبوب کے اور کچھ نہ چاہے۔

وَمِنْ حَیْثُ قَالَ مَنْ قَالَ الْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ!

۱حب اسمیست مر صفاء مودت را موضوع از انچہ عرب صفاء بیاض چشم انسان راحبۃ الانسان خوانند چنانچہ سویدائے دل حبۃ القلب۔ پس این یکے محل محبت آمد و آں یکے محل رویت از اں معنی بود کہ دل و دیدہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر جاری ہے)

وَ بِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِیْ بِكَ مُغْرَمٌ | وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّنِیْ اَهْوَاكَا

معنے بیت: اور مجھے قسم ہے آپ کے رتبہ برتر کے حق کی کہ تحقیق میں آپ کا عاشق ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔

اے سرور والا حشم جاہ مبارک کی قسم
جان آپ پر قربان ہے دل آپ کا ہے مبتلا
میں اور الفت کا بیاں، میرا یہ منہ میری زباں
اللہ کو معلوم ہے میری محبت کا پتا

بِحَقِّ جَاهِكَ اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ قسم ہے آپ کے درجہ برتر کے حق کی جو ہم پر ہے۔ (۲) یہ کہ قسم ہے آپ کے درجہ برتر کے حق کی جو اللہ کے نزدیک ہے (۱) یہ کہ ہم ان سے دلی محبت رکھیں اور ان کے کہے پر چلیں اور ہٹائے سے ہٹیں اور اس شکریہ میں کہ انہوں نے ہم کو راہِ ہدایت دکھائی ان کیلئے پروردگار سے بعث فی مقام محمود چاہیں اور ان پر بکثرت صلاۃ وسلام بھیجیں اور کسی وقت ایک ذرہ بھی ان کی مخالفت نہ کریں کیونکہ آپ کی ذراسی مخالفت بھی کفر اور ناحق شناسی اور ناسپاسی ہے اور آپ کی محبت والفت اطاعت ہے۔ آپ کے حق جو ہم پر ہیں وہ بھی علاوہ ان حقوق کے جو اس واحد یگانہ کے ہم پر ہیں خدا کے ہی حق ہیں۔ گویا خدا کے رتبہ اعلیٰ وارفع کے حق کی جو ہم پر ہیں قسم کھائی ہے۔ (۲) اس میں کیا شبہ ہے اللہ کے نزدیک آپ کا بہت ہی بڑا رتبہ ہے۔

شانِ رسالت

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (پ ۳۰، ع ۱۹)

(بقیہ حاشیہ) اندر دوستی مقارن بود (کشف المحجوب) ترجمہ: حب ایک اسم ہے جو صفائے محبت کیلئے وضع کیا گیا ہے اس لئے اہلِ عرب آنکھ کے تل کو حَبَّةُ الْاِنْسَانِ (آنکھ کی پتلی کا تل) کہتے ہیں جیسا کہ وہ دل کے نقطہ سیاہ کو حَبَّةُ الْقَلْبِ (دل کے سیاہ دانہ یا نقطہ) کہتے ہیں پس یہ ایک (حبۃ القلب) تو محبت کا محل ہے اور دوسرا حَبَّةُ الْاِنْسَانِ رویت کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ دل اور آنکھ محبت میں متصل ہیں)۔

اور ہم نے بلند کیا ہے تیرے لئے تیرے ذکر کو۔ معالم میں ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جبریل علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو اس نے کہا معنی اس کے یہ ہیں اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ جب میں ذکر کیا جاؤں تو تو بھی ساتھ ہی ذکر کیا جائے۔ مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ ابن عساکر نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے طور پر بے واسطہ کلام کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس سے بھرا اور ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور آدم علیہ السلام کو صفی کہا، آپ کو کونسی بزرگی دی؟ پس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کیا ہے تو تجھ کو حبیب اور اگر موسیٰ علیہ السلام سے زمین پر کلام کیا ہے تو تجھ پر آسمانوں پر اپنے انتہائے قرب میں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس اپیدا کیا ہے تو تیرے نام کو پیدائش عالم سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا اور میں نے آسمان اور زمین میں تیرے واسطے وہ چیزیں پیدا کیں کہ اولین و آخرین سے کسی کیلئے مہیا نہیں کیں۔ اگر میں نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا تو تجھ کو خاتم الانبیاء کیا تجھ سے زیادہ بزرگ کسی کو نہیں بنایا۔ تجھ کو حوض، شفاعت، ناقہ، عصا، تاج، علم، حج، عمرہ، رمضان، اور شفاعت مطلق عطا کی۔ سب کچھ تیرے لئے ہے یہاں تک کہ میرے عرش کا سایہ بھی تیرے سر پر پھیلا ہوا اور تاج الحمد تیرے سر پر رکھا ہوگا۔ تیرے نام اور میرے نام کے مقرون ہے جہاں میرا ذکر ہوگا تیرا بھی ذکر ہوگا اور میں نے دنیا اور اہل دنیا کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ تیرے بزرگی اور منزلت جو میرے نزدیک ہے جتلا دوں۔ میرے حبیب! اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

غرض کہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ تمام جہان سے برتر ہے اور کس کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ باری تعالیٰ کے نام سے ساتھ اس کا نام ہو، یہ محض آپ کی شان ہے۔ توحید ہی میں دیکھو کہ ہر چند کوئی شخص توحید الٰہی پکارتا ہو لیکن جب تک تصدیق رسالت آنجناب ﷺ نہ کرے مقبول نہیں چنانچہ قرآن مجید ناطق

ا: اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ (صحاح) (میرے دل میں ڈال گیا یعنی مجھے الہام ہوا) اس سے روح القدس کے نازل ہونے میں کچھ خصوصیت عیسیٰ علیہ السلام کی نہ رہی۔

ہے مَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ' (جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔۔ پ ۳ ع ۱۷) اور حضرت ﷺ کے ذریعہ کے سوا کہ وہ ذریعہ اسلام ہے کوئی دین نہ کوئی عبادت نہ کوئی عمل مقبول ہوگا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی ﷺ کے درجہ برتر (مجمع رسالت ونبوت وولایت وعبدیت ہے) کا حق باری تعالیٰ عزاسمہ نے محض اپنی عنایات بے غایات سے بے التزام لازم کر رکھا ہے۔ وہی ذات بے مثل ہے اور قاعدہ ہے کہ کبھی دال کا ذکر کرتے ہیں اور مراد مدلول کی ہوتی ہے چنانچہ علم بیان میں بضمن دلالت[ا] مذکور ہے پس اس طرح بھی ذات واحد باری تعالیٰ کی قسم کھائی ہے۔

مسئلہ: دعا میں بحق کسی کے کہنا جائز ہے ہر چند کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں۔

دعا میں بحق کسی کے کہنا جائز ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے آپ پر لازم کر رکھا ہے چنانچہ سورہ یونس میں فرمایا ہے ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پھر ہم اپنے رسولوں کو ایمان والوں کو نجات دیں گے بات یہی ہے ہمارے ذمہ کرم پر حق ہے مسلمان کو نجات دینا پ ۱۱ ع ۱۵) اور سورہ روم میں وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور ہمارے ذمہ کرم پر حق ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔ پ ۲۱ ع ۸) اور صحیحین میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلٰی حِمَارٍ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ' اِلَّا مُؤْخِرَۃُ الرَّحْلِ فَقَالَ یَا مُعَاذُ ھَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ وَ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ قُلْتُ اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ' اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ' وَ لَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِکُ شَیْئًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِہِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْھُمْ فَیَتَّکِلُوْا

ا: دلالت کی تین قسمیں ہیں۔ ا: دلالت وضعی مطابقی جیسے دلالت انسان کو حیوان ناطق پر۔ تضمنی جیسے دلالت انسان کی حیوان پر اور التزامی جیسے دلالت انسان کی ہنسنے والے پر۔ (حدائق)

کہ ایک دفعہ میں نبی ﷺ کے پیچھے خچر پر سوار تھا اور سوائے پچھلے موڑ زین کے میرے اور آپ کے درمیان کوئی شے حائل نہ تھی۔ آپ نے فرمایا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو کہ جس نے اس کے ساتھ شریک نہ کیا ہو عذاب نہ دے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لوگوں کو ایسی خوشخبری سناؤں فرمایا نہیں ایسا نہ ہو کہ بھروسہ کر بیٹھیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بندوں کا حق بھی اللہ پر ہے پس اللہ کے بندوں سے بحوائے حدیث جن کا موحد ہونا اور نیک عمل ہونا یقینی ہو تو اللہ پر ان کا حق مغفرت و رحمت ہے اور وہ جو اللہ کا حکم مانتے ہیں اور اس کا حق بجالاتے ہیں تو اللہ ان کا حق نہیں بھولتا فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ (پس یاد کرو تم مجھ کو یاد کروں گا میں تم کو۔ پ ۲ ع ۲) اور بھی حدیث میں ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو شخص اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جائے گا)۔ اسی واسطے اگر کوئی ان کے حق سے دعا مانگے تو جائز ہے لِاَنَّ لَھُمْ رَاْفَۃً لِّاَغْیَارِھِمْ (کیونکہ ان کیلئے بہت مہربانی ہے ان کے اغیار کی وجہ سے) اور سائل محروم نہیں رہتا لِعِزَّتِھِمْ عِنْدَ اللّٰہِ وَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی اَوْلِیَائِہٖ (ان کی اس عزت کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے اپنے مقبولوں پر)۔

جناب محمد بن عمر بن علی بن ابن طالب سے مروی ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فوت ہوگئیں تو جناب رسالت مآب ﷺ ان کی لحد میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ اَسَدٍ وَّ وَسِّعْ عَلَیْھَا مُدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

اللہ وہ جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور ہمیشہ زندہ ہے کہ نہیں مرتا۔ اے رب میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس کی قبر کشادہ کر دے اپنے نبی کے حق سے اور دوسرے نبیوں کے حق سے جو پہلے مجھ سے تھے کیونکہ تو بے شک سب سے بڑی رحمت والا ہے۔

اور مشکوٰۃ کے باب الرحمۃ والشفقۃ میں لکھا ہے

مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: جو کوئی کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرنے سے کسی کو روکے تو اللہ پر حق ہوگا کہ اس کو آتش دوزخ سے آزاد کرے۔

اور بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

جو کوئی کسی کو کسی مسلمان بھائی کی آبروریزی سے بند کرے تو اللہ پر حق ہوتا ہے کہ اس سے قیامت کے دن دوزخ کی آگ دور کرے پھر آپ نے اس کا ثبوت کے واسطے کہ اللہ پر بھی بندوں کا حق ہے یہ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہمارے ذمہ کرم پر حق ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا --- پ ۲۱ ع ۸) پڑھی۔ پس مذکورہ آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ بندوں کا حق بھی اللہ پر ہے دعا و سوال میں کسی نبی یا ولی کے حق کو وسیلہ اجابت کرنا منع نہیں۔

اِنِّیْ بِکَ مُغْرَمٌ میں آپ سے دلی الفت رکھتا ہوں کیونکہ زبان بغیر دل کے کچھ نہیں بلکہ عین نفاق ہے۔ اس واسطے غرام کا لفظ مذکور ہوا جس کے معنی حرص رکھنے اور شیفتگی اور دل محبت رکھنے کے ہیں۔

دل جانم فدائے جاناں باد | کہ دل و جاں وجود عالم اوست

اور پھر بلفظ وَ اللهُ يَعْلَمُ کی گواہی سے اپنی اس محبت کو مؤکد اور مصدق کر کے تکرار اِنِّیْ اُحِبُّکَ سے تخصیص کر دی ہے۔

حضور ﷺ کی محبت عین ایمان ہے

واضح ہو کہ محبت آپ کی عین ایمان ہے۔ جس کو آپ کی محبت نہیں اس کا ایمان نہیں۔ اسی واسطے اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (پ۲۱، ع۱۷) یعنی نبی مومنوں کو ان کی جانوں سے زیادہ تر پیارا ہے۔ اور قسطلانی شرح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَ وَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی کوئی تم میں ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ مجھے اپنی جان اور اپنے بیٹے اور باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ دوست نہ رکھتا ہو اور صحیحین میں ہے کہ تم سے کوئی ایماندار نہ ہوگا تاوقتیکہ مجھے (اپنی جان اور مال اور) باپ اور بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانتا ہو۔ پس چونکہ محبت محمدی عین ایمان ہے اس واسطے بقسم و شہادت زبانی مؤکد کر کے دلی محبت و الفت کا اظہار کیا ہے۔[۱]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ | کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا

معنے بیت۔ آپ وہ ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی شخص پیدا نہ کیا جاتا بلکہ آپ نہ ہوتے تو تمام مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ (ترجمہ کی عبارت مغلق تھی اس لئے سہل کردی ہے)

اے خاتم پیغمبراں، اے باعث خلق جہاں
اے سرور والا نشاں، اے شاہ لولاک لما
باعث نہ ہوتا تو اگر، پیدا نہ ہوتا اک بشر
معدوم تھا سب سر بسر جز ذات پاک کبریا

---

[۱] کیونکہ حصول درجات عالیہ و منازل رفیعہ خاص محبت سے متعلق ہیں۔ دیگر اعمال قلبی و قالبی اس کو نہیں پہنچتے۔ ان سب کی اصل وہی ایک محبت ہے وہ نہ ہو تو یہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے قیامت کیلئے کیا سامان تیار کیا ہے؟ عرض کیا کچھ نہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول (یعنی آپ کی) کی محبت ہے! آپ نے فرمایا پھر "کچھ نہیں" کیوں کہتا ہے، تیرے پاس تو سب کچھ ہے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے آدمی محبت رکھتا ہے قیامت کو اس کے ساتھ ہوگا۔ اب خیال کیجئے کہ رسول کریم ﷺ کا درجہ سب کے نزدیک کس قدر ہے اور آپ کا مقام اور منزلت کہاں تک ہے۔ پس وہ شخص جو آپ ﷺ کا محب و عاشق ہے آپ کے پاس ہوگا۔

شانِ لولاک

لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ بے شک آپ باعث ایجاد ہیں۔ حاکم نے صحیح مستدرک میں عمر بن الخطاب ﷜ سے روایت کیا ہے کہ جب آدم ؈ نے اسم پاک محمد ﷺ اللہ جل جلالہ کے نام کے ساتھ عرش پر لکھا دیکھا تو عرض کیا الٰہی یہ کون ایسا ہے کہ جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھ رکھا ہے۔ حکم ہوا کہ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ وہ میرے نزدیک ایسا عزیز ومکرم ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ اور ابوالشیخ وحاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَلَا الْجَنَّةَ وَ لَا النَّارَ (اگر محمد نہ ہوتا تو میں نہ آدم پیدا کرتا نہ بہشت نہ دوزخ) اور اسی طرح مسند دیلمی میں بھی ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے وَ لَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا ابن عساکر نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ لَوْ لَا کَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا اگر تو نہ ہوتا تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا اور حافظ قسطلانی مواہب اللدنیہ میں اس طرح روایت کیا ہے لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَ لَا اَرْضًا اگر وہ نہ ہوتا تو میں آسمان وزمین کو پیدا نہ کرتا پس بوحی غیر متلو رسول اللہ ﷺ باعث ایجاد عالم ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسٰی | وَ الشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاکَا

معنے بیت: آپ وہ ہیں کہ چودھویں رات کا چاند[1] آپ کے نور سے منور ہوا اور آپ ہی کے جمال

---

[1] ترمذی میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَةٍ اِضْحِیَانَةٍ وَ عَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاِلَی الْقَمَرِ فَهُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دفعہ چاندنی رات میں حاضر ہوا آپ سرخ لباس پہنے ہوئے تھے سو میں کبھی آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی طرف دیکھتا اور کبھی چاندنی کی طرف۔ اس غور سے محقق (ثابت) ہوا کہ آپ کا روئے مبارک چاند سے (بڑھ کر) زیبا اور روشن تھا۔ ابی ہریرہ﷜ سے مروی ہے مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ میں نے کبھی کوئی شے رسول کریم ﷺ سے خوب تر نہیں دیکھی گویا سورج آپ کے چہرہ مبارک پر رواں تھا یعنی اس قدر روشن تھا کہ نظر نہ ٹھہر سکتی تھی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری | آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

باکمال سے سورج روشن ہے۔

اے جلوۂ نورِ خدا، اے نورِ ذاتِ کبریا
ہے نور سے تیرے بجا ماہِ منور کی ضیاء
یہ جلوہ یہ تابندگی یہ نور یہ رخشندگی
مہرِ درخشاں میں نہ تھی گر تو نہ ہوتا جلوہ زا

آپ کے نور سے کائنات پیدا ہوئی

حدیث میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ یعنی سب سے پہلے اللہ جل جلالہ نے میرے نور کو پیدا کیا اور عبدالرزاق نے بسندِ خود جابر بن عبداللہ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پہلے پہل کیا پیدا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اول ہی اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے میرا نور پیدا کیا۔ سو یہ تو بمشیتِ الٰہی پھرتا رہا اور اس وقت لوح و قلم، دوزخ و بہشت، زمین و آسمان، جن وانس، فرشتہ، سورج اور چاند وغیرہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ نہ تھا پھر جب پروردگار نے جہان پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کے چار حصے کردیے سو پہلے حصہ سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش پیدا کیا اور چوتھے حصہ سے پھر چار حصے کئے۔ سو پہلے حملۃ العرش (عرش اٹھانے والے فرشتے) دوسرے سے کرسی، تیسرے سے اور تمام فرشتے پیدا کردیئے اور چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں پر منقسم کیا۔ پہلے سے آسمان، دوسرے سے زمین، تیسرے سے دوزخ و بہشت اور چوتھے کے پھر چار حصے کئے۔ پہلے سے مومنین کا نور بصارت دوسرے سے ان کا نور دل اور تیسرے سے ان کی زبانوں کا نور جو کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے پیدا کیا۔ کتب اخبار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ﷺ کے نور کو پیدا کیا پھر تمام عالم کو اس سے ظاہر کیا۔ زمین، آسمان، ستارے، چاند، سورج اور سب انبیاء اولیاء اسی نور کے پرتو ہیں اور حقیقتِ محمدی سب کا منشاء ہے اور امام حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ دقائق الاخبار میں لکھتے ہیں کہ وَمِنْ عَرَقِ وَجْهِهٖ خُلِقَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ وَ اللَّوْحُ

وَالْقَلَمُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْحِجَابُ وَالْكَوَاكِبُ وَمَا كَانَ فِي السَّمَاءِ (اور مسند عبد الرزاق میں بھی جابر بھی عبداللہ سے مروی ہے) عرش، کرسی، لوح وقلم، سورج، چاند، نورانی ستارے، اور جو کچھ آسمان میں ہے آپ کے عرق روئے مبارک سے پیدا ہوئے۔

صاف روشن ہے رخ تابان مہرو ماہ سے | نور احمد سے یہ رکھتے ہیں مقرر اختلاط

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا رُفِعْتَ اِلَی السَّمَا! | بِكَ قَدْ سَمَتْ وَ تَزَيَّنَتْ لِسُرَاكَا

معنے بیت۔ آپ وہ ہیں کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کرائی تو آپ کے خیر مقدم کے اعزاز میں معراج کی رات کو آسمان بارونق اور پُر زینت کر دیئے۔

جب تو نے اے والا حشم افلاک پر رکھا قدم
تھی خیر مقدم کی خوشی تھا مرحبا کا غلغلا!
شاداں ادھر رب جہاں، قرباں ادھر قدوسیاں
آراستہ ہفت آسماں، صل علی صل علی!

معراج کی رات آسمانوں کی زینت

بِكَ قَدْ سَمَتْ آسمان نے اپنے اوپر آپ کے قدم مبارک رکھنے کا فخر کیا اور سما بمعنی بلندی اور چونکہ ہر سمت باعتبار فضالا انتہا ہے اس واسطے عرش کرسی وغیرہ بھی سما ہیں۔ ال اس پر اسی ہے اور کتب ثقات میں لکھا ہے کہ عرش پیدا ہونے سے اب تک متزلزل اور قدم بوسی جناب کا مشتاق تھا۔ معراج کی رات جب آپ نے قدم مبارک رکھا تو ساکن ہو گیا۔ جب سے اس کو سکون وقرار ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان اپنی رفعت مکان کا زمین پر فخر کرتا تھا اور زمین اپنی پستی پر محزون تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو بایں قدرومنزلت زمین پر پیدا کیا تو آسمان کا وہ غرور ٹوٹ گیا اور فخر کچھ بھی نہ رہا اور ہر وقت بارگاہ الٰہی میں ملتجی رہتا تھا کہ یا الٰہی وہ اعزاز جو زمین کو عرصہ تک

حاصل ہے مجھے ایک دم ہی عطا فرما۔ پس جب آپ تشریف لے گئے تو بہت خوش ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو اوپر بلائے تو رضوان موکل جنات کو حکم دیا بہشت کو اور بھی مزین کردے اور آسمان کو فرمایا تـزیّنی اے آسمان میرے حبیب کی آمد ہے تو اس کے خیر مقدم کیلئے پُر رونق اور بازینت ہو جا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَنتَ الَّذِیْ نَادَاکَ رَبُّکَ مَرحَبًا | وَلَقَدْ دَعَاکَ لِقُرْبِہٖ وَحَبَاکَا

معنے بیت۔ آپ کی یہ شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنے قرب میں بلا کر بہت محبت و مہربانی کی اور جو کچھ آپ نے مانگا عطا کیا۔

میں کیا کروں مدح و ثنا شان مبارک کی بھلا
جب خود خدا فرما چکا یٰسین طٰہٰ والضحیٰ
قرب و حضوری کی عطا جو تو نے مانگا وہ دیا
گاہے کہا صد آفریں گاہے کہا صد مرحبا

بارگاہِ ایزدی سے مرحبا

روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ شب معراج میں عرش سے آگے لامکان پہنچے تو آواز آنی شروع ہوئی مَرحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَرَسُوْلِیْ یعنی چلا آ میرے حبیب میرے رسول تیرے لئے کشادگی اور فراخی ہے۔ پھر آپ پہنچنے کی جگہ پہنچے اور امت کیلئے سہولت اور گنہگاروں کی مغفرت مانگی، حکم ہوا کہ لَکَ مَا سَاَلتَ حَبِیْبِیْ میرے پیارے جو تو نے مانگا سو میں نے دیا اور صحیحین میں مالک بن صعصعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں نے پروردگار سے بار بار سہولت امت کیلئے سوال کیا اور ہر مرتبہ میرا سوال منظور ہوا۔ آخر مجھے آپ ہی شرم آئی اور بار بار سوال کرنے سے رک گیا۔ یہ خلاصہ ایک لمبی حدیث کا ہے۔

أَنْتَ الَّذِیْ فِیْنَا سَأَلْتَ شَفَاعَةً | لَبَّاکَ رَبُّکَ لَمْ تَکُنْ لِسِوَاکَا

معنے بیت۔ آپ وہ ہیں کہ آپ نے ہمارے واسطے شفیع ہونا خدا سے طلب کیا تو آپ کے رب نے پکار کر کہہ دیا کہ یہ مرتبہ سوائے آپ کے کسی اور کیلئے نہیں ہوگا۔

جب تو نے اے والا نسب فخر عجم فخر عرب
حق سے شفاعت کی طلب فرمان یہ نازل ہوا
ہاں ہاں اجازت ہے تجھے، آ آج عزت ہے تجھے
زیبا شفاعت ہے تجھے بے شک یہ حصہ ہے تیرا

طلب شفاعت اور اللہ کی عطاء

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ اِبْرَاهِیْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ - وَقَالَ عِیْسٰی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَکٰی فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا جِبْرَئِیْلُ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ فَاسْأَلْهُ مَا یُبْکِیْکَ فَاَتَاهُ جِبْرَئِیْلُ فَسَأَلَهٗ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰہُ لِجِبْرَئِیْلَ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُکَ

تحقیق پیغمبر خدا ﷺ نے کلام الٰہی میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مقولہ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے۔ پ ۱۳ ع ۱۸) اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ مقولہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ (اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ پ ۷ ع ۶) پڑھا تو ہاتھ اٹھا کہ کہا کہ اے اللہ! میری امت، میری امت اور بہت روئے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھ کو سب

کچھ معلوم تو ہے پر اظہار امر کیلئے جا میرے حبیب محمد (ﷺ) سے پوچھ کہ کیوں روتا ہے۔ پس آپ نے رونے کا سبب بتایا۔ اللہ رحیم کریم نے فرمایا جا میرے حبیب کو کہہ کہ غمگین مت ہو ہم تجھ کو راضی کریں گے کہ تیری امت بخش دیں گے اور تجھ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور ہم تجھ کو ہرگز نہیں بھلائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ! | مِنْ زَلَّةٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا

معنے بیت: آپ وہ ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے (جو آپ کے باپ ہیں) جب اپنے گناہ بخشانے میں آپ کے رتبہ برتر کا وسیلہ لیا تو ان کی خطا معاف ہوئی۔

آدم کا جب ہونے لگا تنگ خطا سے دم فنا
تیرے توسل نے کیا پھر مورد لطف خدا
تھا یہ بھی اے شاہِ عرب تیری نبوت کا سبب
ہونے لگا الطاف رب بخشی گئی بالکل خطا

توسل کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو وہ اس طرح معافی کے خواستگار ہوئے یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَنْ تَغْفِرَلِیْ اے میرے رب میں بحق محمد اور ان کی آل کے تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ حکم ہوا تو نے محمد ﷺ کو کہاں سے پہچانا حالانکہ وہ ابھی وجود میں نہیں آیا۔ عرض کیا کہ اے رب العالمین جب تو نے میرے قالب میں روح پھونکی اور میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہے میں نے جانا کہ خدا تعالیٰ نے جس کا نام مجھ سے پہلے ہی اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ ضرور مجھ سے اور تمام مخلوق سے عزیز ومحبوب اور مقرب ہے، حکم ہوا کہ جو تو کہتا ہے سچ ہے، تو اس کا وسیلہ لے کر میری بارگاہ میں معافی مانگتا

ہے اس لئے تجھے معاف کیا اور بخش دیا۔ اس حدیث کو طبرانی وبیہقی وابونعیم وابن عساکر وغیرہم نے اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ (ف) دعا میں کسی نبی یا ولی یا صالح کے وسیلہ سے کچھ مانگنا جائز ہے چنانچہ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا ضَرِیْرَ الْبَصَرِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰہَ اَنْ یُّعَافِیَنِیْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ صَبَرْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ فَقَالَ فَادْعُہٗ قَالَ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّتَوَضَّاَ فَیُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَیَدْعُوْ بِھٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ (رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجہ)

ترمذی میں عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے میری آنکھیں روشن ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر تو کہے تو دعا کروں اگر صبر کرے تو بھی تیرے لئے اچھا ہے۔ اس نے کہا کہ دعا ہی کیجئے کہ مجھے آرام ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ پہلے اچھی طرح وضو کر پھر یہ دعا پڑھو۔ اے میرے رب میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہے اور تحقیق میں متوجہ ہوتا ہوں تیرے وسیلہ سے اے محمد اپنے رب کی طرف کہ وہ میری اس حاجت کو پورا کردے۔ اے رب تو اس کا وسیلہ قبول کر۔

(ف) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْا (رواہ البخاری)

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے مینہ مانگتے اور یہ کہتے اے رب ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے مینہ مانگتے تو دیئے جاتے۔ اب ہم تیری جناب میں تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر مینہ مانگتے

ہیں۔ راوی (حضرت انس ﷺ) کہتا ہے کہ حضرت عمر ﷺ اس طرح کہتے تو فوراً بارش ہو کر قحط دور ہو جاتا۔ حدیثوں میں ذکر ہے کہ جب حضرت عمر ﷺ حضرت عباس ﷺ کا نام لیتے تو عباس ﷺ اپنی سفید ڈاڑھی کو پکڑ کر بہت الحاح وزاری سے کہا کرتے اے اللہ تو اپنے نبی کے حق سے اس کے چچا کی عزت رکھ۔۔ الخ۔ اور پ اع میں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا اور نبی محمد کے دنیا پر آنے سے پہلے اس کے منکر اس کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتے تھے، جب وہ آ گیا تو منکر ہو گئے۔

اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ مِنْ طَرِيْقِ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَقَدَّمُ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلٰى اٰدَمَ فَمَنْ بَعْدِهٖ وَلَمْ تَزَلِ الْاُمَمُ تَتَبَاشَرُوْ تَسْتَفْتِحُ بِهٖ حَتّٰى اَخْرَجَهُ اللّٰهُ فِيْ خَيْرِ اُمَّةٍ وَفِيْ خَيْرِ قَرْنٍ وَفِيْ خَيْرِ اَصْحَابٍ وَفِيْ خَيْرِ بَلَدٍ فَاَقَامَ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ وَهُوَ حَرَمُ اِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ اَخْرَجَهٗ اِلَى الطَّيْبَةِ وَهِيَ حَرَمُ مُحَمَّدٍ فَكَانَ مَبْعَثُهٗ حَرَمٌ وَمُهَاجَرُهٗ حَرَمٌ (الدر المنظم)

ابن عساکر بطریق کریب ابن عباس سے آیہ مذکورہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اول ہی حضرت کے وسیلہ سے دعا قبول کرتا ہے۔ آدم اور تمام پیغمبروں کی دعائیں آپ کی وسیلہ سے قبول ہوئیں اور سب امتیں آپس میں آپ کے خیر مقدم کی بشارتیں دیتی تھیں اور آپ ہی کے وسیلہ سے فتح مانگتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے اس کو پیدا کیا اچھی امت میں، اچھے زمانہ میں، اچھے صحابیوں میں، اچھے گاؤں میں جو حرم ابراہیم ﷺ ہے پھر طیبہ کی طرف کہ جو حرم محمد ﷺ ہے، اس کو نکالا سو آپ کا مبعث ومہاجر ہر دو حرم محترم ہیں اور حدیث میں ہے سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ اللہ سے اپنے لئے میرا وسیلہ ہونا مانگو۔

ا: ای يَسْتَنْصِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ جلالین ومعالم یعنی فتح طلب کرتے اور کہتے اے اللہ ہماری مدد کر اس نبی ﷺ کے طفیل جو آخری زمانے میں مبعوث ہوگا۔

وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ | بَرْدًا وَ قَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا

معنے بیت: اور آپ کے وسیلہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو آپ کے نور کی روشنی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تھا آگ بجھ کر سرد ہوگئی۔

تیرے وسیلہ سے شہا جس دم خلیل باصفا
کرنے لگے حق سے دعا با عجز و زاری و بکا
رحمت وہیں نازل ہوئی وہ آگ گلشن بن گئی
برکت تھی تیرے نور کی جو ان کی پیشانی میں تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ دَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّہٗ | فَاُزِیْلَ عَنْہُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاکَا

معنے بیت: اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری و تکلیف میں آپ کے وسیلہ سے دعا کی تو ان کی بیماری دفع کی گئی۔

ایوب سا مرسل ہوا جس دم مرض میں مبتلا
تیرے ذریعہ سے ہوا جو کچھ ہوا جیسا ہوا
دولت ملی، ثروت ملی صحت ملی، راحت ملی
اللہ کی رحمت ملی، قربت بڑھی، رتبہ بڑھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَبِکَ الْمَسِیْحُ اَتٰی بَشِیْرًا مُّخْبِرًا | بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَادِحًا بِعُلَاکَا

معنے بیت: اور آپؐ کے ظہور پُر نور کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے دی اور آپ کے حلیہ جمال اور علو شان کو بیان کیا۔

موسیٰ و عیسیٰ بے گماں کرتے رہے تیرا بیاں
سب دے گئے تیرے نشاں اے بادشاہ دو سرا

محکم رسالت ہے تری توریت آیت ہے تری
انجیل حجت ہے تیری عیسیٰ تیرا مدحت سرا

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (پ۲۸،ع۹)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ تصدیق کرتا ہوں توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اور خوشخبری دیتا ہوں تم کو ایک اولوالعزم سچے رسول کے آنے کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَکَذَاکَ مُوْسٰی لَمْ یَزَلْ مُتَوَسِّلاً | بِکَ فِی الْقِیَامَۃِ یَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

معنے بیت: اور ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جو ایک اولوالعزم پیغمبر تھے اپنے معاملات میں ہمیشہ آپ ہی کا وسیلہ پکڑتے رہے اور قیامت کو بھی آپ ہی کی حمایت لیں گے۔

موسیٰ نے مانگی ہے سدا تیرے وسیلہ سے دعا | ایسے ہی محشر میں آڈھونڈیں گے تیرا آسرا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا توسل اختیار کیا

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کو رسول خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی یہاں تک کہ آپ کے امتی ہونے کا شوق تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اپنی امت کو بہت تاکید کی ہے اکثر اپنے مجالس و محافل اور مجامع وعظ و نصائح میں آپ کا ذکر خیر کرتے۔ ابونعیم نے حلیہ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر مرے گا وہ دوزخی ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا محمد کون ہے۔ اللہ نے فرمایا وہ سب مخلوق سے بزرگ تر اور معزز تر ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پیشتر میں نے اس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ جب تک وہ اور اس کی امت بہشت میں نہ جائیں کوئی

اس میں نہ جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی وہ کون ہیں جو اس کی امت ہیں۔ حکم ہو اللہ کی تعریف کرنے والے چڑھتے اترتے حمد و ثنا کہنے والے، طاعت الٰہی میں ہر وقت کمر بستہ، خلاف حق پر غالب، دن کو روزہ رکھنے والے، رات کو ذکرِ الٰہی میں جاگنے والے، ان کا تھوڑا عمل بھی مقبول ہو گا ان کو توحید (لا الہ الا اللہ) کے سبب بہشت میں داخل کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب ان کو میری امت بنا! کہا نہیں، انہیں سے ایک نبی پیدا ہو گا، وہ امت اس کی ہے۔ عرض کیا کہ مجھے ہی اس نبی کی امت میں داخل کر۔ حکم ہوا کہ وہ تیرے بعد ایک عرصہ کے پیدا ہو گا البتہ دار الجلال میں تجھے اس سے ملاؤں گا اور کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) دیگر انبیاء قیامت میں قہر و جلال الٰہی کے وقت نجات کیلئے آپ سے متوسل ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَالْاَنْبِيَاءُ وَ كُلُّ خَلْقٍ فِي الْوَرٰى | وَالرُّسُلُ وَ الْاَمْلَاكُ تَحْتَ لِوَاكَا

معنے بیت: تمام انبیاء اور دنیا کی تمام مخلوق اور سب رسول اور فرشتے آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جس وقت محشر ہو بپا اعمال کو جانچے خدا
ممتاز ہو اچھا برا ہو نفسی نفسی کی صدا
تو از رہ لطف و عطا بہر شفاعت ہو کھڑا
سب تکتے ہوں گے منہ تیرا کیا انبیاء کیا اولیاء

لوائے حمد حضور کے ہاتھ میں ہو گا

ترمذی میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ وَ مَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہو گا اس روز آدم اور ان کے سوا سب انبیاء میرے علم کے نیچے ہوں گے۔ ترمذی اور دارمی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

وَ اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَحْتَهٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ میں ہی قیامت کو لوائے حمد اٹھاؤں گا آدم سے لے کر تمام خلقت اس کے نیچے ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لَکَ مُعْجِزَاتٌ اَعْجَزَتْ کُلَّ الْوَرٰی[1] | وَ فَضَائِلُ جَلَّتْ فَلَیْسَ تُحَاکٰی

معنے بیت: آپ کے معجزے ایسے ہیں کہ سب مخلوق کو مقابلہ سے عاجز کر دیا اور آپ کیلئے بڑی فضیلتیں ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔

اے شاہ شاہانِ جہاں محبوبِ ربِ انس و جاں
تیرے فضائل کا بیاں کیونکر کرے کوئی بھلا
ہے خاک پا میں تیرے ہاں اعجاز عیسیٰ بے گماں
ہیں معجزے تیرے عیاں اے سر گروہ انبیاء

---

[1] معجزہ کی اعلیٰ قسم کشف وقائع آئندہ وحوادث نازلہ بعد من بعد ہے سو بہ نسبت کتب انبیاء سابقین قرآن مجید میں بکثرت ہیں بلکہ کوئی ایسی شے جو قیامت تک پیدا ہوگی باقی نہ رہ گئی جس کا ذکر قرآن شریف میں نہ ہو وَلَا رَطْبٍ وَلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ (پ ۷، ع ۱۳) اور نہ کوئی تر چیز نہ کوئی خشک مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے لیکن ہمارا علم اس کی فہم سے قاصر ہے کیونکہ ہماری معلومات محدود ہے اور علم باری تعالیٰ غیر محدود

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ | تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

تمام علم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان اٹھ کر خطبہ پڑھا اور قیامت تک جو کچھ ہونا تھا سب کا بیان کیا جس کو کچھ یاد رہا، رہا جو بھول گیا بھول گیا اور جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو جھٹ یاد آ جاتا ہے کہ فلاں وقت آپ نے اس کی اسی طرح خبر دی تھی۔ حضرت حذیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور راز دار صحابی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اگر چاہوں تو آپ کے بیان کردہ واقعات سے جس قدر مجھے یاد ہیں ایک ایک کا نام لے کر سنا دوں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں بروایت ابو ہریرہ مروی ہے حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ – الخ

معجزات کا بیان

مخفی نہ رہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ کو اللہ جل شانہ نے بیشمار معجزے عنایت فرمائے اور جو معجزے ہر پیغمبر کو ملے تھے وہ سب آپ کو ملے تھے۔ علمائے محدثین اور اہل سیر و تواریخ نے حسب حیثیت علمی اپنی اپنی تصانیف میں بیان کئے ہیں۔ امام حافظ جلال الدین سیوطی ؒ نے کتاب خصائص الکبریٰ جو ایک ہزار معجزے کو حاوی ہے تصنیف کی۔ اسی طرح اوروں نے بھی قلم بند کئے چنانچہ تین ہزار معجزے مشہور کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور آئمہ صادقین سے مروی ہے کہ تین لاکھ معجزے آپ سے صادر ہوئے اور اصل میں آپ کا کوئی قول و فعل نہ تھا کہ اس میں اعجاز نہ ہو۔ اسی طرح آپ کے بے شمار معجزے ہیں اور آپ کے معجزے بھی ایسے ہیں کہ کسی کو تمام عالم میں یارائے مقابلہ نہیں ہے۔ بڑا معجزہ احیاء موتیٰ (مردے کو زندہ کرنا) ہوا کرتا ہے سو یہ تو آپ کے امتیوں اور آنجناب کے کفش برداروں سے بحد تواتر صادر ہوا ہے۔ ہزاروں اولیاء اللہ سے وقت بوقت مروی ہیں۔ ہر ایک کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ حضرت اقدس جناب محبوب سبحانی شیخ سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی ؒ سے بارہا احیاء موتیٰ صادر ہوا ہے اور دیگر ایسے امور ظہور میں آئے ہیں کہ انبیاء سابقین سے مثل ان کے ظاہر نہیں ہوئے۔ یہ سب کچھ پرتو انوار محمدی ہے (صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَوْلِیَائِہٖ) کیونکہ اصول میں مقرر ہو چکا ہے کہ کرامت ولی حقیقت میں معجزۂ نبی ہے۔ آنجناب کا بڑا معجزہ قرآن مجید ہے کہ تمام عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہے۔ فصحائے عرب کہ فصاحت و بلاغت میں بے عدیل تھے اور قصیدۂ طویلہ و نثر مسجع طویل فی البدیہہ بے تکلف آناً فاناً میں کہہ دیا کرتے تھے اس کے مقابلہ سے عاجز آئے اور آج تک ہزاروں کروڑوں ایسے ایسے فصیح و بلیغ دنیا میں گزرے ہیں کہ جز کے جز نظم و نثر پر از بدائع لفظی و معنوی کھڑے کھڑے مجلسوں میں کہہ جانا ان کو کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ قرآنِ کریم کا مقابلہ کرے باوجودیکہ قرآن کریم میں تحدی (مقابلہ کیلئے پکارنا) ہو چکی ہے اور منکرین کو قیامت تک پکارتا ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص بندہ پر) اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو -- پ ا ع ۳)

دشمنان دین اسلام خذلهم الله آج تخریب اسلام کی فکر میں ہیں۔ باوجود ادعاء کے قادر نہیں ہو سکے کہ کروڑوں پیشوایانِ ادیانِ باطلہ مدعی علوم جلیلہ ہر چند کہ زور لگا رہے ہیں لیکن نا کام رہے ہیں اور رہیں گے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (اور اللہ پورا کرنے والا ہے نور اپنے کو اگرچہ برا مانے کافر -- پ ۲۸ ع ۹) اور آپ ہی کا یہ ایک معجزہ ہے جو حاوی ہزار ہا معجزات ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ کلام اللہ میں باعتبار بلاغت کے سات ہزار سے کچھ زیادہ معجزے ہیں اور اس پر ایک قوی دلیل قائم کی ہے کہ محققین علمائے کرام نے لکھا ہے کہ کلام اللہ میں جس قدر کلام برابر سورہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ کے ہے معجزہ ہے اور سورہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ -- الخ کے دس کلمے ہیں اور سارے کلام اللہ میں کچھ اوپر ستر ہزار کلمے ہیں۔ پس کلام اللہ میں سات ہزار سات سو معجزے ہیں۔

معجزہ شق القمر

اور آپ ہی کا ایک معجزہ ہے شق القمر کہ فلسفی اور حکما اور علم الاشیاء کے جاننے والوں کی عقل حیران ہے۔ یہ معجزہ علمائے حدیث وسیر وتواریخ نے اپنی اپنی کتابوں میں بالاسناد روایت کیا ہے۔ منکرین کے شبہات کے جواب مولانا رفیع الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں جو اسی معجزہ کے بارہ میں ہے بوضاحت تمام دیے ہیں اور مدارج اور معارج وشواہد وغیرہ میں بھی کچھ درج ہیں اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ملیبار کا راجہ کہ جسے راجہ بھوج کہتے ہیں اس کے عہد میں یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا وہ سن کر مسلمان ہوا۔ اس کی قبر اب تک بیرون دروازہ شہر زیارت گاہ خلائق ہے۔

وَفَضَائِلُ جَلَّتْ -- الخ ثقات سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے بعد وفات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حضرت فاطمہ زہرہ سلامہ اللہ علیہا سے حال خلق پیغمبر خدا ﷺ کا پوچھا۔ فرمایا کہ تو بیان کر کہ دنیا کس قدر ہے اور دنیا میں کیا کیا شئے ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں کیونکر بیان کروں۔ فرمایا کہ جب تو دنیا کا حال نہیں بیان کر سکتا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ یعنی دنیا تھوڑی پونجی ہے۔ پس میں حضرت ﷺ کا خلق کس طرح سے بیان کر سکتی ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی تیرا خلق بہت بڑا ہے اور بیضاوی میں ثقات سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے نبی کریم ﷺ کے خلق کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا تو نے قرآن نہیں پڑھا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الآیۃ یعنی قرآن میں جو اخلاق مذکور ہیں سب آپ کی ذات میں موجود ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا آپ کا خلق قرآن ہے یعنی آپ کے مدائح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں، دوسرے کی کیا مجال کہ آپ کی صفت کر سکے۔

غرض آپ کے فضائل بے شمار ہیں، آپ کی سی ایک بات بھی کہیں کسی اور میں پائی نہیں جاتی۔ چنانچہ مصنف ؒ نے خود چند معجزے بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حیوانات و جمادات نے کسی اور کی تصدیق کے واسطے شہادتیں نہیں دیں اور نہ کبھی ایسے فعل جن کا ہر ایک جز بجائے خود ایک کامل معجزہ ہے کسی دوسرے سے صادر ہوئے۔ منجملہ یہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نَطَقَ الذِّرَاعُ بِسَمِّہٖ لَکَ مُعْلِنًا! | وَ الضَّبُّ قَدْ لَبَّاکَ حِیْنَ اَتَاکَ

معنے بیت: پارچہ (گوشت کا ٹکڑا) زہر آمیز نے آپ کو اپنے زہر آلودہ ہونے سے خبر دی اور گو جب آپ کے پاس لائی گئی تو اس نے آپ کی اجابت کی۔

جب تیری خدمت میں شہا ایک دست بز لایا گیا
تھا چونکہ زہر اس میں ملا وہ دست خود چلا اٹھا
اور سوسمار مردہ جب لائی گئی تیرے حضور
لبیک بولی برملا، تصدیق کی، کلمہ پڑھا

زہر آلود گوشت بول اٹھا

قسطلانی شرح بخاری میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے جنگ خیبر میں ایک یہودیہ زینب بنت حارث زوجہ سلام بن مشکم نے پارچہ بکری زہر آلود کر کے آپ کے کھانے کو بھیجا۔ حضور اقدس صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ نے فقط ایک لقمہ منہ میں اٹھا کر رکھا ہی تھا کہ باہر پھینک دیا اور فرمایا کہ اس پارچہ نے مجھے خبر دی ہے کہ مجھ میں زہر ملا ہے ایک صحابی کچھ کھا چکا تھا وہ زہر کی وجہ سے شہید ہو گیا۔ آپ نے اس یہودیہ کو بلا کر پوچھا۔ اس نے کہا میں نے زہر اس لئے دیا تھا کہ اگر آپ پیغمبر ہوں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا اور اگر پیغمبر نہ ہوں گے تو ہم نجات پائیں گے۔ آخر آپ نے اسے چھوڑ دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسے اس مسموم شہید کے قصاص میں قتل کیا۔

سوسمار نے کلام کیا اور گواہی دی

وَالضَّبُ -الخ: نسیم الریاض میں ہے کہ طبرانی اور بیہقی نے عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک بار اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک اعرابی سوسمار شکار کئے ہوئے لے آیا اور آپ کے روبرو ڈال دیا اور کہا لات وعزیٰ کی قسم! اگر یہ سوسمار تم پر ایمان لائے اور تمہاری تصدیق کرے تو میں بھی تم پر ایمان لاؤں گا۔ آپ نے اس سوسمار کو پکارا کہ اے سوسمار! اس نے زبان فصیح سے کہ سب لوگوں نے سنا، جواب دیا کہ میں حاضر ہوں اور تابعدار ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تو کس کی عبادت کرتا ہے۔ اس نے کہا اس خدا کی کہ جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کا حکم ہے اور دریاؤں میں اس کی بنائی ہوئی راہیں ہیں اور بہشت میں اس کی رحمت ہے اور دوزخ میں اس کا عذاب ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ پروردگار عالم کے رسول اور خاتم النبیین ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اس نے فلاح پائی اور جو آپ کی تکذیب کرے محروم ہے۔ یہ سن کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو نماز اور قرآت سکھائی اور سورہ اخلاص یاد کرائی۔ اس نے جا کر یہ حال اپنی قوم سے بیان کیا وہ سب آنحضرت ﷺ کے حضور میں

حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَالذِّئْبُ جَائَکَ وَ الْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ[۱] | بِکَ تَسْتَجِیْرُ وَ تَحْتَمِیْ بِحِمَاکَا

معنے بیت: اور بھڑیئے نے آپ کی تصدیق کی اور ہرنی نے آپ کے پاس آکر اپنے حال کی شکایت کی بے چاری آپ کی پناہ مانگتی تھی اور خلاصی چاہتی تھی۔

آگے یہودی کے تری جب گرگ نے تصدیق کی
پڑھ کلمۂ طیب جبھی وہ بھی مسلماں ہوگیا
اور آ کے ہرنی نے کیا صیاد کا جس دم گلا
کی تو نے شفقت سے رہا بر لایا اس کا مدعا

بھیڑیئے کا کلام کرنا

شرح السنہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک بھیڑیا کسی چرواہے کی بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا، چرواہے نے جھپٹ کر بکری اس سے چھڑالی۔ وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر جا بیٹھا اور اس نے چرواہے سے کہا کہ خداتعالیٰ نے مجھے جو رزق دیا تھا وہ تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ چرواہے نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ درمیان دو پتھریلی زمیں کے ان چھوہاروں کے درختوں میں ایک شخص تمہیں اگلی پچھلی باتوں کی خبر دیتا ہے اور تم سچ نہیں مانتے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ چرواہا یہودی تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور مسلمان ہو گیا اور

شواھد النبوۃ میں ہے کہ اہبان اوس خزاعی اپنی بکریوں میں تھا، ایک بھیڑیا آیا، بکری کو لے گیا۔ اہبان نے چھڑالی اور بھیڑیا بولا کہ میرا نصیب تو نے چھین لیا۔ اہبان نے کہا تعجب ہے، بھیڑیا انسانوں

---

[۱]: وَالذِّئْبُ صَدَّقَ وَالظَّبْیَةُ قَدْ شَکَتْ

کی طرح باتیں کرتا ہے، بھیڑیئے نے کہا کہ زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ رسول آخر الزماں محمد بن عبد اللہ ﷺ نخلستان مدینہ میں مبعوث ہو کر تم سب کو دینِ الٰہی کی طرف بلاتے ہیں اور تم غافل ہو۔ اہبان نے کہا کہ اگر میں اس نبی محمد ﷺ کے پاس جاؤں تو میری بکریوں کی یہاں حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیئے نے کہا میں کروں گا اور مجھے قسم ہے اس کی جس نے اس نبی محمد ﷺ برحق کو تمام عالم کی طرف ہدایت دینے کو بھیجا ہے اور میں اس پر ایمان لایا ہوں کہ سوائے اپنی خوراک کے جو تو خود مقرر کر جائے گا زیادہ نہ کھاؤں گا۔ اہبان حضور پر نور میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا اہبان بھیڑیئے نے جو عہد کیا اسے پورا کیا۔ بعد ازیں اس نے تمام ماجرا عرض کیا اور مسلمان ہو گیا۔

وَالظَّبْيَةُ قَدْ شَكَتْ نسیم الریاض شرح شفا عیاض میں طبرانی اور بیہقی سے بروایت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ ایک جنگل میں تھے ایک ہرنی نے آپ کو پکارا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ آپ نے پھر کے دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے اور ایک اعرابی سوتا ہے۔ آپ نے اس ہرنی سے پوچھا کہ کیا کہتی ہے اس نے عرض کیا کہ مجھے اس اعرابی نے شکار کیا ہے اور پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ مجھ چھوڑ دیں تو میں ان کو دودھ پلا آؤں، آپ نے فرمایا کہ پھر آئے گی؟ اس نے کہا بے شک پھر آؤں گی، آپ نے اس کھول دیا وہ گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر پھر آ گئی، آپ نے اسے باندھ دیا اور اس اعرابی نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا کہ کچھ آپ نے ارشاد کرنا ہے جو آپ تشریف فرما ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس ہرنی کو چھوڑ دے، اس نے چھوڑ دیا، ہرنی وہاں سے یہ کہتے ہوئی چل گئی

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَشَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَاٰكَا | وَ كَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَسَلَّمَتْ

معنے بیت: اسی طرح وحشی جانوروں نے آپ کو سلام کیا اور اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو اپنے حال کی شکایت کی۔

کی وحشیوں نے بھی تیری تصدیق اے حق کے نبی
تیرے سلامی تھے سبھی اے بادشاہ دو سرا
کی اونٹ نے تجھ سے بیان دکھ درد کی سب داستاں
دیکھا جو تجھ کو مہربان شکوہ مصیبت کا کیا

بکریوں اور اونٹ نے سجدہ کیا

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بزار نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع شیخین رضی اللہ عنہما اور ایک شخص انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ بکریاں تھیں سب نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے ہم کو اس سے زیادہ آپ کی تعظیم کرنی چاہئے۔ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں، فرمایا نہیں اگر سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورتیں اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ اور ابوداؤد میں عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا کہ جو کوئی وہاں جاتا اسے کاٹنے کیلئے جھپٹتا۔ آپ نے اسے بلایا وہ آیا اور آپ کو سجدہ کیا اور سامنے بیٹھ گیا اور آپ نے اس کے ناک میں مہار ڈال دی اور فرمایا کہ جنی اور انسی کفار کے سوا جتنی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب جانتی ہیں کہ میں رسول اللہ ہوں۔

وَشَكَا الْبَعِيْرُ --- الخ شرح السنہ میں یعلی بن مرہ ثقفی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلے جاتے تھے کہ ایک اونٹ نے آپ کے سامنے سر رکھ دیا اور گلے میں کچھ آواز کی۔ آپ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ یہ اونٹ شکایت کرتا ہے کہ مجھ سے محنت زیادہ لی جاتی ہے اور دانہ چارہ کم ملتا ہے۔ یہ ایک بڑی طویل عبارت کا خلاصہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

معنے بیت: اور آپ نے درختوں سے اپنی صداقت پر استشہاد کیا تو انہوں نے گواہی دی اور جب آپ نے کسی درخت کو اپنی طرف بلایا تو بلا تامل بقبولیت تمام دوڑتا آیا۔

بھولے ترے احسان کو لازم نہیں انسان کو
ٹالے تیرے فرمان کو یہ تاب کس کی ہے بھلا
تو نے درختوں کو شہا جب حکم آنے کا دیا
لائے تیرا فرماں بجا سب آئے اور کلمہ پڑھا

درخت نے آپ کی رسالت کی گواہی دی

وَ دَعْوَتُ اَشْجَارٍ دارمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تو گواہی دیتا ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر ایک اللہ اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ کی رسالت من اللہ کا کون گواہ ہے؟ فرمایا کہ سلم کا درخت جو کنارہ میدان میں نظر آتا ہے اور اسے بلایا اور وہ زمین چیرتا ہوا آپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی لی، اس نے ہر سہ بار گواہی دی کہ آپ سچے ہیں اور پھر باجازت بدستور سابق اپنی جگہ واپس گیا۔ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جن آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ اور کون گواہی دیتا ہے کہ آپ رسول خدا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ درخت اور بعد اس کے درخت کو بلایا وہ اپنی جڑوں کو گھسیٹا ہوا چلا آیا اور آپ کی رسالت کی گواہی دی اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا میں کیسے جانوں کہ آپ پیغمبر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس درخت خرما کے خوشہ کو بلاؤں تو وہ گواہی دے گا کہ میں رسولِ خدا ہوں پھر آپ نے اس کو بلایا اور وہ درخت پر سے جھکتا ہوا آیا اور آپ کے پاس گرا اور اس نے آپ کے پیغمبری کی گواہی دی اور پھر آپ نے اس سے فرمایا پھر جا۔ وہ پھر گیا اور وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

درختوں نے آپ کی اطاعت کی

مُطِيْعَةً: صحیح مسلم میں حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ ہم ایک منزل میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک میدان وسیع میں جا اترے۔ آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کو تشریف لے گئے، وہاں کوئی آڑ نہ تھی۔ جنگل کے کنارے پر دو درخت تھے۔ آپ ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی شاخ کو پکڑ کر فرمایا کہ بحکم خدا میری اطاعت کر، وہ ساتھ ہو لیا جیسے اونٹ مہار پکڑنے والے کے ساتھ چلا آتا ہے۔ وسط میں اس کو کھڑا کیا پھر اسی طرح دوسرے کو بھی لے آئے اور فرمایا کہ بحکم خدا مل جاؤ سو وہ دونوں درخت مل گئے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو وہ دونوں درخت علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ پر جا کر قائم ہو گئے۔

ہاتھ پاؤں چومنے کا ثبوت

وَسِعَتْ اِلَيْکَ نسیم الریاض میں ہے کہ بزار نے بریدہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کسی درخت کو جسے تیرا جی چاہے کہہ دے کہ تجھے رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں اس نے ایک درخت کو کہا وہ فوراً زمین کو پھاڑتا اور اپنی جڑیں گھسیٹتا آپ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَارَسُوْلَ اللهِ۔ اعرابی نے عرض کیا کہ اسے اپنی جگہ پر پھیر دیجئے۔ آپ نے حکم دیا وہ بدستور اپنی جگہ پر جا کر قائم ہوا۔ وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور عرض کیا اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں آپ نے فرمایا کہ سجدہ غیر اللہ کو حرام ہے اگر جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ اس نے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ہاتھ پاؤں کو چوموں، آپ نے اجازت دی، اس نے ہاتھ اور پاؤں آپ کے چومے۔[۱]

---

[۱] فقہاء نے لکھا ہے کہ کوئی عالم یا صالح کی قدم بوسی کرنا چاہے تو عالم یا صالح کو چاہئے کہ اپنے پاؤں پھیلا دے۔ چنانچہ معدن الجواہر مصنفہ حضرت مولانا محمد قطب خان صاحب دہلوی ﷫ میں مرقوم ہے اور اس مسئلہ کی اصل ایک یہ جو ابوداؤد نے بَابُ مَاجَاءَ فِيْ قُبْلَةِ بَعْضِ الْجَسَدِ میں زارع سے روایت کیا (حاشیہ اگلے صفحہ پر جاری ہے)

مُعجِبَہ: محدث بیہقی اور ابویعلیٰ نے حضرت اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک سفر جہاد میں فرمایا کہ کہیں قضائے حاجت کی جگہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میدان میں آدمیوں کی کثرت سے کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں؟ میں نے عرض کے کہ کچھ درخت متفرق نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جا ان درختوں سے کہہ رسول اللہ ﷺ کا تمہیں حکم ہے کہ اکٹھے ہو جاؤ اور پتھروں سے بھی اسی طرح کہہ۔ میں نے جا کر کہہ دیا۔ قسم اللہ کی میں دیکھا کہ وہ درخت قریب ہو کر اکٹھے ہو گئے اور مل کر مثل دیوار کی بن گئے۔ آپ ان کی آڑ میں قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور پھر مجھ سے فرمایا کہ اب ان سے کہہ دو علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ میں نے کہہ دیا وہ اپنی اپنی جگہ پر جا کر قائم ہوئے اور ایسے ہی امام احمد و بیہقی و طبرانی نے یعلی بن سیابہ سے روایت کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَالْمَاءُ فَاضَ بِرَاحَتَیکَ وَسَبَّحَتْ | صُمُّ الْحِصٰی بِالْفَضْلِ فِیْ یُمْنَاکَا

معنے بیت: اور پانی آپ کی انگلیوں سے بہہ نکلا اور کنکریوں نے آپ کے داہنے ہاتھ میں تسبیح پکاری۔

جنگ حدیبیہ میں تھی لشکر کو بے حد تشنگی!
انگشت اطہر سے تری چشمے چلے دریا بہا

(بقیہ حاشیہ) ہے کہ اَنَّہٗ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَ رِجْلَیْہِ جب ہم مدینہ شریفہ کو آتے تھے تو اپنی اپنی سواریوں سے جلد جلد اتر کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے۔ دوسرے یہ جو ترمذی نے صفوان بن عسال سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے کسی دوست سے کہا چل اس نبی سے کچھ پوچھیں، اس نے کہا کہ نبی نہ کہہ اگر وہ سن لے گیا تو بڑا خوش ہوگا۔ بس آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو احکام کا سوال کیا گیا کہ کیا کیا تھے۔ آپ ﷺ نے جواب میں جو کچھ فرمایا انہوں نے اس کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ ہم آپ ﷺ کے سچا نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ تیسرے یہ جو متن میں مذکور ہے۔

اللہ رے تیرا معجزہ جب ہاتھ میں تو نے لیا
کی سنگریزوں نے ادا تسبیح رب کلمہ پڑھا

آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے

صحیحین میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں لوگ پیاسے ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک لوٹا تھا اس سے آپ وضو کیا کرتے۔ سب لوگوں نے آپ کے پاس آ کر عرض کیا کہ ہمارے لشکر میں پانی نہیں رہا۔ یہی ہے جو آپ کے اس لوٹے میں ہے۔ ہم وضو اور پینے کے واسطے کیا کریں؟ پس آپ نے اپنے دست مبارک کو لوٹے میں رکھا اور پانی نے آپ کی انگلیوں سے مانند چشموں کی جوش مارا ہم سب نے پانی پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر سے پوچھا گیا کہ تم کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر لاکھ آدمی بھی ہوتے تو بھی کفایت کر جاتا۔ مگر ہم پندرہ سو آدمی تھے اور بھی صحیحین میں روایت ہے کہ آپ زورا (مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک برتن پانی کا آپ کے سامنے لائے۔ آپ نے دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں سے پانی چشموں کی مانند بہہ نکلا اور سب لوگوں نے وضو کیا۔ تین سو آدمی یا قریب اس کے تھے اور نیز صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے پانی کم رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ بچا ہوا پانی لے آؤ۔ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ نے دست مبارک اس میں رکھا اور کہا لو پاک کرنے والے مبارک اور اللہ کی برکت کو۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بالتحقیق میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں سے جوش مارتا تھا۔

کنکریوں کی تسبیح

سَبَّحَتْ صُمُّ الْحصیٰ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے حضور میں تھا کہ تینوں خلفاء ابوبکر، عمر، عثمانؓ بھی یکے بعد دیگرے آئے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سات کنکریاں تھیں۔ وہ آپ نے اٹھا کر کف مبارک پر رکھیں تو وہ کنکریاں

خدا کی تسبیح کرتی تھیں۔ آواز ان کی شہد کی مکھی کے مانند تھی۔ پھر ہر سہ خلفاء نے بھی ہاتھ پر رکھا تو ایسا ہی سنا گیا۔ حافظ ابوالقاسم نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَعَلَیْکَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَۃُ فِی الْوَرٰی | وَالْجِذْعُ حَنَّ اِلٰی کَرِیْمِ لِقَاکَا

معنے بیت: اور بادلوں نے آپ پر سایہ کیا اور ستون آپ کے ہجر میں رویا۔

جب دھوپ میں سوئے حرا تشریف فرما تو ہوا
بدلی نے آ سایہ کیا تھا اس کو یہ حکم خدا
جب تو نے اے نور ہدا منبر پہ خطبے کو پڑھا
تو وہ ستوں رونے لگا جو تکیہ گہ پہلے سے تھا

بادلوں کا سایہ

وَعَلَیْکَ ظَلَّلَتْ: شواھد النبوۃ[1] میں بی بی حلیمہ مرضعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ تین سال کی عمر کے ہوئے تو اپنے بھائیوں کے ساتھ باہر چراگاہ میں عصا پکڑ کر جاتے اور رات کو خوش وخرم پھر آتے۔ ایک دن ہوا گرم اور دھوپ سخت تھی مجھے تشویش ہوئی کہ ایسا نہ ہو آج آپ کو تکلیف پہنچے۔ شیما جو آپ کی رضائی بہن تھی بولی کہ اے ماں غم نہ کر میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرداگرد دو حوض سرد آبہ ہیں اور اوپر ایک بادل ہے جدھر وہ جاتا ہے ادھر آپ بھی جاتے ہیں۔

ستون رونے لگا

وَالْجِذْعُ: صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت مسجد کے ستون سے کہ چھوہارے کے درخت کا تھا تکیہ لگا لیتے تھے۔ جب منبر بنا خطبہ پڑھا تو وہ ستون چلا کر رونے لگا قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ستون کو اپنے بدن

[1] اور یہی حدیث بیہقی اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ما ثبت بالسنۃ الشیخ الدہلوی رحمہ اللہ

مبارک سے لگالیا۔ دیر تک وہ ستون ہچکیاں لیتا رہا جس طرح لڑکے رونے کے بعد ہچکیاں لیتے ہیں جب تھم گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہمیشہ ذکر سنا کرتا تھا اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ كَذَاكَ لَا اَثَرٌ لِمَشْيِكَ فِي الثَّرٰى | وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ بِهٖ قَدَمَاكَا

معنے بیت: آپ کے پاؤں کا نشان زمین پر نہ لگا اور پتھر میں آپ کے دونوں پاؤں کا نشان پڑ گیا۔

اے سید جن و بشر! چلتا تھا جب تو خاک پر
ہوتا نہ تھا مطلق اثر تیرے قدم کا ایک جا
پتھر پہ گر چلتا کبھی تو اے میرے حق کے نبی
نقش قدم ہوتا جبھی دل موم ہوتا سنگ کا

زمین پر آپ کے قدم کے نشان نہ پڑتے اور پتھر پر پڑتے

كَذَاكَ لَا اَثَرٌ --- ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نکلے پیادہ پا تھے، بہت تلاش کیا کہیں نشان قدم مبارک نہ ملا۔

وَالصَّخْرُ قَدْ غَاصَتْ --- الخ اصحاب سیر رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ اکثر اوقات پاپیادہ چلتے تھے تو پتھر آپ کے پاؤں کے نیچے نرم ہو جاتے تھے اور آپ کے قدم مبارک کے نشان اس میں ہو جاتے تھے۔ علامہ حافظ قسطلانی نے بھی مواہب لدنیہ میں ثقات سے روایت کیا اور بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کیا اور المرجی بالقبول میں لکھا ہے کہ اصحاب سیر نے اپنی اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ كَثِيْرًا مَّا كَانَ اِذَا مَشٰى عَلَى الْحَجَرِ يَصِيْرُ رَطْبًا لَهٗ حَتّٰى غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيْهِ اکثر وقت ابتدا حالت میں آپ ننگے پاؤں پتھروں پر چلتے تو پتھر آپ کے قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور نشان قدم مبارک کے ہو جاتے تھے۔

وَ شَفَیْتَ ذَا الْعَاھَاتِ مِنْ اَمْرَاضِہٖ | وَمَلَأْتَ کُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاکَا

معنے بیت: آپ کی دعا سے بہت سے مصیبت زدہ اور بیماروں کو شفا ہوئی اور تمام زمین آپ کے فیض و نوراسلام سے منور ہوئی۔

مدت کے جو بیمار تھے تیرے طفیل اچھے ہوئے
مملو ہے تیرے فیض سے کون و مکاں ارض و سما

رحمت للعالمین

آنحضرت ﷺ کے پاس جو آیا خالی نہیں گیا۔ بے شمار مصیبت زدگان سے آلام و مصائب سے نجات پائی۔ کتب حدیث اور سیر اس کی گواہ ہیں اب بھی جو صدق ارادت سے بارگاہ عالی میں حاضر ہوا ان شاء اللہ تعالیٰ محروم نہیں رہے گا بلکہ ہر ایک جگہ آپ کے توسل سے مراد پائے گا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ اے محمد! ہم نے آپ کو اہل عالم کیلئے رحمت کر کے بھیجا۔ واضح ہو کہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ بہشت، دوزخ، آسمان، زمین، عرش، کرسی، لوح، قلم، جن، انسان، فرشتے، درندے، چرندے، پرندے، آگ، پانی، ہوا وغیرہ درخت، پتھر، سورج، چاند، ستارے، سیارے، سب عالم ہیں۔ اسی طرح عالم، دنیا، عالم عقبیٰ بھی عالم ہیں اور حضرت ﷺ ہر ایک شئے کے واسطے ہر ایک وقت میں رحمت ہیں۔ عالم دنیا میں اہل عالم کیلئے تو یوں رحمت ہیں کہ آپ کے وجود فیض آمود کے دنیا میں ہونے سے اہل دنیا کی بدعملیوں کی سزا موقوف بروقت دیگر ہے پچھلے وقت کی مانند سور بندر وغیرہ نہیں کئے جاتے[1]۔ اگرچہ کیسے ہی سزاوار ہوں لیکن مسخ سے محفوظ ہیں تاکہ حیات دنیا سے متمتع ہولیں اور عالم عقبیٰ میں اس طرح رحمت ہیں کہ جب تمام بنی آدم کا کوئی حامی اور شفیع

[1] وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ الخ اللہ ان کو عذاب نہیں دیتا کیونکہ تو ان میں ہے۔ پس آیۂ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ آپ کے وجود باجود کے طفیل جہاں سے عذاب مرتفع ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو بظاہر موت ہوئی اور آپ کا جسد مبارک دنیا میں مدفون ہوا تاکہ قیامت تک باعث امن خلائق ہو ورنہ آپ کو موت نہیں، مرفوع الی السماء ہونا تھا کیونکہ آپ جامع فضائل انبیاء تھے وَمِنْھُمْ اِدْرِیْسُ وَ عِیْسٰی عَلَیْھِمَا السَّلَامُ۔

نہ ہوگا تو آپ بڑی اولوالعزمی سے یہ بیڑا اٹھائیں گے۔ اگر عالم عقبیٰ میں شفاعت رحمت نہیں تو وہاں اور کیا کام رحمت کا ہوگا اور آیہ مذکورہ میں رحمت کے کیا معنی۔

آپ ہم کو بہت چاہتے ہیں اور ہم پر بڑے مہربان ہیں اور آپ کا فیض تمام روئے زمین پر منتشر ہوا۔ انبیاء سابقین باوجود بڑی بڑی عمروں کے ایسے نہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کمتر عمر کے چھٹے حصے میں کثیر التابعین ہو گئے۔ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے خود اس قصیدہ میں چند مصیبت زدگان وآفت رسیدگان کا ذکر کیا ہے جن کی مشکلات جناب رسالت مآب سے حل ہوئیں۔

صَلوٰاتُ اللہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ رَدَدْتَ عَیْنَ قَتَادَۃِ بَعْدَ الْعَمٰی | وَ ابْنَ الْحُصَیْنِ شَفَیْتَہٗ بِشِفَاکَا

معنے بیت: آپ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو درست کر دیا اور ابن الحصین کو بھی آپ سے تندرستی حاصل ہوئی۔

جس وقت تیر آ کر لگا چشم قتادہ میں شہا
حدقہ میں تو نے رکھ دیا ڈھیلے کو، اچھا ہو گیا
ابن حصین اے شاہ دیں مدت سے تھا زار و حزیں
صدقہ میں تیرے بعد ازیں امراض سے پائی شفا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ درست ہوگئی

بیہقی اور ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جنگ احد میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا۔ آنکھ ان کی رخسارہ سے لٹک آئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس آنکھ کو پھر حدقہ میں اپنے دست مبارک سے رکھ دیا۔ وہ اچھی ہوگئی بلکہ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔

وَ کَذَا خُبَیْبًا وَ ابْنَ عَفْرَا بَعْدَمَا | جُرِحَا شَفَیْتَهُمَا بِلَمْسِ یَدَاکَا

معنے بیت: اور خبیب اور ابن عفرا جب دونوں زخمی ہوئے تو آپ کے دست مبارک پھیرنے سے شفا ہوگئی۔

زخمی ہوئے جس دم خبیب اور ابن عفرا بدر میں
دست کرامت نے تیری ہر ایک کو بخشی شفا

کٹے ہوئے پہلو کو جوڑ دیا گیا

بیہقی اور ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ خبیب بن یساف کو بدر کے دن پشت پر تلوار لگی اور ایک پہلو کٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دست مبارک سے اس پہلو کو بدن سے ملا دیا اور اس پر دم کیا وہ اچھا ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ عَلِیًّا ۱ الْمُرْمَدَّ اِذْ دَاوَیْتَهٗ | فِیْ خَیْبَرَ فَشَفٰی بِطَیِّبِ لَمَاکَا

معنے بیت: اور خیبر کی لڑائی میں جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آشوب چشم ہوا تو آپ کے لب مبارک لگانے سے صحت ہوئی۔

حضرت علی خیبر میں تھے آشوب سے عاجز ہوئے
حاصل ہوئی ان کو ترے اک لب لگانے سے شفا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کے لعاب سے شفا ہوگئی

اور صحیحین میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں جنگ خیبر کے دن دکھتی تھیں۔ جناب رسول اللہ نے آب دہن مبارک ان پر لگا دیا فوراً اچھی ہوگئیں۔ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

۱یہاں حسب قاعدہ نحو پہ یدیک ہونا چاہئے مگر بتوافق حرف ردی قافیہ کے مجرور اور منصوب کو مرفوع پڑھنا جائز ہے بلکہ بلا ضرورت شعری میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔

میں ایک بار آنحضرت کے حضور میں حاضر ہوا۔ ایسا بیمار تھا کہ یہ کلمات میرے زبان پر تھے یا اللہ اگر میری اجل آگئی ہے تو آجائے میں اس درد سے نجات پاؤں اگر ابھی نہیں آئی ہے تو شفا دے۔ اگر میرے امتحان کیلئے یہ بیماری ہے تو مجھے صبر دے۔ آنحضرت ﷺ نے پاؤں سے مجھے ٹھوکر مار کر فرمایا تو نے کیا کہا پھر کہہ، میں نے وہی دعا کی، فرمایا اللہ اسے شفا دے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کہتے ہیں میں اسی وقت اچھا ہو گیا اور بعد اس کے مجھے ایسا درد نہیں ہوا۔!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ سَالَتَ رَبَّکَ فِی ابْنِ جَابِرٍ بَعْدَ الَّذِیْ | فَـقَـدْ مَـاتَ اَحْـیَـاهُ وَ قَـدْ اَرْضَـاکَـا

معنے بیت: اور ابن جابر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے حق میں جب وہ مر گیا تھا تو آپ نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر کے آپ کو راضی کر دیا۔

مرا بیٹا جب کا جابر معجزہ تیرا رے اللہ
ہوا اچھا طرف اس وہ دعا نے تو طرف اس کی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مردہ بچے زندہ ہو گئے

شواھد النبوۃ میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی ضیافت کی اور آپ کے واسطے ایک برّہ ذبح کیا اور سامان ضیافت میں مصروف ہوا۔ میرا بڑا لڑکا دیکھتا تھا۔ اس نے چھوٹے سے کہا آ تجھے دکھاؤں ہمارے باپ نے برہ کس طرح ذبح کیا ہے یہ کہا اور پکڑ کر چھری اس کے گلے پر پھیر دی۔ ان کی ماں نے دیکھ لیا وہ ان کی طرف دوڑی۔ لڑکا خوف سے بھاگ کر کوٹھے پر چڑھنے

؎ صحاح ستہ اور دیگر کتب مغازی میں مروی ہے کہ جنگ خیبر میں شام کے وقت آپ نے فرمایا لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ ۔ میں کل کے دن ایسے شخص کو علم (جھنڈا) دوں گا جو بڑا دلیر اور بہادر ہے میدان سے پھرنے والا نہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ اس کو اچھا جانتے ہیں۔ یہ قلعہ اس کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔ پھر جب صبح ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اس وقت ان کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے لب مبارک لگا دیا۔ فوراً اچھی ہو گئیں اور علم فتح ان کو عطا فرمایا۔

لگا۔ اوپر سے زینہ سے پاؤں پھسلا اور گر کر وہ بھی مر گیا۔ عورت مردانہ سیرت نے بایں خیال کہ آپ کی ضیافت میں حرج ہوگا دونوں مذبوح و مسقوط پر گدڑی ڈال کر چھپا دیا اور مجھے بھی خبر نہ کی۔ جب کھانا تیار ہوا اور حضور ﷺ بعادت کریمانہ تشریف لائے۔ میں نے کھانا پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے جابر اپنے فرزندوں کو بلا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ کھائیں، میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ لڑکے کہاں ہیں؟ آپ بلاتے ہیں وہ نیک بخت بولی کہ وہ کہیں باہر کھیلتے ہوں گے۔ معلوم نہیں کہاں اور کدھر ہیں۔ میں یہ بات حضور میں عرض کی، آپ نے فرمایا کہ حکم الٰہی ہے جب تک وہ نہ آئیں گے میں نہ کھاؤں گا۔ مجبوراً عورت نے وہ تمام حال ظاہر کر کے گدڑی اٹھا کر دکھادی۔ میرے ہوش جاتے رہے اور شور وغل پیدا ہو گیا۔ حضرت شفیع المذنبین رحمت للعالمین ﷺ نے اٹھ کر ان کے سر پر آ دیکھا بعد ازاں بحکم الٰہی دعا کی کہ اے بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ کرنے والے اور ہر شئے کو عدم سے ظہور میں لانے والے، مردوں میں روح پھونکنے والے انہیں زندہ کر۔ آپ کے یہ دعا کرتے ہی دونوں زندہ ہو گئے اور مل کر کھانا کھایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى هٰذَا النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شَاةٌ مَسَسْتَ لِاُمِّ مَعْبَدِ الَّتِیْ | نَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شِفَا رُقْيَاكَا

معنے بیت: اور ام معبد کی بکری کا جبکہ دودھ خشک ہو گیا تو آپ کے دست مبارک کے چھونے پر بہت ہو گیا اور آپ کے کچھ پڑھنے کی برکت سے دودھ دھار ہو گئی۔

خشک بکری دودھ دھار ہو گئی

شرح السنہ میں حبیش بن خالد برادر ام معبد سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو مع ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ آزاد غلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرماتھے اور عبداللہ لیثی بھی کہ راہ بتانے کیلئے آپ کے ساتھ تھا ام معبد کے خیمہ پر گزرے اور اس سے گوشت اور چھوہارے خرید نے چاہے قحط کے باعث اس کے پاس نہ تھے۔ ام معبد کے خیمہ

لے مَسَسْتَ شَاةً لِاُمِّ مَعْبَدٍ بَعْدَ مَا

میں ایک بکری کو دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ یہ بکری کیسی ہے۔ ام معبد نے کہا کہ بسبب لاغری کے اور بکریوں کے ساتھ چراگاہ میں نہیں جا سکتی اس سبب سے یہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے تھنوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا کہ بالکل خشک ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اجازت دو تو ہم اس سے دودھ دوہ لیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور اس بکری کے تھنوں پر بسم اللہ پڑھ کر ہاتھ پھیرا تو بکری نے پاؤں پھیلا دیئے اور دودھ اس کے تھنوں میں بھر آیا اور اس نے جگالی کرنی شروع کی۔ پھر آپ نے ایک بڑا برتن منگوایا اور اس میں دودھ دوہا اور وہ برتن بھر گیا۔ پھر آپ نے پہلے ام معبد کو دیا اس نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں کو پلایا، وہ بھر سیر ہو لئے پھر سب سے پیچھے آپ نے پیا۔ اس کے بعد دوبارہ برتن آپ نے دودھ سے پھر کر ام معبد کے حوالے کیا۔ ام معبد مسلمان ہو گئی اور آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ دَعَوتَ عَامَ الْقَحْطِ رَبَّکَ مُعْلِنَا | فَانْهَلَّ قَطْرُ السُّحْبِ حِيْنَ دُعَاکَا

معنے بیت: قحط سالی میں لوگوں کی التجا پر آپ نے پروردگار کی جناب میں دعا کی تو بارش ہوئی اور قحط دور ہو گیا۔

تیری کرامت تھی شہا جو دودھ بکری نے دیا
کی قحط میں تو نے دعا بارش ہوئی بے انتہا

آپ کی دعا سے اسی وقت مینہ برس پڑا

صحیحین میں حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ عہد رسول اللہ ﷺ میں ایک بار قحط ہوا آپ خطبہ جمعہ میں کھڑے تھے ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مال ہلاک ہو گیا اور عیال بھوکے مرتے ہیں آپ مینہ کے واسطے دعا کیجئے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس وقت آسمان پر کوئی ابر کا ٹکڑا نہ تھا۔ خدا کی قسم ہنوز آپ ہاتھ رکھنے نہیں پائے تھے کہ ابر مانند پہاڑوں کی ہر طرف سے

گھر آیا۔ آپ منبر سے اترنے نہیں پائے تھے کہ ریش مبارک سے قطرات مینہ کے گرنے لگے۔ اس دن سے دوسرے جمعہ تک برابر مینہ برسا پھر دوسرے جمعہ کو کسی شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ مکانات گر پڑے اور مال ڈوب گیا۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا یا اللہ گرد ہمارے برسے ہم پر نہ برسے اور ابر کی طرف اشارہ کیا وہ کھل گیا۔ مدینے پر بالکل پانی برسنا موقوف ہو گیا اور گرد مدینہ کے برستا رہا۔ اطراف سے جو لوگ آتے مینہ کی کثرت بیان کرتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ دَعَوْتَ کُلَّ الْخَلْقِ فَانْقَادُوْا اِلٰی | دَعْوَاکَ طَوْعًا سَامِعِیْنَ نِدَاکَا

معنے بیت: اور آپ نے تمام مخلوق کو توحید الٰہی کی طرف پکارا تو سب نے آپ کی دعوت کو تہہ دل سے قبول کیا اور تابعداری کی۔

کی تو نے دعوت خلق کی جس وقت اے حق کے نبی
آئے تری جانب سبھی اور سب نے صدقنا کہا

رسالت عامہ

کُلَّ الْخَلْقِ ---قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی--- وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ (اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ پ ۲۲ ع ۹) وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کیلئے رسول بھیجا)۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے ہر ایک نبی اپنی قوم کی طرف خاص کر بھیجا جاتا تھا اور میں علی العموم تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً میں بھیجا گیا ہوں مخلوق کے ہر گروہ کی طرف۔ اور ثابت ہے کہ آپ کی نبوت کی معرفت ہر ایک ذی روح اور غیر ذی روح کو ہے۔ چنانچہ مسلم اور ابوداؤد میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ جتنی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب جانتی ہیں کہ میں رسول خدا ہوں اور بحیرہ راہب کا ابوطالب سے کہنا جو حدیث طویل صحیح ترمذی میں مروی ہے کہ لَمْ یَبْقَ شَجَرٌ وَ لَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا۔ شجر وحجر وغیرہ ما سے کوئی شئے باقی نہ رہ گئی تھی کہ جس نے محمد ﷺ کو سجدہ نہ کیا ہو۔ یہ سید العالمین، یہ رسول رب العالمین ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت للعالمین کر کے بھیجے گا صاف دلالت کرتا ہے کہ بے جان چیزوں کو بھی آپ کی شناخت قدیمی اور معرفت ازلی تھی۔ چنانچہ ترمذی اور دارمی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ایک طرف کو مکہ سے باہر

لے شواہد النبوۃ اور دیگر کتب احادیث وسیر میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ ابوطالب پیغمبر خدا ﷺ کو ساتھ لے کر سفر تجارت کیلئے ملک شام کو نکلے۔ راستہ میں ایک راہب بحیرہ نامی کے مکان پر اترے۔ اس نے ابوطالب سے کہا کہ اے ابوطالب تو اس جوان کو واپس پھیر دے اور شام کی طرف نہ لے جا کیونکہ وہ لوگ بذریعہ کتب آسمانی اس کو پہچان لیں گے اور مَهْمَا اَمْكَنَ جہاں تک ممکن ہوگا اس کو قتل کرنے میں کوشش کریں گے۔ ابوطالب نے کہا تو کیونکر جانتا ہے۔ راہب نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ یہ جوان جدھر جاتا ہے اسی طرف کے درخت پتھر وغیرہ اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ سوائے نبی کے اور کسی کے آگے نہیں جھکتے۔ پھر اس نے آپ کا کپڑا اٹھا کر مہر نبوت کا نشان بھی دکھایا۔ اندر لے جا کر جہاں تمام انبیا کی صورتیں رکھی تھی آپ کی صورت بھی ملادی اور بھی اپنی تصدیق کلام کے واسطے ابوطالب کو کئی نشان دکھائے۔ ابوطالب نے آپ کو واپس کردیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبل از پیدائش علاوہ آدمیوں کے دیگر اشیاء کو بھی آپ کی نبوت کا علم تھا اور سب چیزیں آپ ﷺ کو پہچانتی تھیں۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے ہو چکا ہے بفضلہ تعالیٰ حافظ ابونعیم نے حلیہ میں ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ ؓ نے کہا جب محمد ﷺ پیدا ہوئے تو ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور آپ کو اٹھا کر لے گیا اور ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے کہ اس کو مشرق ومغرب اور دریاؤں اور جنگلوں میں پھراؤ کہ خشکی اور تری کی سب چیزیں حیوانات، جمادات اور نباتات اس کی صورت کو پہچانیں اور اس کی شان نبوت ومنزلت رسالت کو جانیں کہ یہ شخص ہے جو شرک کو مٹائے گا اور ربوبیت و الوہیت واحد یگانہ کو پھیلائے گا۔ ما ثبت بالسنہ صفحہ ۶۹ اور الدر المنظم فی مولد النبی المعظم میں بروایت ابن عباس حلیہ ابونعیم سے منقول ہے کہ حیوانات روئے زمین مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو پھر گئے اور ایک دوسرے کو آپ کی پیدائش کی بشارت دی اور اسی طرح حیوانات آبی نے ایک دوسرے کو خبر کی اور آسمان وزمین میں جنوں اور فرشتوں کے آواز اور آپ کے ظہور مبارک کی نسبت سنائی دیتیں الخ۔

تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا پس آپ جس درخت پتھر اور ٹیلہ وغیرہ کے پاس جاتے وہ کہتا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

پس ثابت ہو گیا کہ آپ تمام مخلوق و موجود کی طرف بھیجے گئے اور سب نے آپ کو پہچانا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ خَفَضْتَ دِیْنَ الْکُفْرِ یَا عَلَمَ الْھُدٰی | وَ رَفَعْتَ دِیْنَکَ فَاسْتَقَامَ ھُدَاکَا

معنے بیت: اے ہدایت اور راہنمائی کے نشان آپ نے تمام جھوٹے دینوں اور شرک، وہوا پرستی کی راہوں کو مٹایا اور اپنے دین حق کو ظاہر کیا تو وہ صحیح طریق سے قائم ہو گیا۔

دنیا سے شرک و کفر کا پردہ دیا تو نے اٹھا
دنیا میں دین پاک کا جھنڈا کیا محکم کھڑا!

آپ نے دین کو غالب کر دیا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ اِسْمُہٗ --- ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (پ ۱۰، ع ۱۱) اللہ وہ ہے کہ جس نے بھیجا، اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تا کہ غالب کرے اس کو اوپر تمام دینوں کے۔ بے شک جناب پیغمبر خدا ﷺ جس وقت پیدا ہوئے ادیان باطلہ پست ہونے لگے اور دین حق کہ دین اسلام محمد بن عبداللہ نبی امی ہاشمی ﷺ کا ہے غالب اور روشن ہوا۔ ہجرت سے آج تک ہر زمانہ کی تاریخیں شاہد ہیں کتب احادیث سے بنقل ثقات کتاب شواہد النبوت[۱] میں لکھا ہے کہ جب رات آپ پیدا ہوئے اسی رات کسریٰ کا ایوان کانپا اور چودہ کنگرے اس کے گر گئے۔ وہ آتش کدہ کہ ہزار سال سے برابر ایک ساعت بجھنے نہ پایا تھا بالکل بجھ گیا۔ علیٰ ہذا القیاس روئے زمیں پر بہت نشان خرابی بے دینان و مشرکان ظاہر ہوئے۔ مرغ و ماہی زمین و آسمان میں خبر ہو گئی۔ روئے زمین اور تمام حرم خاص کے بت سرنگوں ہو گئے۔ اس واقعہ کی

---

[۱] یہ روایت ماثبت بالسنہ میں بھی ہے۔

تصدیق زردشتیوں کی کتاب دساتیر میں بھی لکھی ہے۔ صحیح مسلم میں ثوبان ﷺ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین اور مشارق و مغارب زمین کے مجھے دکھائے جہاں تک میں دیکھ چکا ہوں وہاں تک عنقریب میری امت کی بادشاہی ہوگی۔

وَ رَفَعَتَ دِیْنَکَ الخ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ وَ کَلِمَۃُ اللہِ هِیَ الْعُلْیَا۔ وہ ذکر اور کلمۃ اللہ دین اسلام ہی ہے جو ہمیشہ تک رہے گا اور نیز فرمایا ہے وَاللہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (پ ۲۸، ع ۹) اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا قیامت تک اگرچہ ناحق شناس برا ہی مانیں۔ وہ نور دین محمدی ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اَعْدَاکَ عَادُوْا فِی الْقَلِیْبِ بِجَهْلِهِمْ | صَرْعیٰ وَ قَدْ حُرِمُوا الرِّضیٰ بِجَفَاکَا

معنے بیت: آپ کے دشمن جہالت کی وجہ سے گڑھے میں پڑ گئے اور رضا و رحمت الٰہی سے آپ کو تکلیف دینے کے باعث محروم رہے۔

جو جو تیرا دشمن ہو قعر جہنم میں گرا
جو درپے ایذا ہوا محروم رحمت سے رہا

مقتولین بدر سے کلام

بخاری میں ہے کہ غزوہ بدر میں بعد فتح کے جناب رسول اللہ ﷺ نے مقتول کافروں کو چاہ بدر میں ڈلوایا اور متصل اس کنوئیں کے کھڑے ہو کر ایک ایک کا نام پکار کر فرمایا خدائے تعالیٰ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے ٹھیک پایا اور تم نے بھی جو کچھ خدائے تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا پالیا۔ حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ایسے جسموں سے کلام کرتے ہیں جن میں روح نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

فِی یَوْمِ بَدْرٍ قَدْ اَتَتْکَ مَلَائِکٌ | مِنْ عِنْدِ رَبِّکَ قَاتَلَتْ اَعْدَاکَا

معنے بیت: اور جنگ بدر کے دن فرشتے آپ کی مدد کو آئے اور آپ کے دشمنوں کو قتل کیا۔

دن بدر کے بے شبہ و شک خالق نے کی تیری کمک
ایک دم میں آ پہنچے ملک فی النار اعدا کو کیا

دربار نبوی میں فرشتوں کی حاضری

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جَلَّ جَلَالُہٗ ۔۔وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ ۔ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ (اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو۔ جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اتار کرہاں کیوں نہیں اگر تم صبر وتقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔ پ۴ع۴) اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ (جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے۔ پ۹ع۱۵)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چکی فرشتے پھیرتے تھے

تفصیل نزول ملائکہ و جنگ وغیرہ کتب احادیث وسیر میں موجود ہے کہ اللہ کے فرشتے وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت کرتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام جو ایک مقرب فرشتہ تھے آپ کی بارگاہ کے غلام تھے اور دیگر فرشتے بھی اہلبیت نبوت کی خدمت گزاری کرتے تھے چنانچہ سید سمہودی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بھیجا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر سے بلا لاؤں۔ میں نے

دروازہ پر بہت دفعہ بلایا کسی نے آواز نہ دی، میں پھر آیا۔ آپ نے فرمایا جا علی رضی اللہ عنہ گھر میں ہے۔ میں پھر گیا اور ذرا اندر کی طرف ہو کر بلانے کو کھڑا ہوا تا گہاں اندرون خانہ کے ایک گوشے میں میری نظر پڑی تو چکی پھر رہی ہے مگر پھرا تا کوئی نہیں۔ میں حیران ہو گیا اور بآواز بلند علی رضی اللہ عنہ کو پکارا وہ خوش وخرم اور بشاش باہر نکلے چلے آئے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے میری حیران صورت کو دیکھ کر فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ یہ کیا حال ہے؟ میں نے تعجب سے بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں خود بخود چکی کا پھرنا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ تو کچھ تعجب کی بات نہیں اللہ کے فرشتے آل محمد ﷺ کی معونت پر مقرر ہیں۔ یہ خدمت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں وہ ان کی خدمت میں مصروف۔ کذافی سیرة شامی ۱۲ زاد السبیل الی الجنة و السلسبیل

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَ الْفَتْحُ جَآئَکَ یَوْمَ فَتْحِکَ مَکَّۃً! | وَ النَّصْرُ فِی الْاَحْزَابِ قَدْ وَافَاکَا

معنے بیت: مکہ کی فتح آپکو کامل طور پر حاصل ہوئی اور روز احزاب میں نصرت الٰہی آپکے شامل حال ہوئی تھی

روز فتح مکہ بھی فتح و ظفر تجھ سے ملی
احزاب میں نصرت ہوئی حاصل تجھے اے پیشوا

کفار قریش کی آخری جنگ مکہ میں تھی۔ اس کے بعد بیخ کفر وشرک اور تخم فساد وعناد عرب سے جاتا رہا گویا یہ فتح مسلمانوں کیلئے ایسی مفید اور پر تصرف تھی جیسے پایہ تخت بادشاہی کا فتح ہو تو تمام ملک متعلقہ تحت وتصرف فاتح میں آجاتا ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی جَلَّ جَلَالُهٗ --- یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا (پ ۲۱، ع ۱۸) اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا جو تم پر کیا جب آئیں تم پر فوجیں۔ ف قریش اور غطفان اور یہود اور قریظہ اور بنی نضیر بارہ ہزار آدمی لے کر چڑھ آئے۔ ت: ہم نے ان پر ہوا ٹھنڈی چھوڑی ف جس نے ان کو نہایت عاجز اور تنگ کیا۔ ان کے مونہوں میں گرد وغبار ڈالا اور آگ ان کی بجھادی اور ہانڈیاں ان کی الٹ دیں اور میخیں ان کی اکھاڑ

دیں کہ خیمے ان کے گر پڑے اور گھوڑے ان کے کھل کر آپس میں لڑنے لگے۔ ت اور بھی بھیجا ہم نے ان پر ایسے لشکر کو کہ ان کو تم نے نہیں دیکھا یعنی فرشتوں کو کہ انہوں نے ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا اور ایسی دہشت ان کے دلوں میں ڈالی کہ وہاں سے بھاگ گئے۔ ت اور ہے اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا۔ ف یہ معجزہ غزوہ احزاب میں واقع ہوا کہ اسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ کافران قریش مع غطفان وغیرہ قبائل کے لشکر عظیم لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے۔ آپ نے بصلاح صوابدید حضرت سلیمان فارسی ﷺ مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی اور قریب ایک مہینہ کے لشکر کفار وہاں ٹھہرا رہا اور تیر پتھر سے لڑتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان پر مشرق کی طرف سے ایسی سخت ہوا بھیجی کہ جس کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکے اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ طلحہ بن خویلد اسدی نے ہوا کے صدمات کو دیکھ کر کہا کہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کیا ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا صلاح نہیں بھاگ جانا بہتر ہے۔ حدیث میں ہیں نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ یعنی میری مدد ہوئی پروا ہوا سے کہ اس نے کافروں کو احزاب میں بھگا دیا اور ہلاک کی گئی قوم عاد پچھوا ہوا سے۔ ف یہ معجزہ آپ کا مثل معجزہ ہود علیہ السلام کے ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

هُوْدٌ وَّ يُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا | وَ جَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَا

معنے بیت: حضرت ہود علیہ السلام اور یونس علیہ السلام کو آپ ہی کی بزرگی سے بزرگی حاصل تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جمال آپ کے جمال باکمال سے ملا تھا۔

تھی ہود و یونس میں عیاں تیری تجلی ہر زماں
تھا نور یوسف بے گماں تیرا جمال با صفا

حضور جامع الصفات ہیں

کتب حدیث میں مروی ہے کہ تمام صفات متفرقہ بالجملہ ذات بابرکات سرور کائنات علیہ وعلی

آلہ الصلوۃ میں مجتمع تھیں اور حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں بواسطہ ابن عباس ﷺ آمنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو میں نے ایک آواز سنی کوئی کہتا ہے کہ محمد ﷺ نصرت ورنج اور زدہ کی کنجیوں کا قابض ہو چکا ہے اسے شرق غرب اور ہر ایک نبی کی جائے پیدائش اور ہر شے روحانی اور غیر روحانی جن، انسان، درندوں، اور پرندوں وغیرہ پر پھراؤ کہ وہ سب اس کو پہچانیں۔ اس کو صفائے آدم، رقت نوح، خلت ابراہیم، لسان اسماعیل، اور بشارت یعقوب، جمال یوسف، صوت داؤد، صبر ایوب، زہد یحییٰ، کرم عیسیٰ اور اخلاق انبیاء سب حاصل ہیں۔ ابن عساکر نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آخر شب میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ اندھیرا تھا ہر چند ڈھونڈا، نہ پائی اتفاقاً رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ کے جمال مبارک سے سارا گھر روشن ہو گیا اور سوئی مل گئی۔ میں نے یہ واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا ویل ویل ویل ہے اس کو جو میرا منہ دیکھنے سے محروم رہے۔ ابن عساکر اور خطیب اور دیلمی اور ابو نعیم نے بطریق محمد بن اسماعیل بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں چرخہ کات رہی تھی اور آپ میرے سامنے موزہ گانٹھ رہے تھے اس وقت عرق جبیں کے سبب آپ کی پیشانی کی چمک دمک دیکھ کر میں نہ رہ سکی اور بے ساختہ منہ سے نکل گیا۔

وَمُبَرَّأً مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ | وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغْيِلِ
وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ | بَرَقَتْ بُرُوقَ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

(حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، تذکرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صفحہ ۴۵-۴۶، طبع اول مصر از ابو کبیر ہذلی)

اور ہر طرح کی کدورت حیض سے پاک، ایسا پاک اور نظیف کہ اس کے دودھ پلانے والی کی طبیعت اور دودھ میں کوئی خرابی نہ ہو -- اور میں جب اس کے روئے روشن کی شکنوں کو دیکھوں تو اس کے رخساروں کی روشنی اور صفائی میں وہ شکن صورت ہلال نظر پڑتے ہیں (بے مثل بشر صفحہ ۳۹)

اور ایک روایت میں چند ابیات دیگر مروی ہے جن سے ایک یہ ہے لَوَامِىْ زُلَيْخَا لَوْرَاَيْنَ جَبِيْنَهٗ اور شمائل ترمذی میں حضرت علی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے بعد بیان صورت و سیرت جناب ختم رسالت ﷺ کے فرمایا لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ کہ آپ کی مثل نہ کوئی پہلے آپ سے سنا ہے

نہ سوائے آپ کے اب دیکھنے میں آتا ہے۔ حضرت علی ﷺ کے اس قول میں ہزار ہا نکات واسرار ہیں بالجملہ اس کے معنے یہ ہیں کہ لَمْ اَرَ بمعنی لَمْ اَسْمَعْ ہے یالَمْ اَرَ فِی الروایات التی تروی فِیْهِ مَقَادِیْرُ الْجَمَالِ اس صورت میں لَمْ اَرَ قَبْلَه' کے متعلق معنی دیگر ہیں اور بَعْدَه' کے معنے دیگر اور بَعْدَه' بمعنی سوا چنانچہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَه' یُؤمِنُوْنَ (پ ۲۹، ع ۲۲) (پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قَدْ فُقْتَ یَا طٰهٰ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَا! | طُرًّا فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرَاکَا

معنے بیت: اے خلقت کو بچانے والے آپ تمام پیغمبروں پر فائق ہیں آپ کو معراج ہوئی اور وہ قرب ملا کہ کسی نبی مرسل کو نہیں ملا۔ وہ پاک ہے اور سب بھلی صفتوں کا مالک ہے۔ جس نے آپ کو رات کے وقت سیر کرائی۔

طٰہٰ لقب خیر الوریٰ نبیوں پر تو فائق ہوا
حق سے ملا سبحان من اشراک فی اللیل الدجا

ذکر معراج

معراج حق ہے، بالاتفاق مکہ معظمہ میں نبوت سے بارہویں سال بجسد عنصری یعنی جسم ظاہری جبرئیل علیہ السلام براق پر سوار کر کے آپ کو لے گئے آپ نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھا اور انہیں آنکھوں سے مشرف دیدار الٰہی سے ہوئے چنانچہ تفسیر جلالین میں بروایت ترمذی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رأیت ربی عزوجل میں نے اپنے رب غالب و بزرگ کو دیکھا۔ خواب میں بھی کئی دفعہ آپ سب کچھ دیکھ چکے تھے۔ اس دفعہ یقینی طور پر کُلُّ شَیْءٍ بِحَقَائِقِهَا کَمَا هِیَ (ہر چیز کو اس کی حقیقت کے ساتھ جیسی وہ ہے) دیکھیں۔ حدیث کی تمام کتابوں اور قرآن مجید کی تفسیروں میں ذکر معراج بہ تفصیل و دلائل و براہین امکان و رفع شکوک درج ہے یہاں کچھ حاجت طوالت نہیں قَدْ فُقْتَ الخ

ترمذی میں لکھا ہے کہ جب آپ بیت المقدس میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی۔ تمام انبیاء علیہ وعلیہم السلام پیچھے کھڑے ہوئے۔ بعد از سلام سب سے علیحدہ علیحدہ نعمائے الٰہی کا جوان کو ملی تھیں بیان کیا۔ بعد ازاں آپ نے امتثالاً لامر اللہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ پ ۳۰ ع ۱۸) جو کچھ آپ کو عطا ہوا اظہار فرمایا اور افتتاح اور اختتام حمد و ستائش الٰہی سے کیا۔ جب سب سن چکے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام پیغمبروں کو مخاطب کر کے فرمایا بِھٰذَا فَضَلَکُمْ مُحَمَّدٌ دیکھو محمد کو یہ سب کچھ ملا ہے تو تم سب سے افضل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَاللہِ یَا یٰسِیْنُ مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ | فِی الْعٰلَمِیْنَ وَحَقِّ مَنْ اَنْبَاکَا

معنے بیت: خدا کی قسم تمام مخلوقات میں آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا قسم ہے اس کے حق کی جس نے آپ کو قرآن دیا۔

واللہ یا یٰسیں لقب ماہ عجم مہر عرب
تجھ سا ہوا اور ہو نہ اب دنیا میں بے رو و رعا

آپ بے مثل ہیں

بے شک آپ کی ذات بابرکات بے مثل و بے مانند تھی۔ عالم میں آپ ہی اپنا نظیر تھے۔ انبیاء کہ افضل المخلوقات ہیں کوئی بھی سرور کائنات کا عدیل و مثیل نہیں ہوا۔ آپ اشرف المخلوقات والموجودات اکمل المکنونات پیدا ہوئے۔ یٰسین آپ کا اسم مبارک ہے چنانچہ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ محمد، احمد، فاتح، خاتم، ابوالقاسم، حاشر، عاقب، ماحی، یاسین، طٰہٰ۔

مِثْلُکَ لَمْ یَکُنْ ۔ الخ یعنی علو درجات میں آپ کی مثل کوئی دنیا میں نہیں آیا۔ مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھ کو پانچ چیزیں ایسی عنایت ہوئی ہیں کہ اور

کسی کو نہ ہوئی تھیں (۱) یہ کہ مہینہ کی مسافت پر میرے پہنچنے سے پہلے میرے دشمنوں پر رعب اور دباؤ پڑ گیا (۲) تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ مقرر کی گئی (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا (۴) تمام پیغمبر خاص خاص قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اور میں تمام مخلوق کی طرف رسول کر کے بھیجا گیا ہوں (۵) مجھے شفاعت کبریٰ کا اختیار دیا گیا ہے اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے (۶) جوامع الکلم بھی مجھے عطا ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ جامع المراتب ہیں اور کسی کو یہ رتبہ حاصل نہ ہوا۔ بایں جہت آپ بے مثل ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَا | عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَاءُ يَا مُدَّثِّرُ

معنے بیت: اے حبیب اللہ کے آپ کی صفت مجھ سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے فصحا و بلغا حتی المقدور اپنے انفاس عزیزہ کو آپ کی ثنا گوئی میں خرچ کر کے معترف بقصور ہوئے کیونکہ حصر باوصاف جمیلہ آپ کے ممکن نہیں اور آپ کے محامد اور مناقب اس سے برتر ہیں کہ انسان بیان کر سکے۔

کی شاعروں نے ہر زماں مدح و صفت تیری بیاں
آخر تھکی سب کی زباں عاجز ہوئے سب برملا
مجموعہ وصف و ثنا ہے تیری ذات مصطفا
انساں سے ہو کیونکر بھلا احصا ترے اوصاف کا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَلَنَا الْكِتَابُ اَتٰى بِمَدْحِ عُلَاكَا | اِنْجِيْلُ عِيْسٰى قَدْ اَتٰى بِكَ مُخْبِرًا

معنے بیت: انجیل عیسیٰ علیہ السلام اور ہماری کتاب یعنی قرآن مجید آپ کی مدح و ثنا بیان کر رہے ہیں۔

انجیلِ عیسیٰ بھی تری مدح و صفت سے ہے بھری
قرآن میں خالق نے کی ہر جا تری مدح و ثنا

انبیائے سابقین کی کتب میں آپ کا ذکر

واضح ہو کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اوصاف انبیاء سابقین کی کتابوں میں برابر مذکور ہوتے آئے ہیں اور ہر ایک پیغمبر نے اپنی امت کو آپ کی اطاعت اور نصرت کی تاکید فرمائی ہے۔ ہر ایک نبی اور رسول کو آپ کے ظہور کی خبر دی جاتی تھی۔ ہمیشہ آپ کی معرفت معرفت الٰہی کے ساتھ رہی ہے اور ہر ایک نبی آپ کی نبوت کو باخبار وحی پہچانتا تھا اور اس پر ایمان لاتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں) [1]

اور اگرچہ تمام صحف انبیاء و کتب مرسلین آپ کے محامد جمیلہ اور مناقب جزیلہ سے مملو ہیں بالخصوص حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی کتاب توریت میں جابجا مذکور ہے چنانچہ سفر پنجم کے جزو دوم میں لکھا ہے کہ میں ان کے واسطے ان کے بھائیوں کی اولاد سے ایک نبی پیدا کر کے اس پر اپنے کلام کو نازل کروں گا اور وہ ان کو وہی کہے گا جس کا اسے حکم دوں گا اور جو شخص اس نبی کی بات کو جو میرے نام سے کہے گا نہ مانے تو میں اس سے بدلہ لوں گا۔ انتہی

اس آیت کا ضمیر نبی آخر الزمان محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف ہے اور اکابر علمائے یہود سے ستر احبار اس بات پر متفق ہیں اور بھی توریت کے جزو آخر میں جس پر توریت ختم ہوتی ہے۔ ایک آیت ہے

[1]: مواہب لدنیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی پیغمبر کو پیغمبری نہیں ملی جب تک کہ اس سے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے واسطے عہد نہ لیا گیا ہو کہ اگر تیری زندگی میں وہ نبی پیدا ہو تو اس کی اطاعت و مدد کرنا اور اپنی امت کو بھی یہی تاکید کر جانا بلکہ اس کو اپنی امت سے اس نبی آخر الزمان کی بیعت لینے کا حکم ہوتا تھا۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا سیناء سے نکلا اور ساعیر پر چڑھا اور کوہ فاران سے بلند تر ہوا اور بھی توریت میں حیقوق نبی کا کلام میں درج ہے خدا کا نشان کوہ فاران سے ظاہر ہوگا اور تمام آسمان احمد اور اس کی امت کی تسبیح سے بھر جائیں گے، دریاؤں میں اس کی راہ ہوگی۔ جیسے جنگلوں میں اس کی راہیں ہوں گی۔ اس کو نئی شریعت ملے گی اور صاحب کتاب جامع ہوگا۔ اور یہ امر بعد وقوع خرابی بیت المقدس کے ظہور میں آئے گا اور بھی بضمن کلام شعیب علیہ السلام واقع ہے کہ میں نے دو سواروں کو دیکھا جن کے واسطے زمین و آسمان روشن گیا ایک گدھے پر سوار اور دوسرا اونٹ پر سوار ہوگا۔ گدھے والے کا نام مسیح اور اونٹ والے کا نام احمد۔ میری قوم ٹھیک مانو کہ اونٹ والے کا منہ چاند سے زیادہ روشن ہے اور توریت میں وصایائے موسیٰ علیہ السلام میں مذکور ہے کہ جلد ہے کہ ایک نبی تمہارے بھائیوں کی اولاد سے پیدا ہوگا تم اسے سچا جاننا اور اس کی سننا یعنی اطاعت کرنا۔ انتہی۔ اسی طرح انجیل میں بھی آپ کے اوصاف درج ہیں چنانچہ لوقا باب ۲۴ درس ۴۹ اور دیکھو میں اپنے باپ کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں اور موعود وہ نبی تھا کہ جس کے آنے کی سب کو خبر دی گئی تھی چنانچہ یوحنا سے جب پوچھا گیا کہ تو مسیح ہے تو اس نے کہا نہیں پس آیا تُو وہ نبی ہے جواب دیا نہیں (یوحنا باب ا، درس ۱۹، ۲۰، ۲۱) وہ جو اس کو جسے میں بھیجتا ہوں قبول کرتا ہے، مجھے قبول کرتا ہے (یوحنا باب ۱۳، درس ۲۰) اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یوحنا باب ۱۴، درس ۱۵، ۱۶) پر جب کہ وہ تسلی دینے والا جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یوحنا باب ۱۹، درس ۶) لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو تسلی دینے والا تمہارے پاس نہ آئے گا۔ پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پ س بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا گناہ سے اسلئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے راستی سے، اس لئے کہ میں اپنے باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت سے اس لئے کہ اس جہاں کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی

راہ بتادے گی اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی اور تمہیں دکھائے گی سب چیزیں جو باپ کی میرے پاس ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مَاذَا یَقُوْلُ الْمَادِحُوْنَ وَ مَا عَسٰی | اَنْ یَّجْمَعَ الْکِتَابُ مِنْ مَّعْنَاکَا

معنے بیت: کیا کہہ سکتے اور لکھ سکتے ہیں آپ کی مدح کرنے والے، اگر کہیں یا لکھیں تو ممکن نہیں کہ وہ آپ کی مدح کماحقہ کرسکیں چنانچہ ان دو بیتوں میں مکرر بطور تاکید بیانی ذکر کیا ہے۔

انسان کا کیا حوصلہ تیری صفت لکھے بھلا
کس کی زباں سے ہو ادا وصف پسندیدہ ترا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ الْبِحَارَ مِدَادُھُمْ | وَالشُّعْبُ اَقْلَامٌ جُعِلْنَ لِذَاکَا
لَمْ یُقْدِرِ الثَّقْلَانِ یَجْمَعُ نَزْرَہٗ | اَبَدًا وَمَا اسْطَاعُوْا لَہٗ اِدْرَاکَا

معنے بیت: قسم ہے اللہ کی تحقیق اگر آپ کی مدح لکھنے والوں کے واسطے سب دریا سیاہی ہو جائیں اور تمام دنیا کے درخت قلمیں بنائی جائیں اور تمام گروہ جن وانسان اور فرشتے قیامت تک زور لگائیں تو آپ کے اوصاف جلیلہ سے ایک ذرہ بھر بھی نہ لکھ سکیں۔

اشجار ہوں سارے قلم دریا سیاہی ہوں بہم
اور پھر کرے مل کر رقم کل خلقت ارض و سما
ممکن نہیں پھر بھی بیاں ہوں تیرے وصف بیکراں
اے سید والا نشاں اے مظہر نور خدا

کیونکہ آپ کے اوصاف کلمات الٰہیہ ہیں اور کلمات الٰہی تحریر وتقریر مخلوق سے فزوں تر ہیں کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی — لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ

اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اگر زمین و آسمان کی مخلوق کلمات الٰہیہ کو کہنے لگے اور ان کیلئے تمام درختوں کی قلمیں اور تمام جہان کے پانی کی سیاہی تیار کی جائے اور قیامت تک لکھتے رہیں تو بھی کلمات الٰہی ان سے پورے نہ ہوں (پ ۲۱، ع ۱۲)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بِکَ لِیْ قُلَیْبٌ مُغْرَمٌ یَا سَیِّدِیْ | وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاکَا

معنے بیت: اے میرے مولیٰ میرے پیشوا میرے لئے ایسا دل ہے جو آپ کی محبت میں فریفتہ ہے اور میری ایسی روح ہے جو آپ کی الفت سے بھری ہے۔

اے مقتدا اے پیشوا تیرے تصور میں سدا
بے تاب ہوں میں مبتلا بے چین ہوں صبح و مسا

قُلَیْبٌ : قلب کا اسم مصغر ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ آپ کی جدائی کے خیال میں فرط محبت سے دل میرا گھٹ گیا ہے۔ یہ افراط محبت و کمال تعشق کی بات ہے و نیز عظمت و جلال محبوب و کثرت و کمال محبت کے مقابلہ میں قلب کو محقر مصغر کر کے بیان کیا ہے اور یہ کہ دل تھوڑا اور محبت بہت کب اس کے لائق ہے چھوٹا منہ بڑی بات۔ یہ اظہار عجز و اعتذار تقصیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فَاِذَا سَکَتُّ فَفِیْکَ صَمْتِیْ کُلُّهٗ | وَاِذَا نَطَقْتُ فَمَادِحًا عُلْیَاکَا

معنے بیت: میں چپ ہوتا ہوں تو آپ ہی کے جمال با کمال کا تصور[1] میرے پیش نظر رہتا ہے اور جب بولتا ہوں تو آپ ہی کی مدح و ثنا کے لفظ بولتا ہوں گویا میری خاموشی اور کلام میں آپ ہی ہیں۔

[1] تصور شیخ جائز ہے۔ منکرین چونکہ اس طرف سے بالکل ناواقف ہے اس لئے اس کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ ان کو ظاہراً بھی حدیث کی کچھ خبر نہیں۔ ان کو صرف حیض و نفاس اور صدقہ و خیرات کی حدیثوں کی ممارست ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مبشرات میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو استحضار نسبت (تصور) کا امر کیا اور حدیث میں النظر الی وجه علی عبادة یعنی علی رضی اللہ عنہ کا منہ دیکھنا عبادت ہے تو یہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر جاری ہے)

ساکت ہوں گر میں بے خبر، رہتا ہے تو پیش نظر
کہتا ہوں کچھ فرضاً اگر منہ سے نکلتی ہے ثنا!
ہوں بے خبر یا باخبر ساکت ہوں یا ناطق مگر
اے سید خیر البشر محوِ تماشا ہوں ترا!

تصور شیخ

فَاِذَا سَکَتُّ الخ: یہ اس واسطے کہا کہ آپ کا جمال جہان آراء جمال الٰہی ہے چنانچہ

بقیہ حاشیہ: نظر کسی کا ایسا حق نہیں کہ اس کے بعد ساقط ہو جائے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اور امام احمد نے ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ وَ جَعَلَ قَلْبَہٗ سَلِیْمًا وَ لِسَانَہٗ صَادِقًا وَ نَفْسَہٗ مُطْمَئِنَّۃً وَ خَلِیْقَۃً مُسْتَقِیْمَۃً وَ جَعَلَ اُذُنَہٗ مُسْتَمِعَۃً وَ عَیْنَہٗ نَاظِرَۃً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقِمْعٌ وَ اَمَّا الْعَیْنُ فَمُقِرَّۃٌ لِمَا یُوْعِیْ الْقَلْبُ وَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَہٗ وَاعِیًا تحقیق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق نجات پائی جس نے اپنا دل ایمان کے واسطے خالص اور لوث بغض وحسد سے پاک کر کے متوجہ الی الحق کیا اور اپنے نفس کو مطمئن اور اپنی طبیعت کو مستقیم اور کانوں کو سننے والے اور آنکھوں کو دیکھنے والی۔ کیونکہ کان صراحی تنگ دہان دل کا پیک ہے اور آنکھ ہر شئے کو جو دیکھے دل میں بٹھانے والی اور بہ تحقیق نجات پائی جس نے اپنے دل کو حق پذیر بنالیا۔ اس حدیث میں بالجملہ آداب تصور کا بیان ہے (۱) یہ دل کو ماسوا اللہ سے خالی کرے اور طالب حق ہو، مخلص بنے اور نیت صادق کو لائے۔ (۲) یہ کہ دل میں آمادگی واستعداد بہم پہنچائے (۳) زبان سے سچ بولے اور جھوٹ سے رکے (۴) اور اپنے نفس کو ذکر الٰہی سے مطمئن رکھے اور بجز اس کے مائل اور راغب نہ ہونے دے۔ (۵) صاحب استقامت بنے (۶) کانوں کو اصوات پراگندہ سے بند رکھے اور حق نیوش بنائے (۷) آنکھوں کو غیر سے دیکھنے سے بند رکھے اور دیکھنے والی بنائے۔ حس آنکھیں تو دیکھنے والی ہیں مراد یہ ہے کہ آنکھوں میں تصور لائے اور دل میں جمائے اسی واسطے حدیث میں یہ جملہ اخیر ہے پہلے رعایت امور مذکورہ بالا کرے پھر آنکھوں میں تصور لائے کیونکہ بجز رعایت امور اول الذکر تصور نہیں ہو سکتا۔ پھر معنے اس حدیث کے تمام فقرے حضرت امام صاحب کے حال پر شاہد ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا چپ رہنا اور بولنا اور سننا اور دیکھنا سب کچھ آپ ہی آپ ہیں اور اس حدیث اور ان چار مصرعوں کے فقروں میں مطابقت تامہ ہے بس آپ مفلح ہیں تامل فتامل (منہ)

ترمذی میں مروی ہے مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے مجھے دیکھا پس تحقیق اس نے خدا کو دیکھا کیونکہ مرسل قائم مقام مرسل ہوتا ہے اور آپ خلیفۃ اللہ فی الارض ونائبہ تھے اور جملہ فَاِذَا سَکَتُّ کے یہ معنے بھی ہیں کہ جب چپ رہتا ہوں تو آپ ہی کی فکر میں متفکر رہتا ہوں یا یہ کہ آپ ہی کی محبت میں متفکر ہوکر خاموش بیٹھ جاتا ہوں کہ یہ محبت بایں ذوق وشوق بسر ہوجائے۔ ایسا نہ ہو کہ پردۂ وسواس حائل ہوکر مجھے اس پایہ عالی سے گرادے کیونکہ انسان کے درجات سے عاشقان جمال محمدی اور والہان نور احمدی کے نزدیک آپ ہی کی محبت مقام برتر اور منزل اعلیٰ اور رتبہ ارفع ہے بمحوائے حدیث مرویہ بخاری المرءُ مع من احب۔ محب محبوب کے درجہ میں ہوتا ہے اور آپ کا مقام ودرجہ اللہ کے نزدیک سب سے اعلیٰ ہے۔

نبی کریم سب سے افضل نعمت ہیں

فکر اس لئے کہ قرآن میں ہے اُذْکُرُوْا آلَاءَ اللہِ وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللہِ عَلَیْکُمْ (پ ۴، ع ۲) اور حدیث میں تَفَکَّرُوْا فِیْ آلَاءِ اللہِ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو چونکہ سب نعمتوں سے آپ افضل نعمت ہیں[1] اس لئے آپ کا ذکر وفکر کرنا گویا فرض ہے۔

وَاِذَا نَطَقْتُ الخ حدیث میں ہے عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ صلحا کا ذکر کرنے کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ آپ کو اصلح الصالحین ہیں اس لئے آپ کا ذکر اولیٰ ہے۔ جیسے صلاحیت میں آپ کی شان برتر ہے ایسے ہی وقت ذکر آپ کے اعلیٰ حصہ رحمت الٰہی کا ذاکر پر نازل

---

[1] حضرت امام جعفر علی جدہ وعلی آباء وعلیہ السلام نے کسی عالم سے پوچھا کہ اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (پ ۳۰، ع ۲۷) وہ کونسی نعمتیں ہیں کہ حق تعالیٰ قیامت کو اپنے بندوں سے پوچھے گا۔ اس نے جواب دیا رزق پانی وغیرہ آپ نے فرمایا بھلا اگر تو کسی کو پانی پلائے یا روٹی کھلائے تو کیا اس کو جتلائے گا؟ اس نے کہا نہیں یہ تو مروت سے بعید ہے آپ نے فرمایا پھر کونسی ایسی نعمتیں ہے جس کا جتلانا ہی مروت ہے۔ اس نے عرض کیا کہ قرآن اور نبوت آپ کے گھر نازل ہوئے آپ ہی جانیں۔ فرمایا وہ دونوں نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کا حق یہی ہے اور جتلانا ہی شرط مروت ہے۔ ایک قرآن دوسرے محمد ﷺ اس نے عرض کیا کہ حق یہی ہے جو ارشاد ہوا۔ فقیر محمدی (منہ)

ہوتا ہے۔ بالخصوص آنجناب تحیۃ اللہ وسلامہ علیہ تو خود بذات اقدس رحمت ہیں وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اس آیت سے ظاہر ہے کہ آپ رحمت ہیں۔

حضور کا سایہ نہ تھا

اسی واسطے آپ کا سایہ نہ تھا کیونکہ رحمت ایک کلمہ ہے اور کلمہ کا سایہ نہیں ہوتا۔

ا؎ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔ یہ محمدیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے ثابت نہیں لیکن ذات کریم پرتو نور الٰہی حضرت محمد ﷺ کا سایہ نہ ہونا تو فریقین کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ المرتجی بالقبول فی خدمۃ قدم الرسول میں بنقل ثقات لکھا ہے مَاوَقَعَ ظِلُّہٗ عَلَی الْاَرْضِ قطُّ آپ کا سایہ ہرگز زمین پر نہ پڑتا تھا اور صاحب "لائف آف محمد نے" لکھا ہے کہ اس کا زمین پر سایہ نہ دکھائی دینا بھی آسمانی نشان ہے اور اکثر بے خبر عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں مسیح کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے اور کلمہ اور روح کا سایہ نہیں ہوتا۔ ان جاہلوں کو یہ خبر نہیں کہ قرآن میں یہ دونوں لفظ محمد ﷺ کی نسبت کئی جگہ پر مذکور ہوئے ہیں (پ۱۰، ع۱۲) وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا اور اللہ نے کلمہ ناحق شناساں کو کہ مسیح ابن مریم ہے نیچا کر دیا اور کلمہ حق شناساں کو کلمۃ اللہ محمد ﷺ بن عبداللہ ہے اونچا کر دیا۔ کَلِمَۃُ اللّٰہِ کی تفسیر اگر آیت وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا (پ۳، ع۱۷) الایہ سے کریں تو یہ معنے الاسلام ہے اور اگر آیت وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ط (پ۳، ع۱) اور آیت وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (پ۲۲، ع۲) سے کریں تو محمد ﷺ ہے پس مفہوم اسلام محمد ﷺ ہے اور مفہوم محمد اسلام لاَنَّھُمَا مُتَلَازِمَانِ اِذَا ذُکِرَ وَاحِدٌ مِنْھُمَا دَلَّ عَلَی الْاٰخَرِ (پ۲۵، ع۴) وَلَوْلَا کَلِمَۃُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ (اگر کلمہ فصل یعنی محمد نہ ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہوتا) حضرت کلمۃ الفصل ہیں جس سے کفر و اسلام کا فیصلہ ہوتا ہے چنانچہ اس کی تفسیر حدیث صحیح مرویہ مسلم میں مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ محمد ﷺ لوگوں میں فرق ہے۔ اور آیت میں یہ شرط کہ کلمہ فصل نہ ہوتا تو ان کا کام تمام ہو جاتا، مؤید اس آیت سے ہے وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ (پ۹، ع۱۸) اللہ ان کو اس لئے عذاب نہیں دیتا کہ تو رحمت للعالمین ان کے بیچ ہے۔ پس آپ کلمہ کلمۃ اللہ کلمۃ الفصل ہیں۔ باقی روح یا روح القدس سو ہر چند کہ قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت روح ان معنی میں مذکور نہیں جن کو عیسائی سمجھتے ہیں۔ ولو فرضنا آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (پ۲۵، ع۶) اگر یہاں روح سے مراد قرآن لیں تو تو بھی اِنَّھُمَا مُتَلَازِمَانِ لَنْ یَّتَفَرَّقَا اِذًا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر جاری ہے)

وَ اِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلًا طَیِّبًا | وَ اِذَا نَظَرْتُ فَمَا اَرٰی اِلَّاکَا

معنے بیت: جب سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر خیر سنتا ہوں اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سوائے کلام حسن و جمال صورت و سیرت آپ کے اور کچھ سننے کو دل نہیں چاہتا اور آپ کی پیاری صورت کا تصور ایسا پیش نظر ہے کہ جدھر دیکھتا ہوں آپ ہی نظر آتے ہیں

آتی ہے کانوں میں صدا یا سیدی تیری صدا
جب دیکھتا ہوں آنکھ اٹھا ہوتا ہے تو جلوہ نما

امام اعظم اور درجہ فنافی الرسول

امام صاحب نے ان مصرعوں میں بیان محویت کیا ہے جو ان کو ذات اقدس جناب مصطفوی میں تھی یہ درجہ فنافی الرسول ہے۔

امام اعظم اور علم حدیث

ف: نظر بر اذا لفظ عن سے ثابت ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سوائے اس کلام کے کہ جس میں عن رسول اللہ کہا جائے اور کسی طرح کا کلام نہ سننا چاہتے تھے جو بات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو اسی کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ درجہ شاید کسی کو ہی حاصل ہوا ہو گا کہ سوائے الفاظ حدیث یعنی قال الرسول کے کہ فی الحقیقت قال اللہ ہے اور کوئی لفظ بول چال میں نہ آئے اس کے مدعی آپ ہی ہوئے ہیں جس کے تصدیق آپ کے تذکروں سے ہو چکی ہے اور غرض کثرت سماع

(بقیہ حاشیہ) ذُکِرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا دَلَّ عَلَى الْاٰخَرِ اور اگر روح کو منادی کریں تو مراد محمد سے ہیں اور یہ معنے صحیح تر معنے اول سے ہے کیونکہ قرآن اس کو خود واضح کرتا ہے اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (پ ۹، ع ۱۷) یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تم کو پکارے تو حاضر ہو جاؤ کیونکہ وہ تم کو زندہ کرتا ہے چونکہ زندگی روح سے ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم روح ہیں اور صحیح بخاری میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ روح القدس مجھ پر ڈالا گیا ہے۔

حدیث کی اور اجتناب کلام غیر سے ہے پھر کیونکر آپ کے مذہب کو ترجیح نہ ہو کہ آپ سوائے عن رسول اللہ کے عن فلاں کو سننا اور کہنا نہ چاہتے تھے چنانچہ مصرع دوم بیت اول کے فقرہ وَ اِذَا نَطَقْتُ سے بصراحت تمام ثابت ہے کہ جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں منکر ہیں، بے انصاف ہیں اور حقیقت مذہب سے بے خبر ہیں اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِمَّا یَفْتَرُوْنَ یہ کچھ تھوڑی بات نہیں کہ شخص کو ایسا درجہ عطا ہو کہ اس کا سننا اور کہنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو کیوں نہ حسد کریں۔ یہ درجہ اسی شخص کو ملتا جو محی الدین، محی السنۃ، محدث، ملہم[1]، محقق، مجدد، امام، فقیہہ ہو۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ

وَ اِذَا نَظَرْتُ الخ: نظر اظہار صواب کیلئے غور و فکر کرنا۔ امام صاحب کی مراد یہ ہے کہ جب میں غور کرتا ہوں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس میں آپ کا حکم بین نہ ملے اور ہر ایک مسئلہ میں آپ کا قول فیصل نہ ہو۔ قیاس ورائے کی کہیں کچھ بھی حاجت نہیں۔ یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا طریق استنباط ادق و احوط ہے کہ ہر ایک کی عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی واسطے ان کو بعض مسائل میں بظاہر خلاف حدیث معلوم ہوا ہے اور یہی باعث ان کے طعن کا تھا عَفَی اللّٰہُ عَنْهُمْ وَعَافَاهُ اللّٰہُ وَ اِیَّانَا عَنْ کُلِّ غَبِیٍّ ۔سبحان اللہ امام صاحب کا شغل عبادت میں کیا عالی شان ہے کہ خاموشی (کہ بجائے خود ایک عبادت ہے) میں ان کو خیال آپ کا تھا اور گویائی (کہ ایک خاصہ وصف، انسانی ہے) میں ذکر آپ کا اور شنوائی (کہ ایک کمال خلقت ہے) میں قول و فعل آپ کا سننا تھا اور بینائی (کہ معنے تخلیق ہے) دیکھنا جمال جہاں آراء آپ کا تھا۔ یہ درجہ اور ایسی نعمتیں سوائے آپ کے اور کس کو حاصل ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یَا مَالِکِیْ کُنْ شَافِعِیْ فِیْ فَاقَتِیْ | اِنِّیْ فَقِیْرٌ فِی الْوَرٰی لِغِنَاکَا

معنے بیت: اے میرے مالک گناہوں میں میری شفاعت کیجو، میں آپ کی شفاعت کا محتاج ہوں۔

---

[1] جس کی زبان پر حق جاری ہو اور واقعات آئندہ اس پر مکشوف ہوں۔

خواہاں شفاعت کا ہوں میں، طالب حمایت کا ہوں میں
حامی ہے بس تو ہی مرا اے شافع روزِ جزا
اَغْنَاکَ رَبُّکَ عَنْ غَنِیِّ اَعْطَاکَ حَوْضًا کَوْثَرًا!
کُنْ شَافِعِیْ فِیْ فَاقَتِیْ اِنِّیْ فَقِیْرٌ فِی الْوَرٰی

طلب شفاعت اور استغاثہ

فاقہ تہی دستی یعنی میرے پاس اعمال صالحہ سے کچھ بھی نہیں۔ صرف آپ کی غنا یعنی عفو ومہربانی و نوازش کا امیدوار ہوں۔ فاقہ لغۃ ایک حالت کے درمیان دوسری حالت متضادہ کا آنا اور غنا بے نیازی اور طبیعت پر حالت متناکرہ نہ آنا۔

قبض وبسط کی حالت

پس فاقہ سے مراد قبض کی اور غنا سے مراد بسط کی ہے اور یہ ہر دو حالتیں سالکانِ مسالک الٰہی کو پیش آتی ہیں کہ کبھی بباعث میل علائق دنیوی ایک خفیف سا پردہ دل پر آجاتا ہے جو غیب[۱] اور شہادت کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ ادراک مافات[۲] پایا گاہے خود بخود بے علم صاحب حالت اٹھ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ابتدا میں یہ حالت پیش آیا کرتی تھی لیکن[۳] آپ کا قبض غیر کے بسط سے کروڑ درجہ بہتر تھا گویا قبض آپ کا بسط غیر ہے کیونکہ ولی کی انتہا نبی کی ابتدا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کے یہی معنے ہیں۔ آپ کا توجہ الی الخلق بھی محض عبادت تھا اور فی الحقیقت توجہ الی الحق تھی۔ کیونکہ آپ مامور اور مرسل الی الخلق تھے اور دوسروں کو یہ امر نہیں ہے۔ امام صاحب جناب مصطفوی

[۱] مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار۔

[۲] وہ استغفار اور اعراض عن الغیر ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فتوح الغیب (منہ)

[۳] قبض وبسط منتہی را بدان مشابہ است کہ خوف ورجا مبتدیاں را وقولہ اللہ حَالَۃُ الْقَبْضِ حَالَۃُ الْاِفْتِقَارِ وَحَالَۃُ الْبَسْطِ حَالَۃُ الْاِفْتِخَارِ سلک السلوک (منہ) قبض کی حالت محتاجی اور بسط کی حالت قابل فخر ہے۔

میں کہ مرشد منازل حقانی اور معلم مسالک ربانی ہیں بطور استغاثہ اپنے حال کی شکایت کرتے ہیں کہ آپ اپنی اس حالت سے کہ استغراق ذات ومشاہدہ انوار اور بے نیازی اور اعراض عَنِ الْغیر وَ تَبرِیْ عَمَّا سِوَاہُ ہے مجھے بھی کچھ عطا فرمائیے کہ میں ہر وقت مشاہدہ حق میں رہوں۔ اہل علم اس کو استفاضہ ارواحی کہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی | جُدْ لِیْ بِجُوْدِکَ وَاَرْضِنِیْ بِرِضَاکَا

معنے بیت: اے موجودات سے اکرم اے خزانہ نعمائے الٰہی جو کچھ آپ کو اللہ نے بخشا ہے مجھے بھی بخشئے اور جیسا اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی راضی کیجئے۔

اے مخزن جود و سخا میں بھی ہوں طالب جود کا
ہر لحظہ خواہاں لطف کا ہر وقت راضی با رضا

استمداد

یَا اَکْرَمَ الخ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنَاھُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنَاھُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلاً (اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا -- پ ۱۵ ع ۷) نوع انسانی دیگر انواع بری و بحری سے مکرم و مفضل ہے اور نبی اللہ مکرم مفضل بنی آدم ہیں اس لئے اکرم و افضل مخلوقات ہوئے جود وہ ہے کہ اس میں تمیز نہ ہو اور جو کچھ ہو بے غرض اور بے سبب ہو (کشف المحجوب ۱۲)

۱؎ سالکان راہ الٰہی اور مستفیضان بارگاہ نبوی کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول اَمَّا اَنَا رَبَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ لَا عَلَیَّ مِنَّۃٌ لِاَحَدٍ بَعْدَہٗ (میں ایسا ہوں کہ رسول خدا ﷺ نے ہی میری پرورش کی ہے اور آپ کے بعد کسی اور آدمی کا مجھ پر احسان نہیں) سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْکَ وَ لَمْ یَکُنْ | لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَا

اے بحر ذخارِ عطا طامع ہوں تیرے جود کا
اس بوحنیفہ کا بھلا اب کون ہے تیرا سوا
عبد احد اوحد ہے تو پیش احد احمد ہے تو
افضل ہے تو امجد ہے تو اے مظہر لطف خدا

معنے بیت: میں دل سے آپ کے فیض وشفاعت کا امیدوار اور خواہش مند ہوں۔ آپ کے سوا مجھ بے چارے ابوحنیفہ کا جہاں میں کوئی ذریعہ نہیں ہے جود پر الف لام عہد ذہنی ہے اور معنی جود کے پچھلی بیت میں مذکور ہو چکے ہیں۔ ابوحنیفہ آپ کی کنیت ہے جو بجائے اسم کے معرفہ علم ہو کر جہاں میں معروف ومعلوم ہے اور یہاں اپنے آپ کو مکنٰی کر کے مضاف الیہ کرنے سے اظہار کمال عجز اوابتہال ہے کیونکہ جب عرض کرتے کرتے معروض علیہ کے معرض بیان میں یوں کہیں کہ میرے آقا یہ بندہ مسکین فلاں بن فلاں مثلاً اے میرے مولیٰ اللہ کے رسول اور اس کے حبیب یہ عاجز گنہگار آپ کا غلام خاکسار بندہ محمد اعظم بن محمد یار آپ کی جناب اقدس سے رحم اور دستگیری کا امیدوار ہے۔ مصرع۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

تو اس طرح البتہ اقرار عجز وانکسار کر کے اپنے حال زار پر توجہ دلاتا ہے اور حدیث میں ہے سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ جناب الٰہی سے میرا وسیلہ مانگو۔ اس واسطے کہا ہے کہ آپ کے سوا میرا کوئی وسیلہ نہیں ہے اور اس زاری وانکساری سے مراد یہ ہے کہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فَعَسَاکَ تَشْفَعُ فِیْہِ عِنْدَ حِسَابِہٖ | فَلَقَدْ غَدَا مُتَمَسِّکًا بِعُرَاکَا

معنے بیت: خدا کرے آپ رحم میں آ کر قیامت کے دن کہ سخت مشکل اور وقت حساب ہے میری

لے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام جب دعا مانگتے تو اپنے آپ کو بایں لفظ تعبیر کرتے عَبْدُکَ وَ ابْنُ عَبْدِکَ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوں کہا کرتے عَبْدُکَ وَ ابْنُ اَمَتِکَ۔

شفاعت کریں اور خدا سے مجھے مانگ لیں۔

کیا خوب ہو روز جزا تو از رہ لطف و عطا
ہو پیش ذات کبریا میری شفاعت کو کھڑا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فَلَانْتَ اَکْرَمُ شَافِعٍ وَّ مُشَفَّعٍ! | وَمَنِ الْتَجٰی بِحِمَاکَ نَالَ رِضَاکَا

معنے بیت: اللہ کے نزدیک آپ بہت معزز ہیں اور آپ شفاعت کے مجاز بھی ہیں اور آپ کی شفاعت قبول ہے جس نے آپ کی پناہ لی آپ کی خوشنودی حاصل کی۔

پیش جناب کبریا ہے مرتبہ تیرا بڑا
کی جس نے تجھ سے التجا حمایت میں ہوا

فضائل نبی کریم ﷺ

اَنْتَ اَکْرَم ترمذی و دارمی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّکُ حَلْقَ الْجَنَّۃِ فَیَفْتَحُ اللّٰہُ لِیْ فَیُدْخِلُنِیْھَا وَ مَعِیَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ ۔ میں ہی سب سے پہلے پہل شفاعت کیلئے کھڑا ہوں گا اور شفاعت کیلئے اجازت دیا جاؤں گا اور میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ سب سے اول جنت کا دروازہ میں ہی جا کر کھٹکھٹاؤں گا لیکن میں اس پر کچھ اپنا فخر بیان نہیں کرتا۔ اللہ تعالی بہشت کے دروازے میرے لئے کھول دے گا۔ میں سب سے پہلے بہشت میں جاؤں گا اور میرے مسکین مومنین میرے ساتھ ہوں گے۔ میں اس پر بھی کچھ اپنا فخر بیان نہیں کرتا اور اللہ کے نزدیک سب پیغمبروں سے مکرم تر ہوں میں اس پر کچھ فخر بیان نہیں کرتا اور دارمی کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مرسلین و انبیاء کا پیشوا میں ہوں گا اور خاتم الانبیاء بھی میں ہی ہوں۔

فَاجْعَلْ اِقْرَاکَ شَفَاعَةً لِیْ فِیْ غَدٍ | فَعَسٰی اَرٰی فِی الْحَشْرِ تَحْتَ لِوَاکَا

معنے بیت: اے میری آنکھوں کے نور حشر میں مجھے بھی اپنا شفاعت سے بہرہ مند کرنا اور اپنے لوائے حمد کے زیر سایہ جگہ دینا۔

اے جلوۂ نورِ خدا اے نورِ چشمِ اصطفا
ہو کاش تو شافع مرا لے مجھ کو بھی زیرِ لوا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا عَلَمَ الْھُدٰی | مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاکَا

معنے بیت: اے ہدایت کے نشان اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ پر بقدرِ شوق دل مشتاقان زیارت بابرکت درود نازل فرمائے۔

پہونچے قیامت تک شہا تجھ پر درود اللہ کا | صبح و مسا بے انتہا عدد الٰہی کلھا

فضائل درود شریف

ف: رسول مقبول ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت جس قدر حدیثوں میں مذکور ہے ان سب کو شمار کرنا کچھ آسان نہیں۔ بقدر ماتیسر ہر ایک اہل علم نے اپنے اپنے مصنفات ومولفات میں ان کو روایت کیا ہے صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دس بار اس پر رحمت بھیجتا ہے یعنی ہر ایک کے بدلے دس حصہ زیادہ عوض ملتا ہے چونکہ یہ درخت بحکم آیت ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا (اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں۔ ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے --پ ۸ ع ۷) بہت بارآور اور یہ تجارت بامر کریمہ مَنْ جَاءَ

ل: فَاجْعَلْ قِرَایَ شَفَاعَةً بِیْ فِیْ غَدٍ

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو ایک نیکی لائے تو اس کیلئے اس جیسی دس ہیں-- پ ۸ ع ۱۶) نفع بخش اور سود مند ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ عز اسمہ محض فضل و کرم سے خیر خواہی بندوں کیلئے فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ ۲۲، ع ۴) تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی (محمد) پر درود بھیجا کرتے ہیں۔ ایمان والو اگر تم بھی ہماری اور ہمارے فرشتوں کی موافقت کیا چاہتے ہو تو آؤ ہمارے ساتھ ہو جاؤ اور تم بھی ہمیشہ اس پر درود بھیجا کرو اور سلام کیا کرو۔ بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کرنا تو ہم سیکھ چکے درود کس طرح بھیجا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا قُوْلُوْا (یوں کہا کرو) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ ف: جب کوئی آپ کا نام پاک لے تو لینے والے اور سننے والے دونوں کو فی الفور درود پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی آپ کا اسم مبارک لکھے تو اس کو لازم ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ صیغہ درود وسلام کا لکھ کر آگے کو لکھے کیونکہ احادیث صحیحہ میں ترک صلاۃ وسلام پر سخت سخت وعیدیں مذکور ہیں۔

ف (۲): ہر چند کہ صلاۃ وسلام کے صیغے مختلف عبارتوں میں صحابہ وتابعین وتبع تابعین ودیگر صلحا وعلماء محبین سے مروی ہیں لیکن افضل وہی صیغہ ہے جو آپ کا ارشاد ہے اور آپ کی زبان پاک سے نکلا ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اور یہ صیغہ بھی امتثال امر الٰہی میں جامع صیغہ ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

ف (۳): جب کوئی زبان سے درود کہے یا قلم سے لکھے تو اس پر واجب ہے کہ آل محمد کو ضرور ساتھ ملا دے کیونکہ بروایت صحیحین حدیثوں میں اس کی بہت تاکید ہے۔

ف: جب آپ کے نام نامی پر درود لکھنا ہو تو صاف اور سیدھی سطر میں لکھے صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور نام

۱؎ صلوٰۃ جب اسم ذات اللہ سے مضاف ہو تو بمعنی رحم ہے اور ملائکہ سے مضاف ہو تو دعا ہے اور آدمیوں سے مضاف ہو تو رحم طلبی اور قبول شفاعت ہے۔ ق نج و مع (منہ)

کے اوپر رمز وکنایہ سے کسی علامت پر اکتفا نہ کرے مثلؑ یا صلعم کیونکہ یہ طریق مستحدثہ بنی امیہ کا ہے تحفۃ الباقی شرح الفیہ عراقی۔

آل کے معنی اور مراد

آل: لغویوں کے نزدیک لفظ آل بمعنی اہل ہے اور صحابہ اور تبع تابعین اور تمام متبعان کتاب وسنت اور مطیعان امر اہل رسول ﷺ ہیں اور اس کے دلائل کتاب مبسوطہ میں درج ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہوادارانِ جناب مصطفوی (صَلَاۃُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ) کو لیاقت شمول اور اہل بیت دخول حاصل ہو جاتی ہے، اس کو دخول حکمی کہتے ہیں۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے سمعوم بن یوحنا رضی اللہ عنہ جب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر لواء جنگ لیلۃ الہرہ میں شہید ہوئے تو جناب امیر بنفس نفیس ان کو غسل دے رہے تھے اور زبانِ حق بیان سے فرماتے ہیں ھٰذَا رَجُلٌ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ یہ بھی ہمارے خاندان نبوت سے ایک مرد ہے۔ اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حق میں جنگ خندق میں فرمایا تھا (اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ) سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے۔ یہ دخول حکمی ہے ورنہ سلمان فارس کے اور کسریٰ کی اولاد سے تھے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی -- مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ جو اللہ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) بن عبداللہ کی تابعداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کو خدا تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں، نبی صدیق، شہید، صالح دیکھو یہ دخول حکمی ہے غرضیکہ تمام فرمانبردار صادق وراسخ ثابت قدم متقی صالح دل وجان سے آپ کی اور آپ کی آل واولاد کی محبت رکھنے والے حکماء آل ہیں اور صلاۃ کے معنے رسول اللہ کے واسطے خوشنودی اور حصول اجازت شفاعت اور بعث فی مقام محمود ہے اور آل کے واسطے معنے برکت اور کثرت اطاعت اور قبولیت اور عطائے نور اور حصول درجات ہے۔

ف (۵): بعض جاہل جب تک کسی فقیر سے اجازت نہ لے لیں درود شریف نہیں پڑھتے خود احمق اور

بے علم فقیروں کا اپنا بھی یہی اعتقاد ہے۔ بے وقوف یہ نہیں جانتے کہ مرشد حقیقی بامر دامی صَلُّوا وَسَلِّمُوا تمام جہاں کو قیامت تک اجازت دے چکا ہے پھر کسی کی اجازت کی کیا حاجت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَعَلٰی صَحَابَتِکَ الْکِرَامِ جَمِیْعِهِمْ | وَالتَّابِعِیْنَ وَکُلِّ مَنْ وَّالَاکَا

نیز آل پر اصحاب پر اخیار پر ابرار پر

رحمت رہے شام و سحر تیر طفیل اے مقتدا

معنے بیت: اور آپ کے اصحاب پر بھی جو اہل کرامت ہیں بالتمام اور اصحاب کے دیکھنے والوں پر پھر ان پر بھی جو آپ کی محبت رکھیں۔

ف: بیشک جو لوگ آپ کی اطاعت کریں اور ظاہر و باطن آپ کی محبت رکھیں ان پر اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے جسے خود فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُهٗ (پ ۲۲، ع ۳) اللہ وہ ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ صحابہ وہ ہیں جن کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرات چہار یار اور جناب امام حسن اور جناب امام حسین ؓ اور حضرات ازواج النبی، امہات المومنین اور جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن اور تمام بیٹے اور تمام بیٹیاں آپ کے فیض صحبت نبوت میں شامل ہیں۔ اسی طرح بعض آپ کے ان سے ملنے والے اور علم الٰہی لینے والے مرد ہوں یا خواہ عورت تابعین میں داخل ہیں۔ اسی طرح آپ کی محبت رکھنے والے صحابی ہوں یا تابعی تبع ہوں یا اور قیامت تک تمام آپ کے ہوا خواہ ذکور اناث، علما و فقرا، محدثین و فقہا، درویش و اغنیا، ائمہ اہل بیت سب لفظ وَالا میں مندرج ہیں۔ سبحان اللہ! امام صاحب ؒ نے کیسی مختصر تقریر میں کس لطف سے سب کو شامل کیا ہے الحق یہ آپ ہی کا حق ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(تمت)

گلہائے عقیدت بحضور امام اعظم

ابوالطاہر فدا حسین فدا

اک عکسِ جمالِ فطرت ہے تصویر امامِ اعظم کی
ہیں نقش و نگارِ روئے نبی تحریر امامِ اعظم کی

اللہ رے نطقِ روح قدس تقریر امام اعظم کی
ہے ارض و سما میں گونج رہی تکبیر امامِ اعظم کی

ہر ذکر حدیث و قرآں ہے، ہر فکر اساسِ ایماں ہے
تائیدِ جنابِ ایزد ہے تدبیر امام اعظم کی

تھے برشِ تیغِ ید الٰہی اور قاطع باطل، سیف زباں
دیکھی ہے سلاطیں نے چلتی شمشیر امام اعظم کی

وہ بقعہ نورِ عشق بنا اور مہبط سر الوہیت
جس ظلمت خانہ دل پہ پڑی تنویر امام اعظم کی

مداح زباں سوسن کی ہوئی مخمور ہے چشمِ نرگس بھی
ہر جنس نظر آتی ہے یہاں نخچیر امام اعظم کی

ہے حق و صداقت کی مظہر مہمیز پئے تکذیب و خطر
تحریر امام اعظم کی، تقریر امام اعظم کی

مقبولِ خدائے واحد ہیں، محبوبِ رسولِ اکرم ہیں
سبحان اللہ! ماشاء اللہ، تقدیر امام اعظم کی

ہیں مظہر نورِ نبوت بھی، تزئینِ حریمِ وحدت بھی
ہے کوشکِ ملت و شرعِ نبی تعمیر امام اعظم کی

ہے جن و بشر کا ذکر ہی کیا، کہتے ہیں یہ حور و غلماں تک
لا ریب بیان کرتے ہیں سبھی تطہیر امام اعظم کی

اللہ رے اوج بخت رسا یہ عظمت صاحب رشد و ہدیٰ
ہے محفل کون و مکان و زماں جاگیر امام اعظم کی

ہے جاہل و حاسد کور نظر اور دین سے بھی وہ بیگانہ
جو راندۂ درگہ کرتا ہے تحقیر امام اعظم کی

لمعات جمال ماہ عرب ہوں کیوں نہ فروزاں دل میں فداؔ
ہے میرے تصور میں ہر دم تصویر امام اعظم کی

فقہ حنفی منزل بہ منزل

ڈاکٹر ام سلمٰی گیلانی
ایسوسی ایٹ پروفیسر جناح کالج پشاور

ملت اسلامیہ کے سب سے پہلے مفتی اعظم نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ بنی نوع انسان کو تعلیم کا طریقہ سکھایا جارہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْہِنَّ ۙ وَ مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ (النساء ۴: ۱۲۳)

ترجمہ: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے (کنز الایمان)

اسی طرح کلالہ کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا

یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ؕ (النساء ۴: ۱۷۶)

ترجمہ: اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات میں ''افتاء'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے، اس منصب عظیم پر سب سے پہلے اس امت میں حضور ﷺ فائز ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء: ۴: ۵۹)

ترجمہ: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا (کنز الایمان)

آنحضرت ﷺ کے بعد اس عظیم منصب پر آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام ؓ فائز ہوئے۔ نبی

کریم ﷺ کا ارشاد ہے" میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔ حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ

"(صحابہ کرام ؓ) امت میں سب سے زیادہ نرم دل سب سے زیادہ گہرے علم والے سب سے کم تکلف والے اور حسنِ بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح ایمان میں سب سے زیادہ سچے خیر خواہی میں سب سے آگے اور باعتبار وسیلہ اللہ سے قریب تر ہیں۱۔ اسی لئے ان کی اقتداء لازمی ہے"۔

فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں یہی معنی آیہ مبارکہ میں بھی استعمال ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ طَبَعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اس لئے وہ سمجھتے نہیں۔ لیکن اصطلاحِ فقہ میں شرح میں لفظ فقہ علمِ دین کیلئے مخصوص ہے۔

امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فقہ انسان کے ماله و ما عليه کی معرفت کا نام ہے۲۔ احمد بن مصطفیٰ لکھتے ہیں

وَ هُوَ عِلْمٌ بَاحِثٌ عَنِ الْاَحْكَامِ الْفَرْعِيَةِ الشَّرْعِيَةِ الْعَمَلِيَةِ مِنْ حَيْثُ اسْتِنْبَاطِهَا عَنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَةِ (مفتاح السادہ صفحہ ۱۹۴)

ترجمہ: فقہ وہ علم ہے جو شریعت کے احکام فرعیہ عملیہ سے بحث کرتا ہے اس حیثیت سے کہ احکامات کو ان کے تفصیلی دلائل سے کس طرح اخذ کیا گیا ہے۔

علمائے فقہ کی تعریف کے مطابق علمِ فقہ دین سے متعلق ہر معاملہ میں غور و فکر کرتا ہے کیونکہ علم فقہ وہ علم ہے جو احکامِ تفصیلیہ کے دلائل سے مستنبط ہو۔ اب فقہ کا فرض ہے کہ اپنے فکر و تامل اور قوتِ استدلال کے ذریعہ احکام اور ان کے دلائل میں اس منطقی ارتباط کو سمجھے جو دونوں میں موجود ہے چنانچہ انہی اصول کلیہ کے متعلق "مجامع الحقائق" میں ہے

"الاسباب مطلوبۃ الاحکام یعنی احکام کیلئے اسباب کا جاننا ضروری ہے۔ اسی لئے علمِ اصول میں دلائل شرع سے استنباطِ احکام کے طریقوں پر بحث ہوتی ہے۔ اس علم کا موضوع بھی یہی احکام و دلائل

۱: اعلام الموقعین صفحہ ۵ جلد ۱ ۲: توضیح صفحہ ۵

ہیں۔ اسلامی قانون سازی کے ماخذ اور اصول بھی دلائل شرع کہلاتے ہیں اور ان میں سے جن پر جمہور علماء کا اتفاق ہے یہی شریعت کے ماخذ اور تفصیلی احکام کا سرچشمہ ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قیاس۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل ۱۶: ۴۴)

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں (ترجمہ از کنز الایمان)

غور و فکر یہ ہے کہ قرآنی احکام کو ٹھیک سمجھیں، اسباب و علل معلوم کریں بعض علماء نے ان چاروں بنیادی اصولوں کے علاوہ استحسان ۱، مصالح مرسلہ ۲، استصحاب ۳، اور مسلکِ صحابی، اسلاف

۱: استحسان کا مفہوم لغت عرب میں کسی امر کو حسن سمجھنا ہے اور حسن اصطلاحا ہر اچھی شے کو کہتے ہیں اسی لئے قرآن وسنت اور فقہاء کے کلام میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ استحسان خواہشِ نفس کی اتباع میں قائم کی جانے والی رائے کا نام نہیں ہے بلکہ دلیل وسند کے ساتھ کہی ہوئی بات ہے جو بادی النظر میں قائم کی جانے والی رائے سے زیادہ قوی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت کی مصلحت عامہ یعنی دین کو دشواری سے بچا کر عام و خاص کو سہولت پہنچانا اور مشکلات کو دور کرنا استحسان کی، اہم ترین مصلحت ہے۔

۲: مصالح مرسلہ: وہ مصلحتیں جن میں اعتبار کی قید لگی ہوئی نہیں ہے بلکہ شریعت اس کے بارے میں خاموش ہے ایسی مصالح کی دو اقسام ہو سکتی ہیں: ایک تو وہ جو شریعت کے مزاج اور اس کے عام احکام کے مخالف ہیں تو ظاہر ہے ایسی مصالح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ مصالح بھی اس فہرست میں داخل ہیں جنہیں شریعت نے رد کر دیا ہے۔ دوسری وہ مصالح جن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے بارے میں متعین طور سے کوئی نص شرعی وارد نہیں لیکن شریعت کے مزاج اور اس کی عمومی ہدایات و تفرقات کے ساتھ یہ مصالح ہم آہنگ ہیں۔ اسی لئے استصلاح کو احکام شریعت کے باب میں حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اصطلاحا مصلحت اس نفع کو کہتے ہیں جو شارع حکیم کو بندوں کیلئے مقصود ہو یعنی حفاظت دین، حفاظت نفس، حفاظت عقل، حفاظت نسل، حفاظت مال اور ان امور کا دفیعہ جن سے دین نفس عقل نسل اور مال کو نقصان ہوتا ہو۔ ایسی مصالح، مصالح شرعیہ معتبرہ کے ذیل میں داخل کر کے انہیں "اساس حکم" قرار دینا اور ان کی بنیاد پر حوادث وواقعات کا حکم شرعی متعین کرنا جن کے بارے میں کوئی نص یا اجماع وارد نہیں ہے، استصلاح کہلاتی ہیں۔

۳: استصحاب: زمانہ حال میں کسی امر کے ثابت ہونے کا حکم اس بنیاد پر دینا کہ زمانہ ماضی میں یہ امر ثابت تھا۔

(کشف الاسرار، علاؤالدین عبد العزیز البخاری صفحہ ۳۷۷ جلد ۳)

کے قوانین کو بھی بطورِ استدلال شرعی کا ماخذ قرار دیا ہے۔

اجتہاد اور استنباط کا طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے شروع ہوا اور علم الفقہ کا بتدریج ارتقاء ہوتے ہوئے علقمہ بن قیس، ابراہیم نخعی، حماد بن مسلم حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ نے مدون کر کے کمال تک پہنچا دیا۔ کتاب الفرائض و کتاب الشروط تصنیف کیں اور امام مالک نے موطا میں آپ ہی کی پیروی کی۔ محمد بن حسن نے آپ کی روایات کو جمع کر کے فروع کو تنقیح کیا جس قول سے آپ نے رجوع کیا[۱] اسے بیان کر دیا اور جو حوادث ان کے وقت میں بکثرت ہوئے انہوں نے فقہ کو مدون کر کے اس قدر کتابیں تصنیف کیں کہ آنے والی نسلوں کو ایک بیش بہا قیمتی سرمایہ فراہم کر دیا۔

علامہ تفتازانی اس کی تفصیل کتاب تلویح میں یوں تحریر کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کے مفاہیم تک رسائی کیلئے لازمی ہے لغت، نحو، صرف اور معانی و بیان میں مہارت ہو اور اصولی طور پر جو خصوصیت احکام پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کی معرفت میں بھی کمال ہو مثلاً عام، خاص، مشترک، مجمل، مفسر اور اقسامِ دلالات وغیرہ بھی جاننا ضروری ہے اور مفاہیم سنت تک پہنچنے میں جہاں یہ تمام علوم اور اقسام اصولی شرط ہیں وہیں احادیث کی سند اور احوال و رواۃ پر بھی آگہی ضروری ہے۔ قیاس کی شرائط، اقسام اور ان کے احکام نیز ان میں مقبول اور نامقبول میں تمیز کا علم بطور ملکہ حاصل ہو، فقیہ کو اجماعِ امت سے بھی آگاہ ہونا چاہئے تاکہ اجتہاد اجماع سے مزاحم نہ ہو[۱]۔

جبکہ امام سرخسی نے تمامیت فقہ کیلئے عمل صالح کی قید کا اضافہ بھی فرمایا۔

اِنَّ تَمَامَ الْفِقْهِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِاِجْتِمَاعِ ثَلٰثَةِ اَشْیَاءَ الْعِلْمِ بِالْمَشْرُوْعَاتِ وَالْاِتْقَانُ فِیْ مَعْرِفَةِ ذٰلِکَ بِالْوُقُوْفِ عَلَی النُّصُوْصِ بِمَعَانِیْهَا وَ ضَبْطِ الْاُصُوْلِ بِفُرُوْعِهَا ثُمَّ الْعَمَلُ بِذٰلِکَ فَتَمَامُ الْمَقْصُوْدِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِالْعَمَلِ بَعْدَ الْعِلْمِ[۲]

ترجمہ: بیشک فقہ کی تکمیل ان تین چیزوں کے جمع ہونے پر ہے، جائز چیزوں پر علم اور اس پر اتفاق کے

۱: تلویح مصری صفحہ ۱۱۷-۱۱۸، جلد۲

۲: اصول سرخسی صفحہ ۱۰، جلد ا

نصوص مع ان کے معانی پر آگاہی اور حفظِ اصول مع فروع پھر اس پر عمل کرنا پس مقصد کی تکمیل علم کے بعد عمل کے بغیر ممکن نہیں۔

اجتہاد کیلئے جن علوم کی مہارت شرط اسی طرح اصول وفروع کی تفصیلات نیز اجماع امت اور قیاس کے اقسام واحکام میں کس قدر بصیرت لازم ہے ان شہادات سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ فقیہہ ہر مسئلہ کا استنباط اس کی تفصیلی دلیل سے کرنے پر قادر ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں جب تک وہ فقیہہ ثاقب الذہن طباع علیم الفکر اور نکتہ رس قابلِ اعتماد نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ فقیہہ کو تدین و تقوئی سے بھی متصف ہونا چاہئے تا کہ قدم بقدم اسے تائید غیبی بھی حاصل رہے۔ عہد صحابہ کے بعد امام ابوحنیفہ ﷫ تمام فقہاء کے امام اور قائد شمار کیے گئے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں

مَا رَأَیْتُ اَحَدَ اَفْقَهَ مِنْهُ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَفَقَّهَ فَعَلَیْهِ بِهٖ وَ بِاَصْحَابِهٖ (مفتاح السعادہ ج ۲ ص ۲۰۲)

ترجمہ: میں نے ان سے زیادہ فقیہہ نہیں دیکھا اور جو فقہ سیکھنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں سے استفادہ کرے۔

اصول وفروع کی ترتیب عہد امام ہی میں مکمل ہوگئی البتہ فکری مراتب کے اعتبار سے ان کی تہذیب کا کام ہر دور میں جاری رہا۔ اس لئے طبقات فقہا کا تعین بھی ضروری ہوا تا کہ ہر ایک کی منزلت اور طبقاتی خصوصیت کی رعایت سے ان کے اقوال کی تنقیح اور ترجیح کا اعتبار کیا جائے۔

علماء کرام نے ان فقہائے عظام کو سات طبقوں میں تقسیم کیا۔

۱: مجتہدین فی الشرع: امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد بن حنبل اور وہ صحابہ کبار جنہوں نے اصول اور قواعد کو موسس اور مقرر کیا اور احکامِ فروع کو دلائلِ اربعہ یعنی کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط کیا اور یہ طبقہ کسی کا مقلد نہیں کیونکہ چاروں ائمہ کرام کے برابر اب تک کسی کو علم اور فہم حاصل نہیں ہوا۔

۲: مجتہدین فی المذاہب: وہ فقہاء ہیں جو مجتہد فی الشرع سے منقول قواعد کی پابندی کے ساتھ

دلائل سے استخراجِ مسائل پر قادر ہیں۔ اگرچہ بعض فروع میں مجتہد فی الشرع کے خلاف بھی ہیں مثلاً امام ابو یوسف و محمد و زفر وغیرہ۔

۳: مجتہدین فی المسائل: وہ فقہاء جو اصول و فروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کا استنباط کرنے پر قادر ہیں۔ شمس الائمہ حلوانی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضیخان اور شیخ ظاہر احمد صاحب وغیرہ وغیرہ۔

۴: اصحاب تخریج: یہ لوگ اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے لیکن اصول اور ماخذ، تفسیر مجمل، تفصیل مبہم اور تعین متحمل پر قادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ رازی وغیرہ جو اجتہاد پر اصلاً قادر نہیں لیکن وہ احاطہ اصول اور ضبطِ ماخذ سے امام کے قول مجمل ذی الوجہین اور حکمِ مبہم متحمل الامرین یعنی قول پہلودار کی تفصیل پر اس کے امثال اور نظائر پر قیاس کرنے کے قادر ہیں۔ ہدایہ میں جو بعض مواقع پر تخریج رازی کا ذکر آیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

۵: اصحاب الترجیح: مذہب کی روایت مختلفہ میں کسی ایک کو ترجیح دینے پر قادر ہوتے ہیں۔ ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶: اصحاب تمیز: وہ مجتہد جو قوی و اقوی اور ضعیف نیز ظاہر الروایہ اور نوادر وغیرہ میں فرق کرتے ہیں جیسے شمس الائمہ محمد کردری، جمال الدین حصیری اور حافظ الدین النسفی وغیرہ وغیرہ۔

۷: اصحابِ تلقین: جو تمیز روایات پر قادر نہیں، کھرے کھوٹے میں امتیاز کی تمیز نہیں رکھتے۔

مدارجِ فقہاء

مفتیانِ مدینہ

۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)

۲: حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۳ھ)

۳: حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۸ھ)

۴: حضرت سعید ابن المسیب المخزومیؓ (م ۹۴ھ)

۵: حضرت عروہ بن زبیر بن العوام الاسدیؓ (م ۹۴ھ)

۶: ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ (م ۹۴ھ)

۷: حضرت علی بن الحسینؓ (م ۹۴ھ)

۸: حضرت عبیداللہ بن عبداللہؓ (م ۱۰۴ھ)

مفتیانِ مکہ

۱: حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۷ھ)

۲: حضرت مجاہد ابن جبیرؓ (م ۱۰۳ھ)

۳: حضرت عکرمہ ابنِ عباسؓ (م ۱۰۴ھ)

۴: حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلمؓ (م ۳۸ھ)

مفتیانِ یمن

۱: حضرت طاؤس ابن کیسان الجندیؓ (م ۱۰۶ھ)

۲: حضرت وہب ابن اعغانیؓ (م ۱۱۴ھ)

مفتیانِ کوفہ

۱: حضرت علقمہ بن قیسؓ (م ۶۸ھ)

۲: حضرت مسروق بن الاجدعؓ (م ۶۳ھ)

۳: حضرت شریح بن الحارثؓ (م ۹۵ھ)

۴: حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ (م ۱۳۸ھ)

۵: حضرت عامر بن شرجیل رضی اللہ عنہ (م ۱۰۳ھ)

مفتیانِ شام

۱: حضرت عبد اللہ بن غنم الاشعری رضی اللہ عنہ (م ۷۸ھ)

۲: حضرت رجاء بن حیرۃ الکندی رضی اللہ عنہ (م ۱۱۲ھ)

مفتیانِ مصر

۱: حضرت عبد ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (م ۶۵ھ)

۲: حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ (م ۱۲۸ھ)

پہلی صدی ہجری

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نعمان نام ابو حنیفہ کنیت۱ تھی، امام اعظم لقب تھا۔ آپ کے دادا علوی دورِ خلافت میں اسلام قبول کیا اور اسلامی نام نعمان رکھا گیا۔ اپنے وطن سے ہجرت کر کے کوفہ پہنچے۔ بارگاہِ علوی میں حاضری دی اور وطن کا تحفہ ''فالودہ'' نذر گزاری۲۔ اپنے بچے کیلئے دعا کی درخواست کی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے دعائے خیر دی۳۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پینتالیس برس کی عمر کو پہنچے تو ۸۰ھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرزند عطا کیا۔ دادا کے نام پر نعمان نام رکھا۔ آپ کی عمر جب بارہ یا تیرہ سال کی ہوئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱: امام اعظم کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہیں تھا بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط۔ اسی لئے آپ نے یہ کنیت اختیار کی (مذہب الاسلام صفحہ ۳۱)

۲: تاریخِ علمِ فقہ

۳: تاریخِ خطیب، صفحہ ۳۲۶/۲۳

سترہ سال کی عمر سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی طرف بھرپور توجہ کی۔ عقائد کی اہمیت کے خیال سے علم الکلام کی طرف توجہ کی چونکہ علمی دنیا میں فقہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھیں اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں فقہ کی طرف آپ نے اپنی توجہ مذکور رکھی اور اس فن میں یگانہ روزگار ہو گئے۔ ۱۰۰ھ میں امام حماد کی درسگاہ میں حاضر ہوئے اور تقریباً بیس سال تک علمی استفادہ حاصل کرتے رہے۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی ہے!

دوسری صدی ہجری

ابراھیم بن رستم ابوبکر المروزی ؒ

علامہ وفقیہہ اور ثقہ محدث تھے، ابوبکر کنیت اور نجم الدین لقب تھا۔ فقہ کو امام محمد سے اخذ کیا اور ان سے نوادر کو لکھا۔ نیز عالم الحدیث اسد عمرو بجلی اور ابی علمہ نوح بن مریم مروزی جو کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک، ثوری، سعید، حماد بن سلمہ اور عیاش سے سنا اور روایت کی، کئی مرتبہ بغداد آئے۔ امام احمد بن حنبل، ابوخثمہ زہیر بن حرب نے روایت کی اور ایک جم غفیر نے تفقہ کیا۔ خلیفہ مامون الرشید نے آپ کو قضاء کے عہدہ کی پیشکش کی لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا اور اپنے وطن واپس چلے گئے۔ دس ہزار درہم صدقہ دیا، حج کر کے جب نیشاپور پہنچے تو ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

امام زفر بن الھذیل بن قیس بن سلیم العنبری البصری

آپ کے والد اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے، امام ابوحنیفہ کے ان دس اصحاب کی کمیٹی میں سے تھے جنہوں نے امام صاحب کی کتب فقہ کی تدوین میں مدد کی۔ سلیمان عطار

۱: سیرت النعمان، علامہ شبلی نعمانی، صفحہ ۱۵، تا ۵۱ شذرات الذہب عبدالحی بن الحماد صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۹، جلد ا

۲: آپ کی کنیت مرو سے تھی، مرو بفتح المیم و سکون الراء المھملہ فی اخرھا واز یقال لھا مرو الشاھجھان، الفوائد البھیھہ فی التراجم الحنفیہ۔

سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے نکاح کی تقریب پر امام ابوحنیفہ کو بلایا اور آپ سے خطبہ پڑھنے کیلئے کہا تو آپ نے ان الفاظ میں خطبہ دیا" هٰذَا زُفَرُ اِمَامٌ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَالِمٌ مِنْ اَعْلَامِهِمْ فِيْ شَرَفِهٖ وَ حَسَبِهٖ وَ نَسَبِهٖ " یعنی امام زفر ائمۃ المسلمین میں سے ہیں اور اعلام میں اپنے شرف، حسب ونسب کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں۔

حماد بن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے امام ابو یوسف کے بعد ان جیسا کوئی فقیہہ نہ تھا۔ داؤد طائی سے روایت ہے کہ ابو یوسف اور زفر اکثر فقہ میں ہی مناظرہ کرتے تو آپ کے جید اللسان ہونے کی وجہ سے ابو یوسف بسا اوقات مضطرب ہو جاتے تھے۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ زفر ثقہ مامون ہیں، بصرہ میں اپنے بھائی کا ورثہ لینے آئے مگر لوگوں نے آپ کو یہاں سے واپس نہ چھوڑا۔ اسی لئے بصرہ ہی میں ۱۵۸ھ میں وصال ہوا۔

داؤد بن نصیر الطائی کوفی

آپ کی کنیت ابوسلیمان تھی، محدث، ثقہ، زاہد اعلم افضل اور متقی زمانہ تھے۔ اعمش اور ابن ابی لیلیٰ سے حدیث سنی اور بہت سی احادیث ان سے ہی کتابت کیں۔ پھر امام ابوحنیفہ کی صحبت میں داخل ہوئے اور بیس برس تک آپ ہی کی شاگردی میں صرف کر کے فقہ اخذ کیا۔ ۱۶۰ھ میں اور بعض کے نزدیک ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

نوح بن ابی مریم المروزی

جامع کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ آپ نے سب سے پہل امام ابوحنیفہ کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا اور آپ اجمع العلوم بھی تھے۔ آپ کی چار مجالس ہوتیں ایک حدیث و آثار، دوم اقاویلِ امام ابوحنیفہ، سوم نحو، چہارم اشعار و ادب۔

آپ فقہ میں تو جلیل القدر ہیں ہی لیکن محدثین کے نزدیک مجروح ہیں[۱]۔ جب آپ سے اس کی

---

[۱] تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ صفحہ ۵۱

وجہ پوچھی گئی تو آپ نے بیان کیا کہ میں نے فضائل قرآن میں اس لئے احادیث وضع کیں کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں مشغول ہو گئے ہیں۔ ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔

حماد بن امام اعظم

آپ کی کنیت ابو اسمٰعیل تھی، نہایت ہی عابد، زاہد اور پرہیز گار تھے۔ حدیث وفقہ کو اپنے والدِ ماجد سے سنا اور اخذ کیا۔ وہ اپنے والد ماجد ہی کے سامنے صاحبِ فتاوٰی ہوئے۔ آپ امام یوسف، امام محمد، امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہ کے طبقہ میں تھے۔ تدوینِ کتبِ فقہ میں ان کے معاون تھے۔ ابنِ عدی نے آپ کو حافظہ کی رو سے ضعیف قرار دیا۔ ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔

شریک بن عبداللہ کوفی

کنیت ابوعبداللہ، امام ابوحنیفہ کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ نے امام اعمش اور ابنِ شیبہ سے بھی حدیث کو سنا جبکہ عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی۔ تقریب التہذیب میں تحریر ہے کہ آپ پہلے شہر واسط کے قاضی تھے بعد میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ عادل و فاضل، عابد و صدوق اور اہل ہوا و بدعت پر بڑے سخت گیر تھے۔ ۱۷۷ یا ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔

یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد بن عتبہ انصار صحابی

کوفہ میں ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی کنیت ابو یوسف تھی، آپ امام اجل، فقیہہ اکمل، عالمِ ماہر، فاضلِ متبحر، حافظِ سنن، صاحبِ حدیث، ثقہ، مجتہد فی المذہب اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سب سے متقدم تھے۔ پہلے پہل امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کتابیں لکھیں اور مسائل کو املا و نشر کیا۔ سماعتِ حدیث امام ابوحنیفہ، ابواسحٰق شیبانی، وسلیمان تمی، یحییٰ بن سعد، سلیمان اعمش و ہشام بن عروہ،

۱: حدائق الحنفیہ، صفحہ ۱۴۱،

عبداللہ بن عمر عمری، عطاء بن سائب، محمد بن اسحٰق بن یسار، لیث بن سعد سے کی اور علم الفقہ ابن لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ سے اخذ کیا۔

آپ سے امام محمد بن حسن شیبانی، بشری بن ولید کندی اور امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، احمد بن منیع اور علی بن جعد وغیرہ نے روایت کی۔ امام احمد بن حنبل و یحیٰ بن معین اور علی بن مدینی نے آپ کی ثقاہت نقل فی الحدیث میں کچھ اختلاف نہیں کیا بلکہ امام غزالی نے کہا ہے کہ حدیث میں آپ کی متابعت سب سے اولیٰ ہے۔

امام محمد

محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ فقہ، حدیث اور لغت کے امام تھے۔ ۱۳۲ھ میں یا ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ امام ابوحنیفہ کی شاگردی کی اور مدت تک ان کے پاس رہنے سے تفقہ فی الدین کیا۔ علم الحدیث امام ابوحنیفہ و ابویوسف، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، امام مالک و مالک بن دینار، امام اوزاعی، ربیعہ اور مالک بن مغول وغیرہ سے سنا۔

آپ سے امام شافعی، ابوعبید القاسم بن سلام، ابوحفص کبیر، احمد بن حفص، ابوسلیمان جوزجانی، موسیٰ بن نصیر رازی، اسمٰعیل بن لولہ، علی بن مسلم، حمد بن سماعہ، معلّیٰ بن منصور، ابراہیم بن رستم، ہشام بن عبیداللہ، عیسیٰ ابن امام، محمد بن مقاتل اور شداد بن حکیم وغیرہ نے روایت کی۔

شامی میں لکھا ہے کہ امام محمد فراء نوی ولغوی کی خالہ کے بیٹے ہیں۔ علم لغت میں مثل ابی عبید اور اصمعی، خلیل اور کسائی کی مثل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے نوسو ننانوے تصانیف لکھیں جس میں دس لاکھ ستر ہزار تیس اور دوسری روایت کے مطابق دس لاکھ ستر ہزار ایک سو مسئلہ نکالا۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

علی بن مشہر کوفی

امام ابوحنیفہ کے ان اصحاب میں سے تھے جنہوں نے فقہ و حدیث کو جمع کیا، ابوالحسن کنیت تھی،

اپنے زمانہ کے عامل، صاحب روایت و درایت اور ثقہ تھے۔ حدیث کو اعمش اور ہشام بن عروہ سے سنا اور آپ سے سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کا علم اور ان کی کتب کو اخذ و نقل کیا۔ عرصہ دراز تک موصل کے قاضی رہے، ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

یوسف بن امام ابویوسف

آپ فقیہہ و محدث تھے، اپنے والد اور یونس بن ابی اسحٰق سبیعی اور سری بن یحیٰی وغیرہم سے اخذ کیا اور اپنے والد کی زندگی میں ہی بغداد کے غربی جانب کے قاضی مقرر ہوئے اور ہارون رشید کے حکم سے مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بغداد میں ماہِ رجب ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

سفیان بن عیینہ

سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الہلال الکوفی، محدث، ثقہ، حافظ، فقیہہ، امام حجت اور آٹھویں طبقہ کے رؤس میں سے تھے۔ ابومحمد کنیت تھی، کوفہ میں ۱۵ شعبان ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امام ابوحنیفہ سے تحصیل علم الحدیث کیا اور آپ سے روایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے محدث بنایا۔ پھر عمرو بن دینار اور ضمرہ بن سعید کی مصاحبت کی۔ آپ سے امام شافعی، شعبہ بن حجاج، محمد بن اسحٰق، اب جریج، زبیر بن بکار اور آپ کے چچا مصعب عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، یحیٰی بن اکثم نے روایت کی۔ ۱۹۸ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

تیسری صدی ہجری

ابراہیم بن رستم المروزی

علامہ وفقیہہ محدث ثقہ تھے۔ ابوبکر کنیت اور نجم الدین لقب تھا، فقہ امام محمد سے اخذ کیا، سماعت حدیث اسد عمرو بجلی، ابی علمہ نوح بن مریم مروزی شاگردانِ امام ابوحنیفہ اور نیز امام و ثوری، سعید، حماد

بن سلمہ اور اسمٰعیل بن عیش سے کی۔امام احمد بن حنبل، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب نے روایت کی۔آپ نے ۲۱۱ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

اسمٰعیل بن حماد بن امام ابی حنیفہ کوفی

عالم فاضل، عابد، زاہد، صالح تھے، آپ نے اپنے جد امجد امام ابوحنیفہ کو نہیں دیکھا۔کنیت ابو عبداللہ تھی، علم الفقہ اپنے والد حماد اور حسن بن زیاد سے اخذ کیا۔آپ نے فقہ میں کتاب جامع اور کتاب قدریہ کے رد میں لکھی اور کتاب ''ارجاء'' میں تصنیف فرمائی۔آپ نے ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

خلف بن ایوب بلخی

امام زفر اور امام محمد کے اصحاب میں سے تھے۔فقیہ، محدث، عابد، زاہد صالح تھے۔آپ کی کنیت ابوسعید تھی۔سماعتِ حدیث اسرائیل بن یوسف سے کی۔اسد بن عمرو اور عوف ومعمر سے روایت کی جبکہ آپ سے امام احمد اور ابوکریب نے روایت کی۔آپ نے ۲۱۵ھ یا ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔

احمد بن حفص المعروف ابوحفص کبیر بخاری

مجتہدِ عصر، فقیہ بے تمثیل تھے۔فقہ وحدیث امام محمد سے حاصل کی۔آپ کے اصحاب اس قدر تھے کہ شمار میں نہ آسکتے تھے۔چنانچہ سمعانی شافعی نے لکھا ہے کہ بخاری کے پاس ایک گاؤں آباد تھا جہاں فقہاء کی ایک جماعت آپ ہی کے اصحاب میں سے تھے۔۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

شداد بن حکیم بلخی

امام زفر کے اصحاب میں سے بڑے فقیہ محدث اور احمد بن عمران استاد طحاوی کے شیخ تھے۔ابو عاصم ضحاک الملقب بہ نبیل نے امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد آپ کی صحبت اختیار کی اور فقہ کو اخذ کیا۔پہلے آپ کو بلخ کی قضا کیلئے کہا گیا تھا مگر آپ نے انکار کیا پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ نے خود قضاء کو طلب کیا، لوگوں نے آپ کو ملامت کیا، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے سوا اور بہت سے عالم قضاء

کی صلاحیت رکھتے تھے، اب کوئی نہیں رہا اس لئے میں نے ڈر کر اسے طلب کیا کہ ایسا نہ ہو کہ کل مجھ سے مواخذ کیا جائے۔ ۲۱۰ھ یا ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن سماعہ بن عبداللہ بن ہلال بن وکیع تمیمی کوفی

۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقیہ کامل، محدث، حافظ، ثقہ صدوق تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ نے فقہ امام ابویوسف و امام محمد اور حسن بن زیاد سے اخذ کیا۔ سماعت حدیث لیث بن سعد اور امام ابویوسف اور امام محمد اور حسن بن زیاد سے اخذ کیا۔ آپ سے ابوجعفر احمد بن ابی عمران بغدادی شیخ طحاوی و ابوبکر بن محمد قمی عبداللہ بن جعفر اور ابوعلی رازی وغیرہم نے تفقہ و روایت کیا۔ ۱۹۲ھ میں جب امام ابویوسف کے بیٹے قاضی یوسف فوت ہوئے تو خلیفہ مامون نے آپ کو بغداد کا قاضی مقرر کیا مگر جب بصارت کمزور ہوگئی تو آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ آپ نے امام ابویوسف اور امام محمد سے کتاب نوادر کو لکھا اور کتاب ادب القاضی کتاب محاضر اور سجلات وغیرہ تصنیف کیں۔ ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔

ہلال رائی

ہلال بن یحییٰ بن مسلم الرائی البصری فقیہ، محدث تھے اور لوگ بسبب کثرت علم وفہم کے آپ کو "رائی" کہتے تھے۔ علم الفقہ امام ابویوسف اور امام زفر سے حاصل کیا اور سماعت حدیث ابی عوانہ سے کی۔ آپ نے ایک کتاب شروط میں اور ایک احکامِ وقف میں تصنیف کی۔ ۲۴۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

اسحٰق بن بہلول

فقیہ، محدث حافظ حدیث تھے۔ ۱۶۴ھ میں شہر انبار میں پیدا ہوئے۔ فقہ حسن بن زیاد اور ہیثم بن موسیٰ اصحاب امام ابویوسف سے اخذ کی اور حدیث کو اپنے باپ اور سفیان بن عیینہ اور وکیع بن جراح

اور اسمٰعیل بن عیینہ سے سنا اور روایت کی۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک کتاب فقہ میں متضاد نام اور عالم القراۃ میں اور ایک مسند تحریر فرمائی۔ ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

احمد بن عمرو بن مہیر بن مہران

ابو بکر کنیت تھی المعروف بہ الخصاف الشیبانی، عالم فاضل محدث، فقیہہ، زاہد، پرہیزگار، عارف، مذہب حاسب فرضی تھے۔ اپنے والد ماجد سے علم کا حصول کیا جو امام محمد و حسن کے تلمیذ رشید تھے اور حدیث اپنے باپ اور عاصم وابوداؤد، طیالسی، مسدد اور ایک جماعت سے سنی۔ آپ کی تصانیف میں کتاب الخراج، کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط الکبیر والصغیر، کتاب مناسک الحج، کتاب الرضاع، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب احکام العصیر، کتاب ذرع الکعبہ، کتاب احکام الوقف، کتاب اقرار الورثہ بعضھم لبعض، کتاب الفقر واحکامہ، کتاب المسجد والقبر۔

جب خلیفہ مہدی باللہ مقتول ہوا تو آپ کا مکان بھی لوٹا گیا جس سے آپ کی بہت سے کتابیں ضائع ہوگئیں۔ اسی سال کی عمر میں ۲۶۱ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

محمد بن شجاع ثلجی بغدادی المعروف بہ ابن الثلجی

ماہ رمضان ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے فقیہہ اہل عراق، محدث متورع عابد، قاری اور بحور العلم تھے، کنیت ابو عبداللہ تھی۔ فقہ حسن بن مالک اور حسن بن زیاد سے حاصل کی اور حدیث یحییٰ بن آدم اور اسمٰعیل بن علیہ، وکیع، ابی اسامہ اور محمد بن عمر واقدی سے سنا۔ ایک مدت تک بغداد کے قاضی رہے۔ کتاب تصحیح الآثار، کتاب النوادر، کتاب المضاربہ، کتاب الرد علی المشبہ، کتاب المناسک اور کچھ اوپر ساٹھ جز و کبر میں تصنیف کئے۔ ۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ ابوالحسن بن علی بن صالح اپنے دادا سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے اسی مکان میں دفن کرنا کیونکہ اس مکان کی اسی کوئی اینٹ نہیں کہ جس پر میں نے بیٹھ کر قرآن شریف ختم نہ کیا ہو۔

بکار بن قتیبہ بن اسد بن ابی بردعۃ بن عبداللہ بن بشیر بن عبیداللہ بن ابی بکرہ نفیع بن الحرث صاحب رسول ﷺ

بصرہ میں ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ فقیہ، عالم امام فاضل، محدث، ثقہ، متورع زاہد تھے۔ فقہ یحیٰ بن ہلال رازی اصحاب امام ابو یوسف اور امام زفر سے حاصل کی، ان ہی سے علم شروع کو اخذ کیا۔ حدیث ابوداؤد طیالسی اور ان کے معاصرین سے سنا اور روایت کیا۔ ابوعوانہ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں آپ سے روایت کی اور امام طحاوی نے کثیر فائدہ اٹھایا اور تخریج کی۔ کتاب الشروط، کتاب المحاضر السجلات، کتاب الوثائق والعمود تصنیف کیں اور ایک کتاب امام شافعی کے ان اعتراضات کی تردید میں لکھی جو انہوں نے امام ابوحنیفہ کے بعض مسائل پر کئے۔ آپ کئی برس تک قید میں رہے اور قید ہی کی حالت میں ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

عبدالحمید بغدادی

عبدالحمید بن عبدالعزیز بصری بغدادی عالم فاضل، ثقہ، پرہیزگار، فنون حساب وفرائض میں ماہر کامل اور عمل محاضر وسجلات میں حاذق اور قاضی القضاۃ تھے، ابوحازم کنیت تھی۔ علم عیسیٰ بن ابان تلمیذ امام محمد اور نیز بکر بن محمد عمی اور ہلال بن یحیٰ بصری سے پڑھا اور اخذ کیا۔ امام طحاوی اور ابوطاہر دباس نے تفقہ کیا۔ ابوالحسن کرخی نے مصاحبت اختیار کی۔ کتاب المحافر السجلات، کتاب ادب القاضی، کتاب الفرائض تحریر فرمائیں اور بغداد ہی میں ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

چوتھی صدی ہجری

احمد طحاوی

احمد بن محمد سلامہ بن عبدالملک الازدی الطحاوی[۱] اپنے وقت کے فقیہ عظیم الشان، محدثِ جلیل

۱؎ طحاوی "طحا" کی طرف منسوب ہے جو ملک مصر میں ایک قصبہ ہے (حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۹۰)

القدر اور ثقہ معتمد تھے۔ مصر میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ ثقہ، ثبت اور فقیہ تھے یہاں تک کہ آپ جیسا آپ کے بعد کوئی نہیں ہوا۔ ابوجعفر کنیت تھی، ابتداء میں شافعی المذہب تھے لیکن بعد میں ابوجعفر احمد بن عمران حنفی سے تلمذ کیا۔ ۲۶۸ھ میں شام جا کر قاضی القضاۃ ابا حازم عبدالحمید تلمیذ عیسیٰ بن ابان سے استفادہ کیا اور علم الحدیث ہارون بن سعید ایلی و یونس بن عبدالاعلی محمد بن عبدالحکم و بحر بن نفر وغیرہ ایک جم غفیر تلامیذ ابن وہب اور نیز اپنے والد محمد بن سلام وغیرہ مصریوں سے سنا اور روایت کیا اور آپ سے احمد بن قاسم خشاب و ابوبکر مقری و طبرانی اور محمد بن بکر بن مطروح وغیرہ محدثین نے روایت کی اور ابوبکر بن محمد بن منصور دامغانی وغیرہ نے تفقہ کیا۔ ابویعلی خلیلی نے اپنی کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد شروطی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے کس لئے اپنے ماموں کا مذہب شافعی چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھا کرتا تھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی۔

امام ماتریدی

محمد بن محمد بن محمود ماتریدی مشائخ کبار میں سے بڑے محقق و مدقق متکلمین کے امام اور عقائد مسلمین کے مصلح عابد و زاہد اور صاحب کرامات تھے۔ ابومنصور کنیت تھی، فقہ میں ابی بکر احمد جوزجانی تلمیذ ابوسلیمان جوزجانی سے تلمذ کیا جبکہ آپ سے حکیم قاضی اسحق بن محمد سمرقندی اور علی رستغفنی اور ابومحمد عبدالکریم بن موسیٰ بزدوی نے تفقہ کیا۔ آپ کی مشہور تصانیف کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب اوہام المعتزلہ، کتاب رد الاصول الخمسہ ابی محمد باہلی، کتاب رد الامامۃ بعض روافض، کتاب رد قرامطہ، کتاب ماخذ الشارئع اور اصول فقہ میں کتب الجدل، کتاب تاویلات القرآن ایسی تصنیف ہے کہ کوئی کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ ۳۳۳ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔

امام کرخی

عبیداللہ بن حسین بن دلال بن دلھم کرخی اپنے زمانہ کے امام، عالم فقیہہ، فاضل شیخ ثقہ، طبقہ مجتہدین فی المسائل میں سے تھے۔ ابی حازم اور ابوسعید بروعی کے ریاست مذہب آپ پر منتہی ہوئی۔ ابوالحسن کنیت تھی، ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں کتاب مختصر اور کتاب شرح جامع صغیر اور شرح جامع کبیر وغیرہ ہیں۔ ۱۵ شعبان ۳۴۰ھ کو وفات پائی۔ کرخی کی وجہ تسمیہ کہ شہر ''کرخ'' کی طرف منسوب ہے جو عراق میں واقع ہے۔

علی بن محمد بن ابی الفھم التنوخی

امام کرخی کے اصحاب میں بڑے ذکی عالم اور عارف علم کلام اور نحو اور شعر وعربی میں مقدم اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے دقائق میں خوب ماہر اور عالم لغت وہیئت وعروض وادب میں استاد کامل تھے۔ حدیث وفقہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ آپ عرصہ دراز تک اہواز، واسط اور کوفہ وحمص کے قاضی رہے۔ ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ تنوخی تنوخ کی طرف منسوب ہے، ان قبائل میں سے تھا جو شہر بحرین واقع اقلیم روم میں رہتے ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بلخی ہندوانی المعروف امام ہندوانی

فقیہ بے نظیر محدث عیم التمثل، صاحب زہد وورع تھے۔ ابوجعفر کنیت تھی اور بسبب کثرتِ فقاہت کے ابوحنیفہ صغیر کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ نے علمِ فقہ ابی بکر اعمش شاگردِ ابی بکر اسکاف محمد ابی سلمہ صاحب ابی سلیمان سے حاصل کیا اور آپ سے نصر بن محمد ابواللیث فقیہہ اور جماعت کثیرہ نے تفقہ کیا۔ ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

حسن بن عبداللہ بن المرزبان المعروف بہ القاضی ابوسعید السیر افی النحوی

معرفت نحو، لغت، شعر، عروض، قوافی، قرآن، حدیث، کلام، حساب، ہندسہ میں شیخ الشیوخ اور

امام الائمہ حافظ نظم و تشریح، قرأت قرآن ابنِ مجاہد۔ علمِ لغت ابن درید سے اور علم نحو ابنِ سراج سے حاصل کیا جبکہ علم فقہ عثمان سے اخذ کیا۔ آپ کی تصانیف میں "شرح کتاب سیویہ" ایسی ہے کہ اس کی مثل کوئی دوسری تصنیف نہیں۔ ۲ رجب ۳۸۶ھ میں وفات پائی۔

احمد بن علی بن حسین ابوبکر رازی المعروف بہ جصاص

امامِ زمانہ، مجتہد وقت، علامۂ عصر، حافظِ حدیث اور صاحب عفت و دیانت و زہد تھے۔ ۳۰۵ھ کو بغداد شہر میں پیدا ہوئے، ابوبکر کنیت تھی۔ علمِ فقہ ابو سہل زجاج تلمیذ امام کرخی سے اخذ کیا اور علم الحدیث ابن حاتم اور عثمان دارمی اور عبدالباقی بن قانع وغیرہم محدثین سے سنا اور روایت کیا یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ جرجانی شیخ قدوری و ابوالحسن محمد بن احمد زعفرانی ابوالفرح احمد بن محمد بن عمر المعروف ابن سلمہ، ابوحفص محمد بن احمد نسفی اور ابوالحسن محمد بن محمد کازنی وغیرہ فقہائے بغداد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف میں مختصر کرخی، مختصر طحاوی، شرح جامع امام محمد، شرح اسماء الحسنٰی، کتاب احکام القرآن، کتاب ادب القضاء، کتاب اصول فقہ، واقعاتِ فرہ جلبی۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل کے استفارات بھی پائی جاتے ہیں۔ ۱۴ یا ۱۷ ذی الحجہ ۳۷۰ھ کو بمقام نیشاپور وفات پائی۔

نصر بن محمد بن احمد ابراہیم ابواللیث السمرقندی المعروف امام الہدیٰ

آپ کو ایک لاکھ احادیث یاد تھیں۔ کتب امام محمد و امام وکیع و عبداللہ بن مبارک اور امالی امام ابویوسف آپ کو حفظ تھیں۔ علم فقہ ابوجعفر ہندوانی سے اخذ کیا اور آپ سے ایک جمِ غفیر نے تفقہ کیا۔ قرآن مجید کی تفسیر چار جلدوں میں کی۔ کتاب نوادر الفقہ و خزانۃ الفقہ و تنبیہ الغافلین و بستان العارفین و شرح جامع صغیر و تاسیس النظائر و مختلف الروایۃ و نوازل و عیون اور مختلف فتاوی وغیرہ تصنیف کئے۔ ۱۱ جمادی الآخر ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

احمد بن حسن بی علی فقیہہ مروزی

آپ کی کنیت ابوحامد تھی جبکہ ابن طبری کے نام سے مشہور تھے۔ عالم تفسیر اور حافظ حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ زہد تقویٰ سے معمور اور ماہر اصول وفروع خاص طور سے عارف مذہب امام اعظم تھے، خطیب بغدادی نے لکھا ہے "کہ علماء مجتہدین اور متقدمین میں آپ جیسا کوئی حافظ احادیث اور ماہر ماثورات نہیں ہوا"

علم الفقہ بغداد میں ابی الحسن کرخی اور بلخ میں بی القاسم صنعاء سے حاصل کیا۔ حدیث احمد حصیر مروزی اور ابا العباس احمد بن عبدالرحمٰن برغزی سے سماعت کی۔ کثیر التصانیف تھے، ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔

پانچویں صدی ہجری

محمد بن احمد بن محمود نسفی

آپ اکابر فقہاء میں سے تھے، ابوجعفر کنیت تھی۔ ابی بکر رازی شاگرد امام کرخی سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی اور علم خلاف میں ایک تعلیقات لکھی، ۴۱۴ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمد بن احمد بن جعفر المعروف بہ قدوری

۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابوالحسن کنیت، آپ چوتھے طبقہ کے فقہائے کبار وفضائل میں سے تھے۔ فاضل محدث، صدوق اور عالی قدر ومنزلت تھے۔ عراق میں ریاست مذہب حنیفہ آپ کی طرف منتہی ہوئی۔

سمعانی نے کہا کہ آپ فقیہہ صدوق تھے۔ عمدہ عبارات لکھتے اور ہمیشہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ فقہ وحدیث آپ نے ابی عبداللہ محمد بن یحیٰی جرجانی شاگرد احمد بصاص سے پڑھی۔ خطیب

بغدادی اور قاضی القضاۃ ابوعبداللہ دامغانی نے آپ سے روایت کی۔ ابونصر احمد بن محمد فقیہہ نے آپ سے علم الفقہ حاصل کرنے کے بعد آپ کی کتاب مختصر شرح لکھی۔ آپ شیخ ابا حامد اسفرائنی فقیہہ شافعی سے اکثر مناظرہ کیا کرتے تھے۔ کتاب تجرید در بارہ اختلاف امام ابوحنیفہ وامام شافعی سات جلدوں میں تصنیف کی۔ نیز ایک کتاب تقریب ان مسائل اختلافیہ میں بغیر دلائل کے لکھی جو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان وقوع میں آئے ہیں۔ پھر دوسری تقریب تصنیف کی جس میں ان مسائل اختلافیہ کو بادلائل لکھا۔ بروز ہفتہ ۱۵ ارجب ۴۲۸ھ کو وفات پائی۔

عبیداللہ بن عمر ابوزید الدبوسی

اکابرین فقہائے حنفیہ میں تھے۔ علم خلاف آپ ہی نے وضع کیا اور اس کا اجراء کیا۔ علمِ مناظرہ اور استخراج الحجج میں ضرب مثل تھے۔

ابن خلکان نے لکھا کہ ایک مرتبہ کسی فقیہہ سے آپ کا مناظرہ ہو گیا۔ پس آپ جب اس کو الزام دیتے تھے تو وہ مسکراتا یا ہنس دیتا۔ اس پر آپ نے فی البدیہہ شعر پڑھے۔

مَـالِـىْ إِذَا أَلْـزَمْـتُـهٗ حُـجَّةً   قَـابَـلَـنِىْ بِـالضِّـحْـكِ وَالْـقَـهْـقَـهْ

إِنْ كَـانَ ضِـحْـكُ الْـمَـرْءِ مِنْ فِقْهِهٖ   فَـالـدُّبُّ فِـى الصَّـحْـرَاءِ مَا أَفْقَهَهْ

ترجمہ: کیا وجہ ہے کہ جب میں دلیل کے ساتھ اس کی گرفت کرتا ہوں تو وہ میرے سامنے ہنستا اور قہقہے لگاتا ہے۔ اگر آدمی کا ہنسنا اس کے علم کی دلیل ہو تو صحرا میں سوسمار (گو) کیا ہی فقیہہ ہے۔

آپ نے کتاب الاسرار و کتاب تقویم الادلہ اور کتاب امر الاقصیٰ وغیرہ تصنیف کیں اور کتاب فتاویٰ نظم میں لکھی۔ بخاری میں ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ دبوسی کی نسبت شہر "دبوس" کی طرف منسوب ہے جو بخارا اور سمرقند کے درمیان واقع ہے۔

جعفر بن محمد معتز بن مستغفر بن فتح بن ادریس نسفی

۳۵۰ھ میں شہر نسف میں جسے آج نخشب بھی کہتے ہیں میں پیدا ہوئے۔ ابوالعباس کنیت اور

مستغفری کی نسبت سے جو آپ کے بعض اجداد کی طرف منسوب ہے مشہور تھے۔ آپ فقیہہ فاضل محدث صدوق تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں کتاب معرفۃ الصحابہ، تاریخ نسف وکش، کتاب الدعوات وکتاب المنامات، دلائل النبوہ، فضائلِ قرآن اور کتاب الشمائل وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ربیع الآخر ۴۳۲ھ میں وفات پائی۔

صاعد بن محمد بن احمد بن عبداللہ استوائی

آپ کا لقب عماد الاسلام تھا۔ شہر استوا میں ۳۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابوالعلا ہے۔ عالم صدوق فقیہہ فاضل تھے، علمِ ادب ابی بکر خوارزمی اور فقہ قاضی ابی نصر سہل اپنے نانا سے پڑھی۔ پھر قاضی ابی ہیثم عتبہ سے تفقہ کیا۔ عرصہ دراز تک نیشاپور کی قضا کے متولی رہے پھر اپنے اساتذہ ابوالہیثم کو قضا کا عہدہ دیا۔ آپ ہی سے آپ کے بیٹے ابوسعد محمد بن صاعد اور پوتے ابومنصور احمد بن محمد نے تفقہ کیا۔ ایک جمِ غفیر نے آپ سے روایت کی۔ عقائد میں ایک کتاب اعتقاد تصنیف فرمائی۔ ۴۳۲ھ میں نیشاپور کے مقام پر وفات پائی۔

حسین بن علی بن محمد بن جعفر صمیری[1]

ابوعبداللہ کنیت تھی، فقہائے کبار اور فضلائے نامدار میں سے بڑے عقیل جید النظر، حسن العبارت محدث صدوق تھے۔ ۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے، ابی نصر محمد بن سہل بن ابراہیم اور ابی بکر محمد خوارزمی سے علم الفقہ حاصل کی۔ دمشق میں ابی الحسن دارقطنی اور ابی بکر محمد بن احمد جرجانی سے علم الحدیث کی سماعت کی اور روایت بھی کی۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن حسین دامغانی وابوالحسن علی بن حسین صندلی نیشاپوری نے آپ سے تفقہ کیا۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں ایک ضخیم کتاب تصنیف کی۔ ۲۱ شوال ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔

---

[1] شہر صمیر کی طرف نسب کی وجہ سے صمیری پکارے جاتے تھے۔ شہر صمیر خوزستان میں بز بصرہ پر واقع ایک پہاڑ ہے۔ (حدائق الحنفیہ صفحہ ۲۱۹)

محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن محمود سمنانی

شیخ فقیہ محدث ثقہ متکلم حسن الکلام حنفی المذہب اشعری الاعتقاد تھے۔ ۳۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابوجعفر کنیت تھی، عالم الحدیث موصل میں نصر بن احمد بن خلیل اور بغداد میں اباالحسن علی بن عمر دارقطنی اور اباالقاسم عبید اللہ بن محمد رازی وغیرھم سے سنا اور آپ سے خطیب بغدادی نے سنا اور لکھا اور اپنی تاریخ میں بھی اس بات کا ذکر کیا۔ فقہ میں تصنیفات کیں اور تعلیقات لکھیں۔ ربیع الاول ۴۴۴ھ میں وفات پائی۔

احمد ناطفی[1]

احمد بن محمد بن عمرو ناطفی طبری، عراق کے علماء کبار وفقہائے نامدار اور اصحاب واقعات ونوازل میں سے فقیہ محدث تھے، کنیت ابوالعباس تھی۔ کتب اجناس، فروق، واقعات اور ہدایت معروف دستور کتابیں ہیں۔ شہر ''رے'' میں ۴۴۶ھ میں وفات پائی۔

عبدالعزیز بن احمد بن نفر بن صالح بخاری

شمس الائمہ لقب تھا۔ حلوا بیچا کرتے تھے اس لئے حلوائی کی نسبت سے مشہور تھے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ حلوان کے باشندے تھے اس لئے آپ کی نسبت حلوائی ٹھہری۔ بہرحال اپنے وقت کے امامِ کبیر فاضل بے نظیر فقیہ، محدث، ثقہ تھے۔ حدیث اور اہل حدیث کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ علم الحدیث حافظ محمد بن احمد غنجار وغیرہم سے سنا۔ شمس الائمہ محمد سرفنی اور حافظ الحدیث ابومحمد عبدالعزیز بن محمد نخشی نے آپ سے روایت کی۔ آپ اپنی ''معجم شیوخ'' میں شمس الائمہ حلوائی کو اپنے شیوخ میں بیان کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں کتاب مبسوط اور نوادر مشہور ومعروف ہیں۔ ماہ شعبان ۴۴۸ھ میں یا ۴۵۲ھ میں وفات پائی۔

---

[1] ناطف کے معنی حلوائی کے ہیں کیونکہ آپ حلوہ بیچا کرتے تھے اسی لئے ناطفی مشہور ہوئے (حدائق الحنفیہ صفحہ ۲۲۰)

احمد بن محمد بن نصر الفقیہ المعروف بالاقطع

فقیہ کامل جامع علوم وفنون اور حساب دان تھے۔ فقہ آپ نے ابی الحسین قدوری سے پڑھی۔ اقطع آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ ستار میں جو اہل اسلام سے لڑائی ہوئی اس جنگ میں آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ پر چوری کی حد لگائی گئی جس کی وجہ سے آپ کو اقطع کہا جاتا تھا۔ الغرض آپ نے مختصر قدوری کی شرح تصنیف کی اور ۴۷۴ھ میں وفات پائی۔

محمد بن عبد الحمید یا عبد الرشید بن حسن بن حسین سمرقندی اسمندی

ابو حامد کنیت، لقب علاؤ الدین اور المعروف علاء عالم تھے۔ فقیہ فاضل اور عالم مناظر تھے۔ فقہ اشرف علوی سے پڑھی اور علم خلاف وتفسیر میں تصنیفات کیں۔ ابو المظفر جمال الاسلام سعد کرابلسی مصنف فروق اور شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ نے آپ سے اخذ کیا۔ کئی ایک مجلد میں ایک تعلیق لکھی اور تفسیر کو املا کیا۔ اصول فقہ میں بذل النظر اور اصول اعتقاد میں ہدایہ نام کتاب تصنیف کی۔ ۴۸۸ھ میں وفات پائی۔

محمد بن احمد بن ابی سہل سرخی

ابو بکر کنیت اور شمس الائمہ سرخی سے ملقب تھے۔ ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ کے امام علامہ حجت، متکلم، مناظر، اصولی، فقیہ، محدث، مجتہد تھے۔ جب اپنے والد کے ساتھ تجارت کی غرض میں بغداد آئے تو شمس الائمہ حلوائی کی صحبت اختیار کی۔ آپ سے برہان الائمہ عبد العزیز بن عمر بن مازہ ومحمود بن عبد العزیز اور زجندی اور رکن الدین مسعود بن حسن اور عثمان بن علی بن محمد بیکندی نے تفقہ کیا۔ چونکہ آپ بڑے حق گو تھے اس لئے بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے سے وہ ناراض ہو گیا اور آپ کو شہر اور زجند کے ایک کنوئیں میں قید کر دیا جس میں آپ مدت تک قید رہے۔ آپ کے شاگرد کنوئیں پر بیٹھ کر سبق پڑھتے اور جو آپ کنوئیں سے بولتے وہ لکھ لیتے۔ چنانچہ محبوسی کے عالم میں کتب مبسوط کی

پندرہ جلدیں محض اپنی فکر رس طبع ذکاء سے بغیر کسی مطالعہ کے تلامذہ سے لکھوائی۔ نیز شرح کتاب عبادات اور کتاب الاقرار کو قید ہی کی حالت میں لکھوایا۔ اس کے علاوہ کتاب اصول اور فقہ میں ''سیر الکبیر'' کی شرح بھی املا کرائی جب باب الشروط تک پہنچے جہاں امیر حسن نے اپنے مکان میں آپ کو اتارا۔ طلباء آپ کے پاس پہنچ جاتے بس وہاں آپ نے شرح سیر الکبیر کی املا مکمل کرادی تو قید سے رہائی ہوئی۔ پھر آپ فرغانہ کی طرف کوچ کر گئے۔ علاوہ اس کے مختصر طحاوی اور امام محمد کی کتابوں کی بھی شرحیں لکھیں۔ کسی نے آپ کے سامنے امام شافعی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کو تین سو جزو کتابوں کے یاد تھے اس پر جب آپ نے اپنے محفوظ جزو کو شمار کیا تو وہ بارہ ہزار نکلے۔ ۴۹۰ھ میں بعض کے نزدیک ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بن مجاہد بزدوی

ابوالیسیر کنیت، صدر الاسلام لقب تھا، اپنے وقت کے امامِ ائمہ علی الاطلاق، جامع فروع واصول صاحبِ تصنیفات تھے۔ ماوراء النہر میں ریاستِ مذہب حنفیہ کی آپ پر ختمی ہوئی۔ بخارا میں ۴۹۳ھ میں وفات پائی۔

احمد بن علی ترمذی

آپ کی کنیت وراق[1] تھی۔ آپ نے مختصر طحاوی کی شرح بڑے بسط کے ساتھ چار جلدوں میں تصنیف کی۔

میمون مکحولی

میمون بن محمد بن محمد بن سعید بن محمد بن مکحول بن فضل مکحولی نسفی، ابوالمعین کنیت تھی۔ امام فاضل، جامع فروع واصول تھے۔ کتاب تبصرۃ الدولہ اور تمہید قواعد التوحید، کتاب المناہج اور شرح جامع کبیر

---

[1] وراق اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن وحدیث لکھے یعنی ''کاتب'' (حدائق الحنفیہ صفحہ ۲۳۲ - تاج التراجم صفحہ ۱۲)۔

وغیرہ تصنیف کیں اور علاؤ الدین ابوبکر محمد سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء نے آپ سے تفقہ کیا۔ ذی الحجہ ۵۲۰ یا ۵۸۰ھ میں وفات پائی۔

چھٹی صدی ہجری

حسین بن محمد بن خسرو بلخی

ابی عبداللہ کنیت تھی، اپنے زمانہ کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ صاحب فضل وکمالیت جامع علوم وفنون عارف فروع واصول تھے۔ امام ابوحنیفہ کیلئے ایک مسند دو جلدوں میں تخریج حسنہ کے ساتھ تالیف کی اور ۵۲۳ھ میں وفات پائی۔

عبدالعزیز نسفی

عبدالعزیز بن عثمان بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن فضل المعروف فضلی ونسفی بڑے عالم فاضل فقیہ، تبحر عارف مذہب تھے۔ مدت تک بخارا کے قاضی رہے۔ کتاب المنقذ من الزلل فی مسائل الجدل اور کفایۃ الفحول فی اصول، الفصول فی التفاوی، تعلیق الخلاف چار جلد میں تصنیف فرمائیں۔ ۵۳۳ھ میں وفات پائی۔

عمر بن عبدالعزیز بن عمر مازہ

المعروف بہ صدر الشہداء، ابومحمد کنیت اور حسام الدین لقب تھا۔ ۴۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے ائمہ کبار میں سے تھے۔ فقیہ، محدث، اصول وفروع میں امام اور منقول ومعقول کے بڑے عالم تھے۔ خلاف ومذہب میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ علم الفقہ اور دوسرے علوم اپنے باپ برہان الدین کبیر عبدالعزیز سے پڑھے۔ کتاب فتاویٰ کبریٰ وصغریٰ، شرح ادب القضاء خصاف، شرح جامع صغیر، واقعات، کتاب منتقی وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ ماہ صفر ۵۳۶ھ میں واقعہ قطوان کے بعد کافر

کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

عبدالمجید بن اسمٰعیل بن محمد ابوسعد قیسی ہروی

آپ ہرات کے رہنے والے تھے۔ فخر الاسلام بزدوی وغیرہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ فروع و اصول میں کتابیں لکھیں۔ آپ کے دونوں بیٹوں اسمٰعیل واحمد نے آپ سے ہی علم اخذ کیا۔ ۵۳۷ھ میں قیساریہ میں وفات پائی۔

علامہ زمخشری

محمود بن عمر بن محمد بن عمر زمخشری ابوالقاسم کنیت تھی۔ چونکہ عرصہ دراز تک مکہ مکرمہ کی مجاورت کی اس لئے آپ کو جار اللہ نیز فخرِ خوارزم کے لقب سے بھی ملقب تھے۔ اپنے وقت کے امام بلامدافع علامہ نحوی، لغوی، فقیہہ جید، محدث، متفنن مفسر کامل، فاضل مناظر، ادیب، متکلم، شاعر، ذکی، تیز طبع حنفی الفروع، معتزلی الاصول تھے۔ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ کو خوارزم میں پیدا ہوئے۔

علمِ ادب ابی الحسن علی بن مظفر نیشاپوری اور ابی نعیم اصفہانی سے حاصل کیا۔ آپ نے تفسیر، حدیث، لغت وغیرہ میں نہایت قیمتی سرمایہ چھوڑا۔ تفسیر کشاف، فائق اللغۃ فی تفسیر الحدیث، اساس البلاغۃ فی اللغۃ، ربیع الابرار، متشابہ اسامی الرواۃ، نصائح الکبار، نصائح الصغار، الرائض فی علم الفرائض، المفصل فی النحو، عوزج، مفرد، شرح، ابیات سبویہ، شائق النعمان، مقامات زمخشری، مستقصی فی الامثال، اطواق الذہب، شرح مشکلات المفصل، الکلم النوابغ، القسطاس فی العروض، الاحاجی النحویہ المنہاج فی الاصول، رسالہ ناصحیہ، مقدمہ الادب، رؤس المسائل فی الفقہ، نصوص الاخبار، صمیم العربیہ، دیوان التمثیل، امالی، معجم الحدود المیاہ والاماکن والجبال، ضالۃ الناشد وغیرہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔

عرفہ کی رات ۵۳۸ھ کو شہر جرجانیہ خوارزم وفات پائی۔

طاہر بخاری

طاہر بن احمد بن عبدالرشید بن الحسین بخاری، افتخار الدین لقب تھا۔ اپنے وقت کے امام عدیم النظیر فرید الدہر علامہ اور مجتہد فی المسائل میں سے ماوراء النہر کے شیخ حنیفہ تھے۔ علم اپنے والد احمد بن عبدالرشید، ماموں ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی اور نیز حماد بن ابراہیم صفار اور قاضی خان حسن بن منصور سے پڑھا اور اخذ کیا۔ خلاصۃ الفتاویٰ اور کتاب خزانۃ الواقعات اور کتاب نصاب مشہور تصانیف ہیں۔ ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن امیرویہ بن محمد کرمانی

شوال ۴۵۷ھ میں کرمان میں پیدا ہوئے۔ ابوالفضل کنیت اور رکن الدین اور رکن اسلام لقب تھا۔ ''مرو'' میں آکر فخر القضاۃ محمد بن حسین ارسانیدی سے تفقہ کیا ور خراسان میں مذہب امام کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔ فقہ کی تجرید تصنیف کی پھر اس کی شرح ''ایضاح'' کے نام سے تین جلدوں میں لکھی (جسے عبدالغفور نے المفید والمزید فی شرح التجرید کے نام سے شرح لکھی) اس کے علاوہ شرح جامع کبیر، فتاویٰ و اسارات وغیرہ بھی تصنیف فرمائیں۔ مرو میں ۲۰ ذیقعدہ میں ۵۴۳ھ میں وفات پائی۔

محمد بن محمد بن محمد

الملقب بہ رضی الدین برہان الاسلام سرخسی، اپنے وقت کے امام کبریٰ، فاضلِ بے نظیر جامع علومِ عقلیہ ونقلیہ تھے۔ علمِ صدر الشہید حسام الدین عمر سے اخذ کیا اور کتاب محیط[1] تصنیف کی چونکہ آپ

[1]: کتاب محیط دراصل چار کتابیں ہیں۔ ایک محیط کبیر چالیس مجلد ہے۔ دوسری دس جلد تیسری چار جلد، چوتھی دو مجلد ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ محیط کبیر اول آپ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ حسام الدین صدر الشہید کے بھتیجے محمود بن صدر السعید تاج الدین احمد بن برہان الدین صدر الکبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہ نے تصنیف کی اور اپنے دادا کی طرف منسوب کر کے محیط برہانی نام رکھا۔ باقی تین محیط آپ کی تصانیف ہیں جنہیں محیط رضوی کہتے ہیں۔

کی زبان میں لکنت تھی اس لئے فقہاء نے آپ پر تنقید کی جس کی وجہ سے آپ معزول ہو کر دمشق چلے آئے جہاں ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔

عبدالغفور بن لقمان بن محمد کردری

خوارزم کے شہر ''کردر'' کے رہنے والے تھے۔ ابوالمفاخر کنیت اور شرف القضاہ وتاج الدین و شمس الائمہ القاب تھے۔ حد درجہ زاہد، عابد اور اپنے زمانہ کے امام حنیفہ تھے۔ علم الفقہ ابی الفضل عبدالرحمٰن بن محمد کرمانی سے حاصل کیا اور حلب ہی میں سلطان نورالدین محمود کے عہد تک قاضی رہے۔ کتاب اصول فقہ، مفید ومزید، شرح تجرید، شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر، شرح زیادات، کتاب حیرۃ الفقہاء اور ایک کتاب ان الفاظ کے بیان میں تصنیف فرمائی کہ جن کے زبان پر لانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ۵۶۲ھ میں وفات پائی۔

غالی بن ابراہیم بن اسمٰعیل غزنوی

کنیت ابوعلی اور نصر الدین لقب تھا۔ آپ کو جواہر المضیہ میں غالب کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ آپ فنون تفسیر اور فقہ وجدل واصول میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک تفسیر قرآن حکیم کی تفسیر التفسیر کے نام سے لکھی اور فقہ میں مشارع تصنیف کی پھر خود ہی اس کی شرح منابع لکھی اور ۵۸۲ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمد بن عمر عتابی[1]

ابونصر کنیت اور زاہد الدین لقب تھا۔ بخارا کے محلہ عتابی میں رہتے تھے۔ دینی علوم میں علماء زاہدین میں سے بڑے متبحر اور فاضل اجل تھے۔ اطراف واکناف سے کثرت سے طلباء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔ زیارات کی شرح نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ لکھی جامع

---

[1] نسبة الى عتابيه بفتح العين المهملة و تشديد التاء المثناة من فوق و بعد الألف باء موحده ثم يا مثناة تحتية . محلة ببخارى . الفوائد البهه فى التراجم الحنفيه صفحه ۴۸

کبیر وصغیر کی شروح بھی لکھیں۔ جوامع الفقہ معروف بہ فتاویٰ عتابیہ تصنیف کیا۔ قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ۵۸۲ یا ۵۸۶ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر مسعود بن احمد کاشانی

علاؤ الدین اور ملک العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ علم علاؤ الدین محمد سمرقندی ابی المعین میمون مکحولی اور مجدد الائمہ سرخسی سے اخذ کیا۔ کتاب بدائع فی شرح تحفۃ الفقہاء اور کتاب السلطان المبین فی اصول الدین تصنیف کیں۔ جب آپ نے محمد سمرقندی کی ملازمت اختیار کی اور ان سے آپ ہی کی تصنیف کردہ ''تحفۃ الفقہاء'' پڑھی تو محمد سمرقندی نے خوش ہو کر اپنی بیٹی فاطمہ سے ان کی شادی کر دی۔ وہ لڑکی نہایت شکیلہ وعقیلہ اور کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' کی حافظہ تھیں اور بادشاہِ روم اس کا خواستگار تھا۔ مہر کے عوض شرح مذکورہ کو گردانا گیا۔ آپ اکثر فتاویٰ میں خطا کر جایا کرتے تھے۔ جب آپ کو آپ کی بیوی وجہ خطا بتا دیتی تو آپ اس قول کی طرف رجوع کر لیتے۔ آپ کے نکاح سے پہلے محمد سمرقندی اور ان کی بیٹی فاطمہ کے دستخط سے فتاویٰ جاری ہوتے تھے۔ بعد نکاح تینوں کے دستخط ہونے لگے۔ ابن عدیم کہتا ہے کہ میں نے ضیاء الدین حنفی سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا اس وقت سورہ ابراہیم پڑھ رہے تھے یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ پر پہنچے تو وقت پورا ہو گیا۔ حلب کے قبرستان ظاہریہ میں مقامِ ابراہیم خلیل اللہ میں اپنی بیوی فاطمہ کے پاس مدفون ہوئے[۱]۔ ۱۰ رجب ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمود بن ابی بکر صابونی[۲]

بڑے عالم فاضل اور فقیہہ کامل تھے، نور الدین لقب تھا۔ اصولِ دین میں کتاب ہدیہ وکفایہ

۱: آپ کی بیوی پہلے فوت ہوئیں، آپ ہر جمعرات ان کی قبر پر جایا کرتے تھے۔ اب بھی حلب میں ان دونوں کی قبریں زیارت گاہ اور مستجاب الدعوۃ ہیں اور لوگوں میں خاوند بیوی کی قبر سے مشہور ہیں۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت عورتیں بھی فقہ میں خوب دلچسپی لیتی تھیں لیکن افسوس کہ اس کی طرف بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر توجہ دی گئی۔

۲: چونکہ صابن کا کاروبار کیا کرتے تھے اسی لئے صابونی نسبت ٹھہری (کشف الظنون)

تصنیف ہیں ۔ علم الکلام میں بھی ایک بدایہ لکھی جسے مختصر بیان کر کے ہدایہ نام رکھا۔ آپ سے شمس الائمہ محمد کردری نے فقہ پڑھی ۔ ۵ صفر ۵۹۰ھ کو بخارا میں وفات پائی۔

مطہر بن حسین بن سعد بن علی بن بندار یزدی

ابو سعد کنیت ، جمال الدین لقب تھا۔ جامع صغیر کی شرح تہذیب لکھی ۔ امام طحاوی کی مشکل الآ ثار کو ملخص کیا، ابواللیث کی نوادر کو مختصر کیا۔ مختصر قدوری کی شرح تصنیف کی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے ماتحت بارہ مدارس تھے۔ ۵۹۱ھ میں وفات پائی۔

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی فرعانی المعروف قاضیخان

فخر الدین لقب وابوالمحاسن کنیت تھی ۔ اپنے دادا محمود بن عبدالعزیز اوزجندی اور ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی سے علم حاصل کیا۔ نیز ابی اسحٰق بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابی نصر سے تفقہ کیا۔ جمال الدین ابوالمحامد محمود حصیری اور شمس الائمہ محمد کردری، نجم الدین یوسف خاصی وغیرہ نے آپ سے تفقہ کیا۔ فتاویٰ قاضیخان چار جلدوں میں تصنیف کی جو متداول بین الفقہاء ہے ۔ یہاں تک کہ قاسم بن قطلوبغا نے ’’تصحیح القدوری‘‘ میں لکھا ہے کہ جس مسئلہ کی تصحیح قاضیخان کرے وہ غیر کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ خزانہ فقہ ہے۔ کتاب امالی اور محاضر، کتاب شرح زیادات، شرح جامع صغیر اور شرح ادب القضاء وغیرہ تصنیف کیں۔ ۱۶ ارمضان المبارک ۵۹۲ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمد بن محمود بن سعد الغزنوی الکاشانی

شہر غزنین میں پیدا ہوئے ۔ فقہ محمد بن محمد بن علی علوی حسنی سے حاصل کیا۔ کتاب ’’بہ روضۃ در باب اختلاف علماء‘‘ تحریر کی۔ نیز اصول فقہ اور اصول دین میں ’’بہ روضۃ المتکلمین‘‘ تصنیف کی جس کا ’’مختصر المنتقی‘‘ نام رکھا۔ ’’مقدمۃ الغزنویہ‘‘ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر علم کا شاندار خزانہ رکھتی ہے۔ حلب میں ۵۹۳ھ میں وفات پائی۔

صاحبِ ہدایہ

علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی ابوالحسن کنیت، برہان الدین لقب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ پیر ۸ رجب ۵۱۱ھ میں بعد از عصر پیدا ہوئے۔ فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، جامع علوم، ضابط فنون، متقن، محقق، مدقق، نظار، زاہد اورع بارع فاضل ماہر اصولی، ادیب وشاعر بھی تھے۔ علمِ خلاف میں یدِ طولیٰ اور معرفت مذہب میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ ہدایہ المبتدی، الغایۃ المنتہی کتاب المنتقی، التجنیس والمزید، مناسک الحج، کتاب نشر المذہب، مختارات النوازل، کتاب الفرائض مشہور ومعروف تصانیف ہیں۔ کتاب ہدایہ ایک ایسی معتمد علیہ تصنیف ہے کہ جس پر علمائے حنفیہ کے فتاویٰ کا مدار ہے۔ سمرقند میں ۵۹۲ھ میں وفات پائی۔

موفق الدین احمدی احمد بن محمد خطیب خوارزم

۴۸۴ھ میں پیدا ہوئے، موفق الدین لقب تھا۔ فقہ نجم الدین عمر نسفی اور علم عربی جار اللہ محمود زمخشری سے حاصل کیا۔ خطبے اور اشعار تصنیف کئے۔ ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔

علی شارحِ قدوری

علی بن احمد مکی حسام الدین رازی فقیہ فاضل عالم ماہر تھے۔ دمشق میں سکونت اختیار کی اور درس وتدریس کیا کرتے تھے۔ فتاویٰ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر دیتے تھے۔ "مختصر قدوری" کی شرح، "خلاصہ الدلائل" اور "تنقیح المسائل" تصنیف کی۔ اس کے علاوہ کتاب "سلوۃ الہموم" بھی جمع کی۔ ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔

مسعود بن شجاع بن محمد بن حسن اموی المعروف برہان الدین فقیہ

دمشق میں ۵۱۰ھ میں پیدا ہوئے ابوالموفق کنیت تھی۔ علم برہان البلخی علی بن حسن تلمیذ عبدالعزیز بن عمر بن مازہ سے حاصل کیا۔ مدرسہ نوریہ میں درس دیا کرتے تھے۔ عسکری قضاء آپ کے سپرد تھی۔

کتاب فقہ تصنیف کی۔ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۵۹۹ھ کو وفات ہوئی۔

محمد بن احمد بن ابی احمد سمرقندی

ابوبکر کنیت، علاؤ الدین لقب تھا۔ اپنے زمانہ کے شیخ کبیر، فاضلِ بے نظیر، فقیہ جلیل القدر تھے۔ فقہ ابی المعین، میمون مکحولی اور صدر الاسلام ابی الیسر بزدوی سے پڑھی اور کتاب تحفۃ الفقہاء تصنیف کی۔ آپ سے ابوبکر بن مسعود صاحب بدائع اور ضیاء الدین محمد بن حسین استاد صاحب ہدایہ نے فقہ پڑھی۔ آپ کی بیٹی فاطمہ نامور علامہ فقیہہ گزری ہیں جنہوں نے آپ کی اس کتاب کو حفظ کیا تھا۔ ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

محمد بن عراق قزوینی المعروف بہ طاوسی[1]

ابوالفضل کنیت اور رکن الدین لقب تھا۔ علمِ خلاف کے ماہر تبحر عالم تھے۔ شیخ رضی الدین نیشاپوری سے علم حاصل کیا اور علمِ خلاف میں تین تعالیق تصنیف کیں۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

ساتویں صدی ہجری

نصار بن عبد السید ابی المکرّام بن علی ابوالمظفر مطرزی

عراقی الاصل خوارزمی المنشاء، ابوالفتح کنیت تھی، آباء واجداد عراق کے رہنے والے تھے۔ رجب ۵۳۶ھ یا ۵۳۷ھ میں شہر جرجانیہ خوارزم میں پیدا ہوئے۔ فقہ عربی اور لغت میں امام اصول فقہ و حدیث، ادب وشعر میں بے نظیر معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع تھے۔ آپ کو خلیفۂ زمخشری کہا جاتا تھا۔ کتاب مغرب اور اس کی مختصر مغرب فی اللغات الفقہ اور ایضاح شرح مقامات حریری اور اقناع فی اللغۃ مختصر اصلاح المنطق اور مصباح فی النحو وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔ کتاب مغرب میں ان الفاظ پر

---

[1] طاوسی: طاوس بن کیسان کی طرف منسوب ہے جو امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں سے ہیں (حدائق الحنفیہ صفحہ ۲۶۳)

تکلم کیا گیا ہے، جس کو فقہاء استعمال میں لاتے ہیں اور حنفیہ کیلئے یہ کتاب بمنزلہ کتاب ازہری کے ہے جو شفاعیہ کیلئے ہے۔ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

مطرزی ''مطرز'' کی طرف منسوب ہے جو کپڑے پر چھاپہ لگائے اور نقش و نگار کرے۔ ابن خلکان کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ آپ خود کیا کرتے تھے یا کوئی آباواجداد میں سے کیا کرتا تھا۔[1]

عبدالمطلب بن فضل بلخی ثم الحلبی الہاشمی

ابو ہاشم کنیت اور افتخار الدین لقب تھا۔ فقیہ، محدث، عالم فاضل، حلب میں رئیسِ حنفیہ تھے۔ حدیث کی روایت عمر بسطامی نزیل بلخ اور ابی سعد سمعانی وغیرہ سے کی اور مدت تک تدریس وافتاء میں مشغول رہ کر ۶۱۲ھ میں وفات پائی۔

محمد بن محمد بن محمد عمیدی سمرقندی

ابو حامد کنیت اور رکن الاسلام لقب تھا، مذہب وخلاف خصوصاً علمِ مناظرہ میں امام تھے۔ آپ ہی نے بخلافِ متقدمین کے اپنی تصنیف میں علمِ خلاف کو ادا کیا۔ فنِ خلاف میں ''طریقہ'' کتاب تصنیف کی جو فقہاء کے نزدیک مشہور ومعروف ہے۔ کتاب ''ارشاد'' کی شرح قاضی شمس الدین ابوالعباس احمد خوئی بن خلیل فقیہ شافعی اور نجم الدین مرندی اور بدرالدین مراغی وغیرہ ایک جماعتِ علماء نے لکھی۔ کتاب نفائس لکھی جسے عرائس النفائس کے نام سے شمس الدین ابوالعباس احمد خوئی نے مختصر کیا۔

علمِ خلاف آپ نے رضی الدین نیشاپوری سے حاصل کیا۔ آپ سے جن لوگوں نے یہ علم حاصل کیا ان میں سے ہر ایک کے نام کے ساتھ رکن مشہور ہوا۔ رکن الدین عمیدی، رکن الدین طاؤسی، رکن الدین امام زاہد چوتھے کا نام صاحبِ خلکان لکھتے ہیں کہ یاد نہیں۔ بخارا میں ۹ جمادی الاخریٰ ۶۱۵ھ میں وفات پائی۔

---

[1] الفوائد البہیہ صفحہ ۲۸۷

صدر الافاضل خوارزمی

قاسم بن حسین بن احمد المعروف بہ صدر الافاضل خوارزمی نحوی۔ ۹ شوال ۵۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابو محمد کنیت اور مجد الدین لقب تھا۔ کتاب تجمیر شرح مفصل، شرح سقط الزند، توضیح شرح مقامات، کتاب شرح المنموذج اور نحو میں شرح ابنیہ اوزوایا اور بیان میں شرح محصل وغیرہ تصنیف کیں۔ ۶۱۷ھ میں تاتاریوں نے آپ کو قتل کیا۔

محمد بن احمد بن عمر بخاری

ظہیر الدین لقب تھا۔ علوم دینیہ میں اصولاً و فروعاً یگانہ زمانہ اور محتسب بخارا تھے۔ آپ نے کتاب فوائد اور فتاویٰ ظہیریہ تصنیف کیں۔ ۶۱۹ھ میں وفات پائی۔

عیسیٰ بن ملک عادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب

شرف الدین لقب تھا۔ قاہرہ میں ۵۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ عالم فاضل، فقیہ، ادیب، نحوی، بغوی، شاعرِ عروضی، مجاہد فی سبیل اللہ، ملک مصر میں ساڑھے آٹھ برس تک بادشاہ رہے۔ بنی ایوب میں آپ اور آپ کی اولاد کے بغیر کوئی بھی حنفی المذہب نہ تھا۔ ۶۱۱ھ میں حج کیا۔ جامع کبیر کی شرح کئی جلدوں میں لکھی اور ایک کتاب عروض میں بھی لکھی۔ وفات ماہ ذی الحجہ ۶۲۴ھ میں دمشق میں ہوئی اور جبل صالحہ میں آبائی قبرستان معظمہ میں دفن کیا گیا۔

یوسف بن ابی بکر سراج الدین السکاکی الخوارزمی

ابو یعقوب کنیت تھی، ۵۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ صرف، نحو، معانی، بیان، عروض، شعر میں امام محقق اور علومِ عجیبہ وفنون عربیہ میں ماہر، علوم بلاغت میں اور تسخیر جن ودعوۃ الکواکب، فن طلسمات وسحر وسمیاء، علم خواص الارض اور اجرامِ سماء میں متبحر عالم تھے۔ رجب ۶۲۶ھ میں وفات پائی۔

یحییٰ بن عبدالمعطی بن عبدالنور زواوی

۵۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ زین الدین لقب ابوالحسن کنیت تھی۔ نحو، لغت اور ادب کے امام تھے۔ منظومہ الفیہ اور فصول مشہور ومعروف تصانیف ہیں۔ بمقام سلخ ذیقعدہ ۶۲۸ھ قاہرہ میں وفات پائی۔

یوسف بن احمد بن ابی بکر نجم الدین خاصی

فقیہ کامل تھے، عالم الفقہ ابی بکر محمد بن عبداللہ اقران عمر نسفی اور صدر الشہید حسام الدین عمر سے اخذ کیا۔ ایک فتاویٰ اور مختصر فصول نام اصول میں تصنیف فرمائی۔ ۶۳۴ھ میں وفات پائی۔

محمود بن احمد بن عبدالسید بن عثمان بن نصر بن عبدالملک بخاری حصیری

ابوالمحامد کنیت اور جمال الدین لقب تھا۔ فقیہ تبحر اور محدث کامل تھے۔ علم الفقہ حسن بن منصور قاضیخان سے حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف میں شرح جامع کبیر اور شرح سیر کبیر وغیرہ شامل ہیں۔ جمادی الاولیٰ ۵۴۳ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ۸ صفر ۶۳۶ھ میں دمشق میں وفات پائی۔

شمس الائمہ کردری

محمد بن عبدالستار بن محمد کردری عمادی، ابوالوجد کنیت، شمس لائمہ لقب تھا۔ امام محقق، فاضل مدقق، فقیہ محدث، عارف مذاہب، محی اصولِ فقہ تھے۔ آپ کے اساتذہ محسن بن منصور قاضیخان اور صاحب ہدایہ علی بن ابی بکر ہیں۔ ۱۸ ذیقعدہ ۵۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بخارا میں جمعہ کے روز ۰ محرم ۶۴۲ھ میں وفات پائی۔

حسن بن محمد بن حسن بن حیدر قرشی عددی عمری صغانی

حضرت عمر بن الخطاب سے شجرہ نسب ملتا ہے۔ ابوالفضائل کنیت اور رضی اللہ الدین لقب تھا۔ اگرچہ تمام علوم کے متبحر عالم تھے مگر فقہ وحدیث اور لغت میں امامِ زمانہ تھے۔ دمیاطی نے کہا کہ آپ شیخ

صاغانی کلاں سے صامت اور حدیث میں رروق، لغت فقہ وحدیث میں امام تھے، میں نے آپ سے پڑھا۔ ۱۵ صفر ۵۷۷ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے اور غزنہ میں نشو ونما پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر ۶۱۵ھ میں حصولِ علم کے سلسلہ میں بغداد چلے گئے۔

بہت زیادہ تصانیف مفیدہ لکھیں جن میں مشہور ومعروف مصباح الدجی من صحاح الاخبار المصطفویہ، کتاب بتبیین الموضوعات، عقلۃ العجلان، وفیاتِ صحابہ، زبدۃ المناسک، فرائض، درجات العلم والعلماء اور کتاب الشوارد لغت میں ہے اور الافتعال، العروض، العباب، لغت میں شرح صحیح بخاری، شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریہ، التکملہ، مجمع البحرین، نوادر، اسماء الفارہ، اسماء الاسد، اسماء الذئب، شرح ابیات المفصل، بغیۃ الصدیان مشہور ومعروف ہیں۔ بغداد میں ۶۵۰ھ میں وفات پائی لیکن حسبِ وصیت آپ کو مکہ منتقل کیا گیا۔

بکیر ترکی ناصری

نجم الدین لقب اور امام ناصر کے مولیٰ تھے، فقہ میں بڑے فقیہہ اور عارف بصر تھے، علم عبدالرحمٰن بن شجاع سے حاصل کیا۔ فقہ میں کتاب حاوی تصنیف کی اور عقائد طحاوی کی شرح النور اللامع والبرہان الساطع نام لکھی۔ بغداد میں ۶۵۲ھ میں وفات پائی۔

محمد بن محمود بن محمد بن حسن خوارزمی

ابوالمؤید خطیب کنیت تھی۔ ۶۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ فقیہہ فاضل محدث کامل تھے۔ فقہ نجم الدین ظاہر بن محمد حفصی سے حاصل کی۔ خوارزم کے قاضی مقرر ہوئے جبکہ حدیث کو دمشق میں روایت کیا۔ مسانید احمد ابوحنیفہ تصنیف کی۔ ۶۵۵ھ میں وفات پائی۔

مختار بن محمود بن محمد زاہدی غرمینی

ابوالرجاء کنیت، نجم الدین لقب تھا۔ ائمہ کبار اور اعیانِ فقہاء میں سے عالمِ اجل، فقیہہ فاضل

خلاف ومذہب میں ید طولیٰ اور کلام ومناظر میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔آپ کی تصانیف میں شرح مختصر قدوری المسمیٰ بہ مجتبیٰ اورقنیہ المنیہ ، لتتمیم الغنیہ (جسے بدیع قرینی کی بحرمحیط اور کتاب الحاوی سے منتخب کیا) زادالائمہ، رسالہ ناصیہ، جامع فی الحیض اور کتاب الفرائض وغیرہ ابن وہبان وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ آپ معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع تھے۔۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ الصاحب کمال الدین بن العدیم العقیلی الحلبی المعروف بن جرادۃ

بڑے عالم فاضل،فقیہ،محدث،مؤرخ،ادیب،کاتب،بلیغ ذکی،شاعر،یگانۂ زمانہ تھے۔آپ کے وقت میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔تاریخ حلب تیس جلدوں میں المسمیٰ بہ غنیۃ الطلب فی تاریخ حلب لکھی۔جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔

علی بن محمد بن علی الامام حمید الدین الفریر الرامشی البخاری

امام کبیر،فقیہ،محدث،مفسر،اصولی،جدلی،کلامی،حافظ متقن تھے۔فقہ شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری سے پڑھی اور آپ سے عبداللہ بن احمد نسفی صاحبِ کنز اور محمود بن احمد بخاری صاحب حقائق شرح منظومہ اور جلال الدین محمد احمد صاعدی وغیرہ نے تفقہ کیا۔جامع کبیر،نافع،منظومہ نسفی کی شروح لکھیں نیز مواضع مشکلہ پر ہدایہ پر فوائد نام سے حاشیہ لکھا۔۶۲۷ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمد موصلی صاحب مختار

ابوالفضل کنیت اور مجد الدین لقب تھا۔۵۹۹ھ میں موصل میں پیدا ہوئے۔اپنے والد ابی الثناء محمود سے ابتدائی علوم حاصل کئے۔جمال الدین حصیر سے علمِ فقہ اخذ کیا (جو ۶۳۳ھ میں فوت ہوئے) فقہ میں مختار عین تحریر کی جو متونِ اربعہ[۱] میں شمار کی جاتی ہے جن پر اکثریت متقدمین فقہاء کی اعتماد

[۱] متون اربعہ،مختار،کنز،وقایہ اور مجمع البحرین ہیں۔

کرتی ہے۔ ۱۹ محرم ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔

محمد بن محمد بن محمد ابوالفضل برہان نسفی

امام فاضل، مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی، متکلم تھے۔ ۶۰۰ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ علم خلاف میں ایک مقدمہ تصنیف کیا۔ علم کلام میں عقائد نسفی لکھی جس کی سعد الدین تفتازانی وغیرہ نے شرحیں لکھیں، امام رازی کی تفسیر کو ملخص کیا۔ ماہ ذی الحجہ ۶۸۶ھ میں وفات پائی۔

احمد بن ناصر بن طاہر ابوالمعالی الحسینی

برہان الدین لقب تھا۔ فقیہہ، مفسر، جامع علوم علقیہ ونقلیہ تھے۔ قرآن حکیم کی شرح سات جلدوں میں لکھی اور کتاب اصول دین پر تحریر کی۔ شوال ۶۸۹ھ میں وفات پائی۔

عمر بن محمد بن عمر الشیخ جلال الدین الغبازی

عالم فاضل زاہد، عابد، جامع فروع واصول تھے۔ اصول فقہ میں مغنی تصنیف کی۔ ابوالعباس احمد بن معود بن عبدالرحمن قونوی اور داؤد رومی منطقی اور ہبۃ اللہ بن احمد ترکستانی نے آپ سے علوم پڑھے۔ ۶۹۱ھ یا ۶۷۱ھ میں وفات پائی۔

امام شمس الدین فرضی

محمود بن ابی بکر ابوالعلاء، بن علی کلاباذی بخاری، شمس الدین فرضی لقب تھا۔ ۶۴۴ھ یا ۶۴۹ھ میں بخاری کے محلہ کلاباذ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے محدث، متقن، فقیہہ، صالح، فرضی، عارف، رجال حدیث، جم الفضائل، ملیح الکتابت، واسع الرحلۃ، حبر فاخر، بحر ذاخر علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ آپ کے مشائخ سات سو سے زائد تھے۔ علم الفرائض نجم الدین عمر بن احمد خشتوانی سے پڑھا۔ مختصر سراجی کی شرح ضوء السراج جو ذکر ادلہ مذاہب مختلفہ پر مشتمل ہے پھر اسے مختصر کر کے منہاج نام رکھا۔ کتاب السنن ستہ کے بارے میں تصنیف کی۔ ۷۰۰ھ میں وفات پائی۔

احمد بن مسعود بن عبدالرحمٰن قونوی

ائمہ کبار اور اعیان فقہاء، نحوی، لغوی، اصولی تھے۔ جلال الدین خبازی سے اخذ علم کیا۔ عقیدہ طحاوی کی شرح لکھی اور امام محمد کی جامع کبیر شرح تقریر کے نام سے چار جلدوں میں لکھی لیکن آپ نے اس مکمل نہیں کیا پھر آپ کے بیٹے عبادی نے مکمل کی۔ ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔ بقول صاحب کشف الظنون آپ شافعی تھے۔

آٹھویں صدی ہجری

عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی

ابوالبرکات کنیت اور حافظ الدین لقب تھا۔ اپنے وقت کے امامِ کامل، محقق، مدقق، فاضلِ عدیم النظیر فی الفقہ والاصول، زہد وورع میں یگانہ روزگار تھے۔ فقہ شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری اور حمید الدین فرید اور بدرالدین خواہر زادہ سے حاصل کی۔ امام محمد کی زیادات کو احمد بن محمد عتابی سے روایت کیا۔ کنزالدقائق وافی اس کی شرح کافی، منار اس کی شرح کشف الاسرار، مصفی شرح منظومہ نسفیہ، مستصفی شرح فقہ النافع، اعتماد شرح عمدہ، عقیدہ حافظیہ، منتخب اخیکتی پر دو شروح اور ایک معتبر اور مایہ ناز تفسیر مدارک التنزیل تصنیف کی۔ جمعہ کی رات ربیع الاول ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

احمد بن ابراہیم بن عبدالغنی بن اسحٰق سروجی

قاضی القضاۃ خطاب اور ابوالعباس کنیت تھی۔ فقہ واصول میں امام معقول ومنقول میں شیخ زمانہ تھے۔ فقہ قاضی ابی ربیع سلیمان اور محمد بن عباد خلاصی سے پڑھی۔ مدت تک مصر میں قاضی مفتی اور مدرس رہے۔ ہدایہ کی شرح الایمان تک غایۃ السروجی کے نام سے چھ جلدوں میں تصنیف کی۔ ادب القضاء، فتاویٰ سروجیہ، کتاب المناسک، کتاب نفحات النسمات فی وصول

الثواب الی الاموات، مولف فی حکم الخیل، رسالۃ الحجۃ او اضحہ فی ان البسلمۃ لیست من الفاتحہ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ماہ رجب ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

احمد بن علی بن احمد ہمدانی کوفی المعروف ابن قصیح

ابوطالب کنیت اور فخر الدین لقب تھا، کوفہ میں ۶۸۰ھ میں پیدا ہوئے علم حسن سغناقی صاحب نہایہ سے حاصل کیا۔ بغداد، دمشق میں تعلیم و تدریس جاری رکھیں۔ نظم الکنز، نظم النافع، نظم السراجیہ، فرائض نظم المنار، اصول فقہ وغیرہ میں آپ کی تصانیف پائی جاتی ہیں۔ ۷۵۵ھ میں دمشق میں وفات پائی۔

حسن یا حسین بن علی بن حجاج بن علی سغناقی[1]

حسام الدین لقب تھا۔ اپنے وقت کے فقیہہ کامل، عالم فاضل نحوی جدلی تھے۔ علم الفقہ حافظ الدین کبیر محمد بن محمد بن بخاری اور فخر الدین محمد بن محمد بن الیاس مایمرغی اور عبدالجلیل بن عبدالکریم اور نحو عجدوانی سے حاصل کیا۔ آپ نے ہدایہ کی شرح نہایہ بہت مبسوط تصنیف کی۔ شرح تمہید فی قواعد التوحید لابی المعین میمون نسفی اور کافی شرح اصول بزدوی، شرح منتخب اخسیکتی تصنیف کی۔ علم الصرف میں کتاب نجاح تصنیف کی۔ حلب میں ۷۱۱ھ یا ۷۱۴ھ میں وفات پائی۔

خطاب بن ابی القاسم قرۃ[2] حصاری

پہلے پہل اپنے شہر کے علماء و فضلاء سے پڑھا پھر شام کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں کے علماء سے حدیث و فقہ و تفسیر حاصل کی۔ کتاب خلافیات عمر نسفی نے نہایت عمدہ شرح تصنیف کی، ۷۱۷ھ میں وفات پائی۔

---

[1] نسبۃ الی سغناق بکسر السین المھملۃ و سکون الغین المعجمہ ثم نون بعدھا ألف بعدھا قاف -- بلدہ فی ترکستان -- الفوائد البھیہ صفحہ ۸۰ - ۸۱

[2] قرۃ حصار شہر روم اور قسطنطنیہ کے درمیان واقع ہے جبکہ قسطنطنیہ سے دس منزل کا فاصلہ ہے۔ اس کا ذکر احمد بن یوسف الدمشقی نے اخبار الاول و آثار الاول میں کیا ہے۔ حدائق الحنفیہ صفحہ ۳۰۲۔

محمد بن محمد بن محمد نزیل مرغینان

فقہ و جدل میں فائق زمانہ اور جامع اصناف علوم وفنون تھے۔ جامع کبیر کی شرح تصنیف کی اور جامع صغیر کو ترتیب دیا۔ ۷۲۶ھ میں وفات پائی۔

عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری

علاؤ الدین لقب تھا، علم الفقہ اپنے چچا محمد سے حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف میں کشف الاسرار بزدوی کتاب تحقیق شرح منتخب حسامی مشہور و معروف ہیں۔ ۷۳۰ھ میں وفات پائی۔

عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ بن سلیمان الترکمانی ماردینی

فخر الدین لقب تھا نحوی، لغوی، مفسر، محدث، ادیب، بلیغ، شیخ وقت، مرجع خاص و عام تھے۔ ولایت مصر میں مذہب امام ابوحنیفہ کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی۔ جامع کبیر امام محمد کی شرح تصنیف کی اور اس کو گمنام منصوریہ میں ڈال دیا۔ آپ کے دونوں بیٹوں قاضی القضاۃ علی و تاج الدین ابوالعباس احمد اور محی الدین عبدالقادر قرشی نے آپ سے علم اخذ کیا۔ قاہرہ میں ۷۳۱ھ وفات ہوئی۔

عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر بن عبدالکریم حلبی

۱۶ رجب ۶۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے امام، فقیہہ فاضل محدث تھے، قطب الدین لقب تھا۔ علم شمس الدین محمود بن ابی بکر کلاباذی فرضی سے اخذ کیا۔ حدیث کو بکثرت سنا، کتاب اہتمام بہ تلخیص الامام اور شرح صحیح بخاری دس مجلد میں شرح سیرت عبدالغنی تصنیف فرمائی اور تاریخ مصر کچھ اوپر دس جلد میں لکھی۔ سلخ میں ماہ رجب ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔

احمد بن حسن المعروف بہ ابن زرکشی

لقب شہاب الدین تھا۔ مدرسہ حسامیہ میں مدت تک مدرس رہے اور ہدایہ کی شرح سغناقی کا

انتخاب کیا۔ رجب ۷۳۷ تا ۷۳۸ھ میں وفات ہوئی۔

علی بن بلبان بن عبداللہ فارسی

ابوالحسن کنیت اور علاؤالدین لقب تھا۔ ۶۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اصول وفروع میں متبحر عالم، عدیم النظیر، فقید المثیل، فقیہ، نحوی، محدث، حسن الذاکرہ تھے، اصول وفقہ علامہ قونوی اور ابی العباس احمد سروجی اور محمد بن عباس خلاصی سے اخذ کیا جبکہ حدیث دمیاطی بن علی بن صاعد اور ابن عساکر وغیرہ سے سنی۔ نحو ابی حیان سے پڑھی، کتاب صحیح ابن حبان اور معجم طبرانی کو ابواب پر مرتب کیا جامع کبیر کی شرح تصنیف کی، خلاطی کی تلخیص کی جامع کبیر کی ایک بڑی شرح تحفۃ الحریص لکھی۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ، کتاب جامع مسائل مناسک میں تالیف کی ۷ شوال ۷۳۹ھ میں قاہرہ میں وفات پائی

عثمان بن علی بن محجن زیلعی[۱]

ابومحمد کنیت، فخرالدین لقب تھا۔ معرفت فقہ، نحو، فرائض میں بڑے مشہور تھے۔ ۷۰۵ھ میں قاہرہ میں آئے، تدریس وافتاء کیا۔ کنزالدقائق کی ایک معتبر شرح تبیین الحقائق تصنیف کی۔ اس کے علاوہ جامع کبیر کی بھی ایک شرح لکھی۔ رمضان المبارک ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔

احمد بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ ماردینی

تاج الدین لقب المعروف ابن ترکمانی، قاہرہ میں ۲۵ ذی الحجہ ۶۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ اپنے باپ اور بھائی سے پڑھیں۔ حدیث دمیاطی اور ابن صواف سے سنی۔ جامع کبیر اور ہدایہ کی شرح تصنیف کی۔ جمادی الاولیٰ ۷۴۴ھ میں وفات پائی۔

صاحبِ شرح وقایہ عبیداللہ

اپنے زمانہ کے متفق علیہ اور علامہ مختلف الیہ حافظ قوانینِ شریعت، ملخص مشکلاتِ اصل وفرع، شیخ

---

[۱]: زیلع کی طرف نسبت کی جاتی ہے جو ایک شہر ساحلِ بحر حبشہ پر واقع ہے (فوائد البہیہ صفحہ ۱۵۰)

فروع واصول، عالم معقول ومنقول، فقیہ، اصولی، خلافی، جدلی، محدث، مفسر، نحوی، بغوی ادیب، نظار، متکلم، منطقی، عظیم القدر، جلیل المحل مغذی علم ادب تھے۔ سلسلہ نسب عبادہ بن صامت صحابی ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اپنے دادا سے علم حاصل کیا۔ اصول فقہ میں ''تنقیح'' تصنیف کی۔ پھر اس کی شرح نفیس توضیح کے نام سے لکھی۔ علاوہ اس کے مقدمات الاربعہ، تعدیل العلوم فی اقسام العلوم العقلیہ، الوشاح فی علم المعانی، کتاب الشروط اور کتاب المحاضرہ وغیرہ تصنیف کیں۔ ۷۴۵ یا ۷۴۷ھ میں وفات پائی۔

علی بن عثمان بن ابراہیم ماردینی

علاؤ الدین لقب تھا لیکن ابی ترکمانی سے مشہور تھے۔ فقہ واصول میں عالم بے بدل، شیخ کامل، باورع، محقق، مدقق، فنون عقلیہ ونقلیہ میں ماہر اور حدیث وتفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فرائض حساب، شعر، تواریخ میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔ کثرت سے تصانیف لکھیں۔ بہجۃ الاعاریب بمافی القرآن من الغریب المنتخب فی الحدیث والمؤتلف والمختلف وکتاب الضعفاء والمتروکین وجواہر النقی فی الرد علی البیہقی، ومختصر المحصل فی الکلام ومعدن فی اصول الفقہ ومختصر رسالۃ القشیری ومختصر علوم الحدیث لابن الصلاح وغیرہ وغیرہ۔ ۷۵۰ھ میں وفات پائی۔

امیر کاتب العمید بن عمر بن امیر غازی اتقانی

کنیت ابوحنیفہ اور قوام الدین لقب تھا۔ شوال ۶۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ وحدیث لغت عربی کے تبحر عالم تھے منتخب شامی کی شرح تبیین تصنیف کی۔ جب آپ دمشق تشریف لائے تو وہاں امیر نائب سلطنت کے ساتھ نماز مغرب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ امام نماز نے رفع الیدین کیا تو آپ نے اس نے کہا کہ امام اعظم کے مذہب کی رو سے آپ کی نماز باطل ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر قاضی الدین سبکی شافعی تک پہنچی، انہوں نے تردیدی کی۔ پس آپ نے ایک مستقل رسالہ رفع الیدین کے بطلان میں لکھا۔ ہدایہ کی شرح مسمّی بہ غایۃ البیان ونادرۃ القرآن تصنیف کی اور مقدمہ میں بھی لکھا کہ میں ہدایہ کی روایت کو پانچ طریقے سے صاحب ہدایہ تک پہنچاتا ہوں۔ ۱۱ شوال ۷۵۸ھ میں آپ نے وفات

پائی۔

مغلطائی بن قلیج ترکی مصری

۶۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علاؤ الدین لقب تھا۔ اپنے زمانہ کے امام حدیث اور اس کے فنون میں حافظ، عارف اور علم فقہ و انساب وغیرہ میں علام زمانہ، محقق، مدقق، صاحب تصانیف کثیرہ۔ تقریباً ایک سو سے زیادہ آپ نے تصانیف لکھیں۔ شعبان ۷۶۲ھ میں وفات پائی۔

عمر بن اسحٰق بن احمد ہندی غزنوی

ابو حفص کنیت، سراج الدین لقب تھا، ۷۰۴ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی تصانیف توشیح شرح ہدایہ، زبدۃ الاحکام فی اختلاف ائمہ اعلام شامل فی الفقہ، شرح بدیع الاصول، شرح مغنی، مغرۃ المعیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ، شرح زیادات، شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر (نامکمل) شرح تائیہ ابن الفارض کتاب الخلاف، کتاب التصوف، شرح المنار، شرح المختار، لطائف الاسرار، عدۃ الناسک فی المناسک، شرح عقیدہ الطحاوی، اللوامع فی شرح جمع الجوامع مشہور و معروف ہیں، ۷۶۳ یا ۷۷۳ھ میں وفات پائی۔

محمد بن احمد بن عبدالعزیز قونوی دمشقی المعروف بہ ابن ربوہ

بڑے عالم فاضل اصولی، فقیہ، محدث، مفسر، جدلی، لغوی علومہ فنون تھے، ناصر الدین لقب تھا۔ علم رضی الدین ابراہیم بن سلیمان منطقی اور علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی سے پڑھا۔ شرح منار اور قدس الاسرار فی اختصار المنار اور مذہب المکیہ شرح فرائض السراجیہ تصنیف کیں اور شام کے ملک میں ۷۶۴ھ میں وفات پائی۔

احمد بن ابراہیم بن ایوب عینتابی[۱]

ابو العباس کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔ دمشق کے عسکر کی قضاء آپ کے سپرد کی گئی۔ فقہ میں

---

[۱] قلعہ عینتاب حلب اور انطاکیہ کے درمیان واقع ہے۔ اسی لئے آپ کی نسبت عینتابی مشہور ہوئی (تاج التراجم صفحہ ۱۱)

کتب منبع شرح جمع البحرین اور اصول میں شرح مغنی تصنیف کی۔ ۷۶۰ھ میں وفات پائی۔

عبدالوہاب بن احمد بن دہبان دمشقی

ابو محمد کنیت، امین الدین لقب تھا۔ ۷۳۲ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔ قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ہزار بیت کا بحر طویل میں قافیہ راء پر ایک عمدہ قصیدہ منظوم کیا اور اس میں مذہب حنفیہ کے مسائل فقہ لائے پھر اس کی دو سرخ جلدوں میں شرح لکھی۔ درر البحار مصنفہ محمد بن یوسف قونوی کی شرح تصنیف کی۔ ذی الحجہ ۷۶۸ھ میں وفات پائی۔

قاضی محمد بن عبداللہ شبلی دمشقی

ابو البقاء کنیت اور بدر الدین لقب تھا۔ ۷۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ عالم فاضل فقیہ محدث تھے۔ علم حافظ ذہبی اور مزنی سے حاصل کیا۔ احکام المرجان فی احکام الجان جس میں جنات سے متعلق علمی ذخیرہ خوش اسلوبی سے تحریر فرمائی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس تخلص کیا۔ محاسن الوسائل الی معرفۃ الاوائل، قلادۃ النحر فی تفسیر سورۃ الکوثر تصنیف کی۔ ۷۶۹ھ میں وفات پائی۔

عبدالقادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ بن سالم قرشی

ابو محمد کنیت اور محی الدین لقب تھا۔ عالم فضل، فقیہ، محدث، جامع العلوم نقلیہ وعقلیہ، حاوی فروع واصول تھے۔ ۶۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ علم الفقہ علاؤ الدین علی بن عثمان ترکمانی اور ان کے والد عثمان ترکمانی اور حبۃ اللہ عرکستانی سے پڑھا، انہی سے علم الحدیث کو سنا اور روایت کی۔ عنایہ فی شرح و تخریج احادیث ہدایہ شرح معنی الآثار طحاوی، شرح خلاصۃ الدلائل، جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، تہذیب الاسماء الواقعہ فی الھدایہ، کتاب البستان فی مناقب نعمان ا، الطراق والوسائل فی تخریج احادیث، خلاصہ الدلائل، الاعتماد فی شرح الاعتقاد، کتاب اوہام الہدایہ، کتاب فی المؤلفۃ قلوبہم، کتاب الرد علی ابن ابی عیبہ وغیرہ۔ ماہ ربیع الاول ۷۷۵ھ میں وفات پائی۔

علی بن نصر بن عمر

نور الدین لقب اور ابن سوسی کے نام سے مشہور تھے۔ فقیہ فاضل اور اصولی کامل اور کاتب تھے۔ عرصہ تک مدرسہ حسامیہ کے مدرس رہے۔ کتاب فقہ میں کتاب النکاح تک تصنیف کی مکمل نہیں ہو سکی۔ ۷۷۵ھ میں وفات پائی۔

منصور بن احمد بن یزید خوارزمی

ابو محمد کنیت تھی، بڑے عالم فاضل، جامع علوم وفنون تھے۔ کتاب مغنی خبازی کی شرح تصنیف کی۔ ۷۷۵ھ میں وفات پائی۔

محمد بن عبد الرحمٰن بن علی المعروف بہ شمس الدین ابن الصائغ

عالمِ ماہر، فاضلِ متبحر، جامع علوم، ضابطِ فنون، کثر الاستحضار، فقیہ محدث، لغوی، نحوی، حسن النظم والنثر حسن الاخلاق تھے۔ ۷۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ شہاب بن مرحل اور ابی حیان، فخر زیلعی سے پڑھا۔ مدت تک جامع طولونی کے مدرس اور دار العدل کے مفتی رہے اور قضاء عسکر آپ کے سپرد کی گئی۔ شرح مشارق الانوار، شرح الفیہ، التعلیقہ فی مسائل الدقیقہ، مجمع الفرائد (سترہ جلدوں میں) المبانی فی المعانی، منہج القدیم فی الفوائد متعلق بالقرآن العظیم، نتائج الافکار والرقم، شرح بردہ الوضع المبہار فی رفع الفعل والظاہر، اختراع الفہوم لاجتماع العلوم، روض الافہام الاستفہام، المجمع، الاختصار التذکرہ، حاشیہ مغنی ابن حسام وغیرہ تصنیف کی۔ ۱۱ شعبان ۷۷۶ یا ۷۷۷ھ میں وفات پائی۔

احمد بن علی بن منصور دمشقی

ابو العباس کنیت اور شرف الدین لقب تھا۔ اپنے وقت کے امام فاضل اور فقیہ محدث تھے۔ ولایت مصر کی قضاء آپ کو تفویض کی گئی۔ کتاب مختار کو مختصر کر کے اس کا نام تحریر رکھا۔ نیز اس پر شرح بھی لکھی لیکن نامکمل رہی۔ ۷۸۲ھ کو دمشق میں وفات پائی۔

محمد بن محمد بن محمود بر باتی

اکمل الدین لقب تھا۔ عالم علوم عقلیہ ونقلیہ، فقیہہ محدث، لغوی، نحوی، صرفی، عارف معانی و بیان، عدیم النظر اور فقید المثیل تھے۔ ۷۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو شیخونیہ کی مشیخیت دی گئی اور کئی دفعہ قضاء کیلئے کہا گیا لیکن آپ نے انکار کیا اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔ چنانچہ شرح مشارق الانوار، شرح ہدایہ المسمی بہ عنایہ، شرح مختصر ابن حاجب، شرح منار، شرح فرائض سراجیہ، شرح تلخیص جامع خلاصی، شرح تجرید طوسی، شرح الفیہ، ابن معطی، حواشی تفسیر کشاف، شرح کتاب الوصیہ امام ابوحنیفہ شرح تلخیص مفتاح۔ کتاب التقریر، شرح اصول بزدوی، کتاب الانوار اور تفسیر قرآن لکھی۔ جمعہ کی رات ۱۹ ار مضان المبارک ۷۸۶ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن علی بخاری المعروف بہ قاضی منصور

ابو عبداللہ کنیت اور تاج الدین لقب تھا۔ ۷۲۲ھ میں سنجار میں پیدا ہوئے۔ عالم فاضل، فقیہہ عدیم النظیر تھے۔ عز الدین ابن عسبون سے تفقہ کیا اور فقہ میں مختار اور فرائض سراجی منظوم کی اور فتاویٰ بحرالجاری چاروں مذاہب کے مسائل پر نہایت ہی معتبر ہے۔ ۷۹۹ یا ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن یوسف بن الیاس قونوی

شمس الدین لقب تھا۔ فاضل بے بدل، محدث کامل، جامع فروع واصول، ضابط معقول و منقول تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح تلخیص مفتاح، شرح مجمع البحرین، شرح عمدۃ النسفی۔ اصول دین میں اور درر البحار تصنیف کیں۔ امام نووی کی کتاب منہاج شرح صحیح مسلم اور کتاب مفصل زمخشری کو مختصر کیا۔ ۵ جمادی الثانی ۷۸۸ھ کو وفات پائی۔

نویں صدی ہجری

عبدالاول بن محمد سیرامی

عالمِ متبحر فقیہہ فاضل تھے۔ اصل وطن بلادِ عجم تھا حتی کہ علم کی پیاس بجھاتے ہوئے بلادِ عجم پہنچے۔ کتاب نقا کی شرح تصنیف کی اور کتاب اسطرلاب نظم میں تصنیف کی۔ ۸۱۳ھ میں وفات پائی۔

علی بن محمد علی جرجانی المعروف بہ سید شریف

۲۲ شعبان ۸۴۰ھ تا کو نزد استر آباد شہر جرجان میں پیدا ہوئے۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ کے عالم تھے، آپ کی تصانیف پچاس سے زیادہ ہیں۔ تفسیر زہراویں شرح فرائض سراجیہ، شرح مواقف، شرح وقایہ، شرح مفتاح، شرح تذکرہ طوسی، شرح کافیہ، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ تجرید طوسی، حاشیہ شرح مطالعہ، حاشیہ شرح شمیہ وغیرہ وغیرہ۔ شیراز میں ۶ ربیع الاول ۸۱۶ھ میں وفات پائی۔

صاحبِ فتاویٰ بزازیہ

محمد بن محمد شہاب بن یوسف الکردری الریقینی الخوارزمی الشہیر بالبزازی، فروع واصول میں فرید العصر تھے۔ معقول ومنقول میں وحید الدھر مانے جاتے تھے۔ کتاب وجیز المعروف فتاویٰ بزازیہ اور امامِ اعظم کے مناقب میں بھی ایک تصنیف کی۔ رمضان ۸۲۷ھ میں وفات پائی۔

عمرو بن علی الشہیر بہ قاری الہدایہ

سراج الدین لقب تھا۔ علومِ منقول ومعقول میں ایسے ماہر تھے کہ مذہب حنفیہ میں کثرت تلامذہ میں مشارٌ الیہ زمانہ ہوئے۔ آپ کی تصنیفات ہدایہ کی تعلیقات اور فتاویٰ یادگار ہیں۔ ماہ ربیع الآخر ۸۲۹ھ میں وفات پائی۔

محمد بن حمزہ بن محمد فناری

شمس الدین لقب تھا، ماہ صفر ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے، اپنے وقت کے امام کبیر، صاحب فضل، علامہ فہامہ، علمِ ادب میں شیخ دہر، خلاف و مذاہب میں مجتہد عصر تھے۔ آپ کی تصانیف میں فصول البدائع فی اصول الشرائع، شرح ایساغوجی المعروف بکروزی، شرح فرائض سراجی وغیرہ ہیں۔ رجب ۸۲۳ھ میں وفات پائی۔

قرہ بن یعقوب بن ادریس رومی قرہ مانی

عالم فاضل، فقیہ محدث، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ مطالع النہ کی شرح تصنیف کی۔ ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔

محمد بن سید شریف علی بن محمد جرجانی

فقیہ فاضل اور عالمِ اجل تھے۔ کتاب متوسط شرح قافیہ جو آپ کے والد نے لکھنا شروع کیا تھا اسے مکمل کیا۔ ہدایۃ الحکمۃ اور فوائد الغیاثیہ کی شروح لکھیں، ۸۳۸ھ میں وفات پائی۔

قاضی شہاب الدین دولت

ملک العلماء امت، فقیہ، مفسر، نحوی، بغوی، ادیب، بلیغ، بیانی، وحید العصر صاحب تصانیف عالیہ تھے۔ شرح کافیہ، بدیع البیان، شرح اصول بزدوی وغیرہ وغیرہ۔ ۸۴۸ھ میں وفات پائی۔

محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد حسین بن یوسف بن محمود عینی

۷۶۲ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ بدرالدین لقب اور قاضی القضاۃ خطاب تھا۔ آپ کی تصانیف میں شرح ہدایہ، رمز الحقائق، شرح کنز الدقائق، شرح جمع، شرح درر البحار، طبقات الحنفیہ، شرح منار اور کتاب العروض وغیرہ۔ ۹۵۵ھ میں وفات پائی۔

محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید سکندری سیواسی

المعروف ابنِ ہمام، کمال الدین لقب تھا، ۷۸۸ھ میں پیدا ہوئے، آپ کی تصانیف میں ہدایہ کی شرح فتح القدیر ایک ایسی محققانہ کتاب لکھی جس کی نظیر نہیں ملتی، قاہرہ میں ۸۶۱ھ میں وفات پائی۔

یعقوب بن ادریس بن عبد اللہ ملدی

المعروف قرہ یعقوب اصول وفروع میں ماہر اور معقول ومنقول میں تبحر تھے۔ ۷۸۹ھ میں قصبہ نکدہ بلادِ قرمان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں حواشی ہدایہ یادگار ہے۔ ۸۶۳ھ میں وفات پائی

خضر بیگ بن قاضی جلال الدین بن صدر الدین بن حاجی ابراہیم رومی

۸۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں عقائد پر نظم جس کی شرح شمس الدین احمد خیالی نے لکھی ہے۔ مختصر کتاب علمِ عرض اور تفتازانی کا حاشیہ اور تفسیر کشاف پر بھی حواشی تصنیف فرمائے۔ ۸۶۳ھ میں وفات پائی۔

قاضی القضا سعد بن شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن سعد بن ابی بکر دیری نابلسی

۱۷ رجب ۷۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ابو السعادات کنیت اور سعد الدین لقب تھا۔ باوجود وفور ذکاوت اور کثرتِ علم کے آپ کی تصانیف کم ظہور میں آئیں جو مندرجہ ذیل ہیں: شرح عقائد نسفی، تکملہ، شرح ہدایہ سروجی (سات جلد)، رسالۃ الحبس بالہمتہ، رسالہ ھل تنام الملائکہ املاو غیرہ وغیرہ ۹ ربیع الآخر ۸۶۷ھ میں مصر میں وفات پائی۔

احمد بن موسیٰ الشہیر بالخیالی

شمس الدین لقب، مبانی علوم اپنے والد سے حاصل کئے۔ آپ کی تصانیف میں عقائد نسفی کی

شرح جس کے بعض مقامات کی شرح عبدالحکیم سیالکوٹی نے حل کیے۔ شرح تجرید پر بھی حواشی لکھے اور اپنے استاد موٰلی خضر بیگ کی کتاب نظمِ عقائد کی شرح کی۔ ۸۷۰ھ میں وفات پائی۔

قاسم بن قطلو بغا

قاہرہ میں ۸۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابو العدل کنیت، زین الدین لقب تھا۔ فقیہ، محدث، علامہ جامع علوم وفنون۔ آپ کی فقہ وحدیث میں ستر (۷۰) سے زیادہ کتب شمار کی گئی ہیں جن میں سے مشہور زمان شرح مصابیح السنہ حاشیہ فتح المغیث، شرح الفیۃ الحدیث، تخریج احادیث الھدایۃ للزیلعی، شرح مجمع البحرین، شرح مختصر المنار، شرح درر البحار وغیرہ وغیرہ۔ حارۃ الدیلم میں ۴ ربیع الآخر ۸۷۹ھ میں وفات ہوئی۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی

بڑے فقیہ، اصولی، نحوی، حافظ حدودِ شریعہ اور آدابِ طریقت موصوف بہ ترک وتجرد تھے۔ کتاب اصولِ بزدوی اور کتاب حسامی کی شروح لکھیں اور مصباح وکافیہ وغیرہ کی شرح بھی کی۔ ۸۸۲ھ میں وفات پائی۔

حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ

۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، تفسیر، نحو، علم معانی وبیان اور معقولات میں سرآمد علائے زمانہ ہوئے۔ آپ کی تصانیف حواشی تلویح، حواشی شرح وقایہ، حواشی شرح تلخیص المعانی مطول، حواشی شرح مواقف، حواشی تفسیر بیضاوی وغیرہ شامل ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۸۸۶ھ میں وفات پائی۔

یعقوب پاشا بن خضر بیگ رومی

عالم محقق، فاضل مدقق اور افقہ اہلِ زمانہ تھے۔ شرح وقایہ پر عمدہ حواشی لکھے۔ شرح مواقف پر

لطیف حواشی لکھے اور اکثر حواشی حسن چلپی آپ کے حاشیہ سے ماخوذ ہے۔ ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔

مصطفٰی بن یوسف بن صالح برسوی الشہیر بخواجہ زادہ

علامہ زماں، فاضلِ جلیل، ماہر معانی و بیان، جامع علومِ عقلیہ ونقلیہ تھے۔ زنجانی کی عمدہ شرح تصنیف کی۔ کتاب تہافۃ الفلاسفہ، حواشی شرح موقف اور شرح ہدایۃ الحکمہ تصنیف کی۔ ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ لطف اللہ توقاتی رومی

عالم فاضل، جامع معقول ومنقول تھے۔ سید شریف کے حاشیہ شرح مطالع اور شرح مفتاح پر حواشی لکھے۔ آپ کی فضیلت اور اطالت لسانی کے باعث معاصر آپ کے خلاف ہو گئے اور الحاد و زندقہ کی طرف آپ کی نسبت کر دی جس سے مولیٰ خطیب نے آپ کے قتل کی اباحت دی اور ۹۰۰ھ میں قتل کر دیا گیا۔

یوسف بن حسین کرماسنی

بڑے قامع بدعت اور محمود السیرۃ تھے۔ حاشیہ شرح تلخیص، مطول حاشیہ شرح وقایہ اور مختصر اصول وجیز نام سے تصنیف کی، ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن ایاتلوغ

جامع فروع واصول اور ضابط دقائق معقول ومنقول تھے۔ مجمع البحرین کی ایک شرح تصنیف کی اور اکثر شراح ہدایہ پر چوٹیں کیں۔

الیاس بن ابراہیم

عالم فاضل، تیز طبع، نہایت ذکی، نرم دل، متعدد علوم کے ماہر تھے۔ اسے سریع الکتابت تھے کہ

مختصر قدوری ایک دن اور سید شریف کے حواشی شرح شمیہ ایک رات میں لکھ لیا کرتے تھے۔ امام اعظم کی فقہ اکبر کی بہت عمدہ شرح لکھی۔ ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن مصطفیٰ بن زکریا خواجہ حسن ترکی

فخر الدین لقب تھا۔ مختصر قدوری کو منظوم کیا اور قصیدہ ترکی میں نہایت عمدہ تصنیف کیا۔

مصطفیٰ بن حسام الدین المعروف حسام زادہ

فقہ واحادیث، تفسیر اور علم وادبیہ وعقلیہ میں ماہر تھے۔ تلویح اور شرح وقایہ پر حواشی لکھے اور میں بھی ایک کتاب تحریر کی۔

دسویں صدی ہجری

خطیب زادہ

مولی محمد بن ابراہیم بن خطیب محی الدین لقب تھا، فقیہ، طلیق اللسان، جری القلب، صاحب محاورہ اور فصیح عند المباحثہ تھے، صدر الشریعہ کے اوئل شرح وقایہ، شرح مواقف، مقدماتِ اربعہ، شرح مختصر ابن حاب، اوائل حاشیہ سید اور کشاف کے حاشیہ سید پر بھی آپ نے حواشی لکھے، وفات ۹۰۱ھ میں ہوئی۔

مولیٰ مصطفیٰ قسطلانی

مصلح الدین لقب تھا، جملہ علوم میں ماہر تبحر تھے۔ آپ نے تفتازانی کی شرح عقائد اور توضیح کے مقدماتِ اربعہ پر حواشی لکھے۔ ۹۰۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن ابراہیم بن حسین نکساری رومی

محی الدین لقب تھا۔ علومِ شرعیہ وفنونِ عقلیہ کے عالم اور قرآنِ پاک کے بجمیع روایات حافظ

تھے، شرح وقایہ اور تفسیر بیضاوی پر حواشی لکھے۔ قسطنطنیہ، میں ۹۰۱ھ میں وفات پائی۔

علی بن یوسف بالی بن شمس الدین محمد فناری

اصولِ فقہ، بلاغت اور ریاضی کے ماہر تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح کافیہ اور شرح قسم تجنیس مشہور ہیں۔ ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

حمید الدین بن افضل الدین

عالم فاضل الغرض جامع علومِ دینیہ وعقلیہ تھے۔ آپ نے ہدایہ اور اصفہانی کی شرح طوالع اور سید کے حاشیہ شرح مختصر پر عمدہ حواشی لکھے۔ ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد بن سعد تفتازانی

سیف الدین لقب تھا۔ فقہ وحدیث میں اپنے ہم عصر علماء پر فائق تھے۔ حواشی تلویح، شرح وقایہ، شرح تہذیب، شرح فرائض سراجیہ وغیرہ پر یادگار حواشی لکھے۔ ۹۱۶ھ میں وفات پائی۔

محمد بن حسین بن عبد الصمد سامسونی

محی الدین لقب تھا۔ آپ کی تصنیفات میں سید شریف کی شرح مفتاح اور ان کے حاشیہ شرح تجرید اور تلویح پر حواشی یادگارِ زمانہ ہیں۔ ۹۱۹ھ میں وفات پائی۔

اسعدی بن ناجی بیگ المعروف ناجی زادہ

سید شریف کی شرح مفتاح، شرح وقاہ کے باب الشہید پر آپ نے خوب حواشی لکھے اور نسفی کی کتاب کو منظوم کیا۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

مولانا الہداد جونپوری

اعاظم اور کبرا فقہاء جونپور گزرے ہیں تحریر وتنقیحِ مطالب علمیہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، ہدایہ وبزدوی کی

شروح اور ومدارک اور کافیہ کی بھی شرح لکھی جبکہ حواشی ہندیہ پر حواشی لکھے ۹۲۳یا۹۲۲ھ میں وفات پائی

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل کرکی قاہری

آپ نے فقہ میں فتاویٰ المسمّٰی بہ فیض المولیٰ الکریم علی عبدہٖ ابراہیم دو جلد میں تصنیف کیا۔ توضیح ابن ہشام پر حاشیہ لکھا۔ ۹۲۳ھ میں وفات پائی۔

حسین عبداللہ توقاتی

حسام الدین لقب تھا۔ آپ نے حواشی شرح وقایہ شیخ عبدالقاہر جرجانی کی مایۂ عامل کی شرح، حواشی شرح تجرید سید شریف وغیرہ لکھے۔ ۹۲۶ھ میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔

اسمٰعیل بن بالی قرامانی

کمال الدین لقب، قرہ سے مشہور تھے۔ تفسیر بیضاوی، کشاف، شرح وقایہ شرح مواقف اور خیالی کے حاشیہ شرح عقائد پر حواشی تحریر کیے۔ ۹۳۰ھ میں وفات پائی۔

مصطفیٰ بن خلیل

مصلح الدین لقب تھا۔ شہر طاش کبریٰ میں ۹۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تفسیر بیضاوی، شرح وقایہ پر رسائل لکھے اور حل حدمی الابتداد اور علم فرائض میں بھی رسالے لکھے۔ ۹۳۵ھ میں وفات پائی۔

قلب الدین مرزیفونی

جامع منقول ومعقول، حاوی فروع واصول تھے۔ شرح وقایہ اور سید شریف کی مفتاح پر تعلیقات لکھیں۔ ۹۳۵ھ میں وفات پائی۔

ابنِ کمال پاشا

احمد بن سلیمان رومی المعروف ابنِ کمال پاشا، شمس الدین لقب تھا۔ فقیہ، محدث، علم زمان اور فہامہ دوراں تھے۔ علامہ کفوی نے آپ کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے۔ آپ کی تصانیف ہر فن پر موجود

ہیں۔ کتاب الاصلاح والایضاح، تفسیر التنقیح، شرح التجرید التجرید، تغیر الراجیہ، تغییر المفتاح، حواشی تلویح، شرح مفتاح، شرح ہدایہ نامکمل وغیرہ وغیرہ۔ ۹۴۰ھ میں ۹۴۱ھ میں وفات پائی۔

احمد بن عبداللہ قریمی

فقیہہ محدث اور مفسر تھے۔ کتاب تلویح، شرح عقائد نسفی اور سید عبداللہ کی شرح لب پر حواشی لکھے۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔

محمد قرہ باغی

محی الدین لقب تھا۔ عالم اجل اور فاضل اکمل تھے۔ حواشی تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، تلویح، ہدایہ اور شرح وقایہ یادگار زمانہ ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ اسفرائنی

فقیہ کامل اور صاحب تصانیف شہرہ تھے۔ شرح عقائد نسفی، تفسیر بیضاوی، پر حواشی لکھے۔ شرح وقایہ کی شرح لکھی اور تلخیص المعانی کی شرح اطول تصنیف کی۔ ۹۴۴ھ میں وفات پائی۔

قاضی احمد بن حمزہ المعروف عرب چلپی

شمس الدین لقب تھا۔ فقیہہ فاضل، محدث کامل تھے، حواشی شرح وقایہ وغیرہ یادگار ہیں۔ ۹۵۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ قوجوی المعروف شیخ زادہ رومی

محی الدین لقب تھا۔ جامع معقول ومنقول اور حاوی فروع واصول تھے۔ وقایہ، مفتاح اور سراجیہ کی شروح لکھیں ور تفسیر بیضاوی آٹھ جلدوں میں حواشی کے ساتھ تحریر کی۔ وفات ۹۵۰ یا ۹۵۱ھ میں پائی۔

ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی

اپنے وقت کے عالم، محدث، فقیہہ تھے۔ فقہ میں ایک متن و جیز بہ ملتقی الابحر تصنیف کیا۔ منیۃ المصلی پر دو شروح لکھیں۔ تلخیص فتاوی تاتارخانیہ بھی کی۔ دو شروح لکھیں، ۹۵۶ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ محمد بن محمد المعروف عرب زادہ رومی

اپنے وقت کے عالم اور صاحب تحقیق وتدقیق تھے۔ آپ کی تصانیف میں شرح وقایہ وہدایہ، شرح غنایہ، فتح القدیر، سید کی شرح مفتاح اور مطول پر یادگار حواشی ہیں۔ ۹۶۹ھ میں وفات پائی۔

یوسف قرہ میوی

نور الدین لقب تھا۔ علم الفقہ میں کتاب مرضی نامی تصنیف کی جس میں مختار مسائل کو جمع کیا اور بقول مختار ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ صالح بن جلال

آپ کے والد زمرۂ کبار قضاء میں سے تھے۔ اسی لئے ابتداء سے ہی علماء وفضلاء کی صحبت میں رہے۔ آپ کی تصانیف میں حواشی شرح مواقف، حواشی شرح مفتاح جرجانی، حواشی شرح وقایہ یادگار ہیں۔ ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ تاج الدین ابراہیم بن عبید اللہ حمیدی

فاضلِ اجل اور فقیہہ اکمل تھے۔ آپ چند مواضع سے اقوال جمع کر کے سولہ مقامات پر ان سے کمال پاشا کی تردید کی اور سید کی شرح مفتاح کا بعض مقامات سے حاشیہ تصنیف کیا اور اس میں بھی ابن کمال پاشا کی تردید کی۔ ۹۷۳ھ میں وفات پائی جبکہ نزہۃ الخواطر میں ۹۷۷ھ ہے۔

محمد آفندی برکلی

عالم فاضل، جامع علوم نقلیہ وعقلیہ تھے۔ آپ کی تصنیفات میں مختصر کافیہ، شرح بیضاوی، کتاب طریقہ محمدیہ اور حواشی شرح وقایہ اور کتاب الفرائض یادگار ہیں۔ ۹۸۱ھ میں وفات پائی۔

مولیٰ احمد بن مولیٰ بدرالدین قورد آفندی المعروف قاضی زادہ رومی

شمس الدین یا زین الدین لقب تھا۔ امام العلماء اور سید الفقہاء تھے۔ ہدایہ کی شرح کتاب الوکالۃ سے آخر تک مسمّٰی بہ نتائج الافکار فی کشف الرموز و الاسرار بطور تکملہ فتح القدیر تصنیف کی۔ اس میں تین ہزار ایرادایسے شراح ہدایہ پر کئے جو پہلے کسی ثقہ نے نہیں کئے تھے۔ سید کی شرح مفتاح کا حاشیہ اور اوائل شرح وقایہ پر حاشیہ اور تجرید پر حاشیہ لکھا۔ ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

محمود بن سلیمان کفوی

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، واقفِ فنون اصولیہ وفروعیہ تھے۔ آپ نے اعلام الاخیار المشہور بہ طبقات کفوی نہایت عمدہ تصنیف کی جس میں امام ابوحنیفہ سے اپنے زمانہ تک کے سلسلہ تلمذ کا ذکر تفصیلاً کیا۔ مدت تک تالیف وتصنیف درس وتدریس کیا۔ ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی

عالم ماہر، فاضل، زاہد، عارف، فقیہہ، محدث تھے۔ ۹۱۱ھ میں قصبہ جابانیر گجرات میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر تدریس اور تصنیف کتب میں مصروف رہے۔ شرح نخبۃ الفکر حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ عضدی، حاشیہ تلویح، حاشیہ بزدوی، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ مطول، حاشیہ مختصر، شرح تجرید، حاشیہ اصفہانی، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی وغیرہ وغیرہ۔ ۹۹۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

عبد العلی بن محمد حسین برجندی

جامع اصناف علوم محسوس و منقول حاوی انواع مسائل فروع و اصول، فقیہ محدث، علم نجوم و حکمیات وریاضی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ کتاب مجسطی نے شرح لکھی، مختصر وقایہ کی شرح نقایہ اور مناظر میں رسالہ عضدیہ کی شرح، فن اضطراب میں رسالہ طوسی کی شرح، شرح ملخص چغمینی قاضی زادہ موسیٰ رومی پر حواشی لکھے، رسالہ تذکرہ تحریر اور شمسیہ پر شروح لکھیں۔ ۹۳۲ یا ۹۳۴ھ میں وفات پائی۔

گیارہویں صدی ہجری

محمد بن عبد اللہ بن احمد خطیب بن محمد بن خطیب بن ابراہم خطیب بن خلیل بن تمرتاشی غزی

اپنے زمانہ کے امامِ کبیر، فقیہ بے نظیر، حسن الطریقہ، قوی الحافظ،، وحید العصر اور فرید الدہر تھے۔ ۹۹۸ھ میں قاہرہ چلے گئے اور زین بن نجیم مصری اور امین الدین بن عبد العالی اور علی بن حنائی سے تفقہ کیا۔ آپ کی تصنیف بیش بہا میں سے فقہ کی تنویر الابصار میں تحقیق و تدقیق سے کام کیا۔ کتاب معین المغنی، منظومۃ الفقہ المساۃ بہ تحفۃ الاقران اور اس کی شرح مواہب الرحمٰن، فتاویٰ مشہورہ ابن زاد الفقیہ کی شرح، شرح منار، شرح مختصر المنار، شرح کنز تا کتاب الایمان حاشیہ درر نا مکمل وغیرہ وغیرہ۔ ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی۔

ابنِ نجیم مصری

شیخ عمر بن ابراہیم سراج الدین لقب تھا۔ فقہ محقق، رشیق العبارہ اور کامل الاطلاع تھے۔ آپ نے کتاب نہر الفائق شرح کنز الدقائق، اجابۃ السائل فی اختصار انفع الوسائل تصنیف کی۔ ۱۰۰۵ھ

میں وفات پائی۔

حسام الدین

جامع علوم متعددہ اور صاحب تصانیف تھے۔شرح وقایہ وغیرہ کے حواشی لکھے۔۱۰۱۰ھ میں وفات پائی۔

مفتی زکریا بن بہرام

شہر القرہ کے رہنے والے تھے۔عنایہ اور شرح وقایہ پر حواشی تصنیف کئے۔۱۰۱۰ھ میں وفات پائی

عبدالحلیم بن محمد المعروف اخی زادہ

دولت عثمانیہ کے علمائے اکابر سے تھے۔آپ نے بہت سی تصانیف لکھیں جس میں شرح ہدایہ اور تعلیقات شرح مفتاح اور الاشباہ والنظائر وغیرہ مشہور ہیں۔۱۰۱۳ھ میں وفات پائی۔

علی بن سلطان محمد ہروی نزیل مکہ المعروف ملا علی قاری

نور الدین لقب تھا۔اپنے وقت کے فرید الدھر، وحید العصر محقق، مدقق، منصف مزاج، محدث، فقیہہ، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ہرات میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں احمد بن حجر ہیثمی مکی اور ابی الحسن بکری، عبداللہ سندی اور قطب الدین مکی سے تفقہ کیا۔

آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں جو تفسیر حدیث اور فقہ میں پائی جاتی ہیں۔شرح فقہ اکبر، شرح شاطبیہ، شرح مناسک الحج، الثماز الجنیہ فی اسماء الحنفیہ اور بہت سے رسائل اور شروح تصنیف کیں۔

مصطفیٰ بن محمد المعروف عزمی زادہ

روم کے علماء متاخرین میں علامہ وفاضل تھے۔آپ کی مشہور تصانیف میں کتاب درروغرر، واحد ابن ملک کی شرح منار پر حاشیہ لکھا۔۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک الدہلوی بخاری، ابو المجد کنیت تھی۔ آپ کے آباواجداد اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے جہاں آپ محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ فقیہ محقق، محدث، مدقق، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مؤرخ اضبط، فخر ہندوستان، جامع علومِ ظاہری و باطنی، صاحبِ طریقت و شریعت، مستندِ موافق و مخالف تھے۔ آپ کی تصانیف صغیر و کبیر سو مجلد ہے اور بحسبِ شمار ابیات پانچ لاکھ تک پہنچتی ہیں۔ لمعات شرح مشکوٰۃ اخبار الاخیار، زبدۃ الآثار، فتح المنان فی مناقب النعمان اور چہل رسالہ وغیرہ اور کتب حنفیہ پر عبور اس قدر تھا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

بڑے عالم فاضل، فقیہ، محدث، مفسر اور خصوصاً علم معقولات میں طاق، یگانۂ آفاق اور صاحب تصانیفِ عالیہ تھے۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ کتاب مشہود، حاشیہ مقدمات تلویح، حاشی مطول، حاشیہ شریفیہ، شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ عقائد دوانیہ، حاشیہ شرح شمسیہ، شرح مطالع، حاشیہ عبدالغفور، حاشیہ شرح ہدایہ الحکمہ و حاشیہ خیالی، حاشیہ قطبی وغیرہ وغیرہ اور اور غنیۃ الطالبین کا ترجمہ کیا۔ ۱۰۶۴ یا ۱۰۹۷ھ میں وفات پائی۔

حسن بن عمار المصری الشرنبلانی

ابو الاخلاص کنیت تھی، ۹۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اعیان فقہاء اور اعلم فضلاء اور معتبر فی الفتاویٰ تھے۔ آپ نے شرح منظومہ ابن ہبان، درر و غرر کے حواشی، نور الایضاح جو درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے اسی کی طرح امداد الفتاح اس کا مختصر مراقی الفلاح وغیرہ اور رسائل تقریباً ساٹھ سے زیادہ ہیں۔ ماہ رمضان ۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔

شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم مصری

علامہ محقق، فہامہ مدقق، عالم اجل اور فاضلِ اکمل تھے۔ آپ نے شرح کنز اور اشباہ والنظائر وغیرہ تصنیف کیں۔ فتح الغفار شرح المنار، مختصر تحریر الاصول المسمّٰی لب الاصول، تعلیقاتِ ہدایہ باب البیوع سے اور حاشیہ جامع الفصولین، فتاویٰ اور چالیس رسائل متفرق مسائل میں تصنیف کئے۔ رجب ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن جمال الدین بن حسن بن زین العابدین حصنی اثری المعروف بہ حصکفی

فقیہ محدث، عالم، فاضل نحوی، حافظ حدیث ومرویات، جامع معقول ومنقول، صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ فقہ میں درمختار، شرح ملتقی الابحر، اصول میں شرح منار، مختصر فتاویٰ صوفیہ، فتاویٰ ابن نجیم کو جن کی بیٹے تمرتاشی نے جمع کیا تھا اسے بھی جمع کیا وغیرہ وغیرہ۔ ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی۔

محمد بن حسن بن احمد بن افی یحییٰ کواکبی حلبی

مختلف علوم وفنون کے بحرِ ذخار تھے۔ تصانیف میں وقایہ کو منظوم کیا پھر اس کی شرح لکھی۔ اس طرح منار کو منظوم کیا پھر اس کی شرح لکھی۔ شرح مواقف پر بھی حواشی تحریر لئے۔ تفسیر بیضاوی پر تعلیقات لکھیں۔ ذیقعدہ ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی۔

بارہویں صدی ہجری

میر زاہد بن قاضی محمد اسلم ہروی کابلی

فاضلِ اجل، عالم تبحر، منطقی، صاحب فکر ورائے تھے۔ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی

تصنیفات سے حاشیہ شرح مواقف، محقق دوانی کی تہذیب کی شرح، حاشیہ تصور وتصدیق مصنفہ قطب رازی اور حاشیہ شرح ہیاکل یادگار ہیں۔ ۱۱۱۱ھ میں وفات پائی۔

ملا قطب الدین شہید سہالوی

نقلیات اور عقلیات میں مقدم تھے۔ قصبہ سہال میں (جو لکھنؤ میں ہے) پیدا ہوئے۔ شرح عقائد دوانیہ پر نہایت دقیق حاشیہ لکھا۔ ۱۱۰۳ھ میں فریق عثمانیہ نے آپ کی حویلی پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

ابراہیم بن سلیمان بن محمد بن عبدالعزیز جنینی نزیل دمشق

مؤرخ، حافظ، وقائع نویس، واقف غوامض نقول، جامع فروع، حاوی اصول تھے۔ ۱۰۴۰ھ میں جنین ملک شام کے ایک شہر میں پیدا ہوئے۔ خیر الدین مفتی حنفی سے تفقہ کیا اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کا فتاویٰ مشہورہ مرتب کیا۔ ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

قاضی محب اللہ بہاری بن عبدالشکور

علوم کے بحرِ ذخار، فقیہ، اصولی، منطقی، حاوی فروع واصول تھے۔ موضع کرہ جو مضافات بہار میں واقع ہے پیدا ہوئے۔ آپ نے جس طرح سلم العلوم تصنیف کر کے منطق کو زندہ کر دیا اسی طرح کتاب مسلم الثبوت تصنیف کر کے علمِ اصول فقہ کو فروغ دیا، جس میں یہ ثابت کیا کہ جملہ علومِ نقلی وعقلی حدیث وتفسیر اور فقہ وغیرہ بغیر اصول فقہ کے ہرگز نہیں آسکتے۔ ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون صدیقی امیٹھوی

فقیہ، محدث، حافظ، اصولی، جامع معقول ومنقول تھے۔ قصبہ امیٹھی جو مضافات لکھنؤ میں ہے پیدا ہوئے۔ ۱۰۶۹ھ میں تفسیر احمدی کو ان احکامِ فقہ کی تشریح میں جو قرآن سے مستنبط ہوتے ہیں تصنیف کیا۔ اٹھاون سال کی عمر میں اصول منار کی شرح نور الانوار تصنیف کی جو مقبولِ عام اور نصاب میں

داخل ہے۔ دہلی میں ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

حافظ امان اللہ بنارسی بن نور اللہ بن حسین

منقول و معقول میں ماہر اور فروع و اصول میں متبحر، قرآن کے حافظ تھے۔ آپ نے اصولِ فقہ میں کتاب مفسر تصنیف کی اور خود اس کی شرح محکم الاصول لکھی۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ عضدی، حاشیہ تلویح، حاشیہ قدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ حکمۃ العین، حاشیہ شرح عقائد دوانی، حاشیہ رشیدیہ در باب مناظرہ، محاکمہ مابین امیر باقر استر آبادی و ملا محمد جونپوری در بارہ مسئلۂ حدوث دہری یادگارِ زمانہ ہیں۔ ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی۔

محمد عنایت اللہ قادری قصوری ثم لاہوری الشطاری

ابو المعارف کنیت تھی، جامع علومِ ظاہر و باطن تھے۔ شرحِ وقایہ کے حواشی المسمیٰ بہ غایۃ الحواشی دو جلدوں میں تصنیف کیے۔ کنز الدقائق کی شرح ملتقط الدقائق کے نام سے تصنیف کی۔ ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

عبد الغنی نابلسی دمشقی

عالم محقق، فاضل مدقق تھے۔ علوم و فنون اپنے ملک کے علماء و فضلاء سے حاصل کیے۔ نہایۃ المراد شرح بدیۃ ابن العماد اور خلاصۃ التحقیق فی مسائل التقلید والتلفیق، لولو المکنون فی الاخبار عما سیکون، غایۃ الوجازہ فی تکرار الصلوٰۃ علی الجنازہ وغیرہ تصنیف کیں۔ ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی۔

احمد بن بکر بن محمد بطحیش العکی

۱۰۶۵ھ میں شہر عکا میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے امام اجل، علامہ فاضل، عالمِ متبحر، فقیہ ماہر، مؤلف نحریر، مفتی عکا تھے۔ آپ کے فتاویٰ علیٰ و شرح ملتقی الابحر و شرح منظومہ ابن شحنہ وغیرہ یادگار ہیں۔ ۱۱۴۷ھ میں وفات پائی۔

نورالدین بن شیخ محمد صالح احمد آبادی

فقیہ، محدث، مفسر، علامہ زمانہ، وحید العصر، فرید الدہر، جامع منقول و معقول، حاوی فروع و اصول، بحرِ ذخارِ علوم اور صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ ۱۰۶۴ھ میں احمد آباد میں پیدا ہوئے، آپ نے ڈیڑھ سو سے زیادہ صغیر و کبیر کتابیں تصنیف کیں، تفسیر کلام اللہ، نوری القاری شرح صحیح البخاری، حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ قدیمہ، حاشیہ شرح مواقف، حل المعاقد، حاشیہ شرح القاصد، حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ تلویح، حاشیہ عضدی، شرح معول، حاشیہ مطول، حاشیہ منہل، حاشیہ شمسیہ، حاشیہ شرح تہذیب، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ شرح ملا، حاشیہ طریق الامم، شرح فصول الحکم وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ ۹ شعبان ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

ملا نظام الدین بن ملا قطب الدین سہالوی

فاضل جید، عارفِ فنونِ رسمیہ، ماہر علومِ نقلیہ و عقلیہ، فقیہ اصولی تھے۔ علومِ شیخ غلام نقشبندی لکھنوی سے حاصل کیے۔ آپ کی تصانیف سے شرح مسلم الثبوت، حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی یادگار ہیں۔ ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری

۱۰۹۱ھ میں موضع سلطان پور علاقہ بگرام[1] پشاور میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنی تصنیف در کسب و سلوک و بیانِ حقیقت و معرفت میں تحریر کرتے ہیں کہ جب احقر سات برس کا ہوا تو کم فہم ہونے کی وجہ سے باوجود کوشش کے قرآن پاک یاد نہ ہوتا تھا۔ والد گرامی نے پیر دستگیر حضور غوث الاعظم ؓ کی بارگاہ میں روحانی طور سے عرض کی کہ اس بچے پر مہربانی فرمائیں۔ آنجناب نے مہربانی فرمائی اور میں علمِ ظاہر و باطن سے خوب بہرہ ور ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علم کے دریچے کھل گئے۔"

---

[1]: موضع باگرام یا بگرام پشاور ہی کا دوسرا نام ہے۔ ہندو راجہ بگرام نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اسی نسبت سے بگرام مشہور ہوا۔ (اکبرنامہ، ابوالفضل، جلد ا صفحہ ۲۴۸)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قلیل عرصہ میں ہی تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ پر مکمل دسترس حاصل کر لی۔

آپ خود لکھتے ہیں "میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں کتبِ متداولہ یس فراغت حاصل کر لی۔ مطول چھ ماہ میں پڑھ لی، کابل کے صوبہ جات میں سے صوبہ جلال آباد میں ایک بستی محمود کامہ جہاں ایک بزرگ اخوند محمد نعیم ؒ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر توضیح وتلویح پڑھی"

ملاں احمد جیوں تفسیر احمدی کے شاگرد مولانا نور محمد مدقق کا دار العلوم تھا جو منڈی فالیز آباد میں واقع تھا۔ وہاں پر آپ نے جان محمد کلان سے علم الحدیث میں اذنِ حدیث حاصل کیا اور حاجی محمد یار بیگ، مولوی عبدالہادی، میاں محمد داد صاحب نابینا جو اپنے زمانہ کے تمام باکمال فضلاء تھے ان سے بعض علوم حاصل کیے۔ اس کے بعد پیر ومرشد والدِ گرامی (ابوالبرکات سید حسن پشاوری م ۱۱۱۵ھ) نے مجھے ایک علیحدہ خالی مقام پر تنہائی میں چھ برس تک بٹھا دیا۔ اس عرصہ میں نے ذکرِ لسانی، ذکرِ جہر، ذکرِ خفی، ذکرِ قلبی اور مراقبات کو پورا کیا۔ جو کچھ میری استعداد کے مطابق تھا وہ مجھے ملا۔ عجیب وغریب واقعات وحالات رونما ہوتے تو میں اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں عرض کرتا۔ جو بات صحیح ودرست ہوتی تو شاباش فرماتے اور جس بات میں کچھ کمی رہ جاتی تو اس کی اصلاح فرماتے۔ اتنی رحمتوں کا نزول ہوا، اتنی بخششیں وعنایات ہوئیں، اتنے اسرار ورموز کھلے کہ جن کی تفصیل میں بیان نہیں کر سکتا "وتفصیلِ ان در نشتن نمی آید"

اگر شاہ محمد غوث ؒ کے فکر وعلم کا مطالعہ آپ کے دور اور تصانیف کی روشنی میں کیا جائے تو اس امر کی نشاندہی کرنی مشکل نہیں کہ آپ نے فقہ، حدیث، شریعت وطریقت میں نہایت ہی عمدہ طریقہ سے تطبیق فرمائی۔ آپ ایک ایسے مقامِ رفیع کے مالک تھے کہ اگر آپ کو "مجتہدِ منتسب" کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ شاہ محمد غوث اپنے رسالہ "جوازِ ذکرِ جہر" میں لکھتے ہیں کہ بس میں نے اشد ضروری حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے کیونکہ کسی امر کا ممنوع ہونا عبارت النص سے ہوتا ہے تو اس طرح عبارت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص کے تعارض میں اقویٰ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ منع کے لحاظ سے عبارت النص میں منع پایا جائے تو وہ امر ممنوع ہے۔ جوازِ ذکرِ جہر خفی کیلئے تو منع کی کوئی نص

وارد نہیں ہوئی اور نہ آپ کا یہ احتمال جو معانی کو منع پر دلالت کرے۔ اگر یہ مان لیا جائے تو جمع اور تطبیق ہرگز وقوع پزیر نہیں ہو سکتیں۔

اس مقام پر دونوں کے درمیان تطبیق جمع ہو گئی۔ (فھو المراد) اب کون سا تعارض باقی رہا۔

اس بحث کا اختتام آپ منطقی مدلل اور جامع انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو اور کثیر کے معنی یہ ہیں کہ ذکرِ جہر کو بہت سے سننے والے سنیں اور ان کے دلوں میں اتر جائے تو وہ بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ پس جہر کے ساتھ ذکر کونے والا ان کے ذکر کا سبب ہے اور نیکی پر دلالت کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ خود نیکی کرنے والا۔ اس طرح سے ایک کا ذکر سب کا ذکر ہو گیا جبکہ ذکرِ خفی میں یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ذکرِ جہر ایسا ہے کہ زبان بھی کان بھی اور قلب بھی مشغولِ ذکر ہو رہے ہیں۔ برعکس ذکرِ خفی کے کیونکہ ذکرِ خفی جاری ہو اور ذاکر کے دل پر متمکن ہو اور اس لحاظ سے وہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو اور اس کے دل میں سوائے (اللہ جل شانہ) کے ذکر کے اور کوئی خیال نہ آئے تو یہ ذکرِ جہر پر ایک عظیم درجہ ہے۔

اپنے اس رسالہ میں آپ نے فتاویٰ کی روشنی میں جواز اور عدم جواز کی بحث بھی فرمائی اور ہدایہ، نہایہ، کفایہ سے حواشی کو نقل فرمایا۔ آپ نے طالبعلموں کی آسانی کیلئے مشکل اصطلاحات کو آسان کر کے بیان فرمایا جیسا کہ لفظ عندنا فیروایتنا عبارۃ عن مذہب الائمۃ الثلثۃ اعنی اباحنیفۃ وصاحبیہ بل زفر ایضا روایاتِ فقہ میں یعنی ائمہ امام ابوحنیفہ صاحبین (امام محمد وامام یوسف) بلکہ امام زفر کی عبارت بھی مراد ہے۔ اسی طرح شرح صحیح بخاری میں بھی فقہ حنفی کی روشنی میں مسائل کو حل فرمایا ہے۔ آپ نے ۱۱۷۳ھ بمطابق ۱۷۵۹ء میں لاہور میں وفات پائی۔

الغرض برصغیر کے علماء کرام نے مختلف علوم وفنون کی ترقی واشاعت میں جو قابلِ قدر تحقیقی کام کیا وہ ناقابلِ فراموش کارنامے ہیں۔ ان اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس، ترویج واشاعت میں بھرپور تحریری اور تبلیغی خدمات سرانجام دیں وہ ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں میں بیٹھ کر وہ نادرۂ روزگار تصانیف تحریر کیں جو عربی ادب میں بھی بےنظیر ہیں۔ ان علماء کرام نے حکومت

کے غیر شرعی و نامنصفانہ اقدامات پر بھی انتہائی جرأت وہمت اور استقلال کے ساتھ جرح وتنقید کی اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں مناظروں، ملاقاتوں اور مکتوبات کے ذریعہ اسے بدلنے کی کوششیں کیں۔ انتہائی تحقیق وتدقیق، تفحص وتجسس کے ساتھ علم الحدیث اور علم الفقہ کی سریع الفہم شروح نہایت موثق اور محققانہ علمی ذرائع کے ساتھ آنے والی نسلوں کو مستفید کیا۔ آج انہی لوگوں کی محنت کا ثمرہ ہے کہ اسلامی علوم کی ترویج واشاعت قدم قدم پر دکھائی دے رہی ہے۔ اگر ان علوم کے فیوض و برکات اس طرح روشن وا جاگر نہ ہوتے تو برصغیر کے مسلمانوں کے فکری رجحانات اور ہندوانہ ذہنیت ان کی تہذیب کی نذر ہو جاتے۔ آج کے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بیش بہا علمی ورثہ سے فائدہ اٹھائیں اور ان افکار کی اشاعت وترویج میں اپنی مساعی اور فرض منصبی کو پورا کریں۔

کتابیات

۱: البغیہ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ، علامہ جلال الدین سیوطی، مطبوعہ سادہ قاہرہ، ۱۳۲۶ھ۔

۲: اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، نواب صدیق حسن خان، بھوپال مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ۔

۳: احیاء العلوم، امام غزالی، لکھنؤ ۱۳۳۰ھ۔

۴: اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجتبائی پریس دہلی ۱۳۰۹ھ۔

۵: اصول سرخسی، ابوبکر محمد بن احمد سرخسی، مصر ۱۳۷۲ھ۔

۶: الاصابہ فی تمیز الصحابہ، علامہ ابن حجر العسقلانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

۷: الفقہ علی مذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن، مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

۸: الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، عبدالحئی لکھنوی، مطبع سعادۃ قاہرہ ۱۳۲۴ھ۔

۹: الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ

۱۰: المختصر القدوری، ابوالحسن احمد فاروقی، دہلی ۱۲۹۱ھ

۱۱: بحر الرائق، زین الدین بن نجیم، مصر ۱۳۱۱ھ
۱۲: بخاری شریف، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کانپور ۱۳۲۰ھ
۱۳: بزرگانِ لاہور، پیر غلام دستگیر نامی، نوری بک ڈپو لاہور ۱۹۶۶ء
۱۴: بیضاوی شریف، قاضی عبداللہ بن عمر الشافعی
۱۵: تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ، قاسم بن قطلوبغا، ناشر سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱۰۴۱ھ۔
۱۶: تاریخ الفقہ، عبدالسلام، اعظم گڑھ ۱۳۸۶ھ
۱۷: تاریخ خطیب، ابوبکر بن احمد بن علی، مصر ۱۳۴۹ھ
۱۸: تاریخ علم فقہ، سید عمیم الاحسان، دہلی ۱۹۶۲ء
۱۹: تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ مطبع علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۱۷ء۔
۲۰: تذکرۃ النوادر، ہاشم ندوی، حیدر آباد دکن ۱۳۵۰ھ
۲۱: تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی، مترجمہ محمد ایوب قادری، ایشیاٹک سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء۔
۲۲: تفسیر کشاف، علامہ زمخشری، مطبع محمد مصطفیٰ ۱۳۰۸ھ۔
۲۳: تنویر الابصار، زیلعی، مصر ۱۳۱۳ھ۔
۲۴: تبیین الحقائق، ابومحمد فخر الدین عثمان بن علی، مصر ۱۳۰۳ھ۔
۲۵: توضیح تلویح، مسعود بن عمر المعروف سعد الدین، لکھنؤ ۱۲۹۲ھ۔
۲۶: تہذیب التہذیب۔
۲۷: درکسب سلوک و بیان حقیقت و معرفت، سید شاہ محمد غوث (قلمی) مملوکہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی پشاور
۲۸: درمختار، مولانا علاء الدین ۱۸۹۲ء۔
۲۹: سیر اعلام النبلاء، محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، بیروت لبنان ۱۴۰۲ھ۔
۳۰: سیرت النعمان، سید شبلی نعمانی، مطبع مفید آگرہ ۱۳۳۹ھ۔
۳۱: سوانح بے بہائے امام اعظم، ابوالحسن زید فاروقی، شاہ ابوالخیر اکیڈیمی دہلی ۱۴۲۱ھ۔
۳۲: شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و علمی خدمات، ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی، مکتبہ الحسن، جون ۱۹۹۰ء۔

۳۳:شرح عقائد، علامہ سعد الدین، لکھنؤ ۱۳۲۸ھ۔

۳۴:شرح کنز، محمد محمود بن احمد المعروف قاضی بدر الدین، مصر ۱۲۸۵ھ۔

۳۵:شرح مسلم الثبوت، عبدالحق خیر آبادی، کانپور۔

۳۶:شرح مواقف، سید شریف جرجانی، لکھنؤ ۱۲۹۴ھ۔

۳۷:شریف التواریخ، سید شریف احمد شرافت نوشاہی، ادارۂ معارف نوشاہیہ گجرات ۱۳۹۹ھ۔

۳۸:شذرات الذہب، عبدالحی بن العماد، المکتبۃ التجاری بیروت لبنان۔

۳۹:طبقات، علامہ ذہبی

۴۰:طبقات الشافعیہ، تاج الدین السبکی، مطبع الحسینیہ قاہرہ ۱۹۲۸ء

۴۱:طبقات الکبیر، محمد بن سعد مرتبہ ایڈرورڈ سخاؤ، لیڈن ۱۹۳۲ء

۴۲:طحاوی علی الدر، احمد طحاوی، مصر ۱۲۶۸ھ

۴۳:علمائے ہند کا شاندار ماضی، مولانا محمد میاں، دہلی ۱۹۴۲ء

۴۴:غنیۃ الطالبین، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ غلام علی لاہور ۱۹۶۱ء۔

۴۵:فتاوئی قاضی خان، فخر الدین قاضی خان، دہلی ۱۲۷۱ھ

۴۶:فتح القدیر، کمال الدین بن ہمام، مصر ۱۲۱۵ھ

۴۷:فقہ اسلام، ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، ناشر ادارہ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی۔

۴۸:مشارق الانوار، امام رضی الدین صنعانی، قیومیہ پریس کانپور۔

۴۹:مطول: علامہ سعد الدین تفتازانی، مطبوعہ ایران۔

۵۰:منیۃ المصلی، سید الدین الکاشوری، کانپور ۱۳۰۲ھ

۵۱:نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی، دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۷۶ھ۔

۵۲:وفیات الاعیان، علامہ ابن خلکان، الناشر منشورات الشریف الرضی، محققہ الدکتور احسان عباس۔

۵۳:ہدایہ، برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی، لکھنؤ ۱۳۹۳ھ

۵۴:ہدیۃ العارفین: اسماعیل پاشا بغدادی، مطبع بہیۃ استنبول ۱۹۵۱ء

امام اعظم کا فقہی مزاج

حافظ ظفر حسین الحسینی
لیکچرر شعبہ تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور

امام ابو حنیفہ کا شجرہ نسب اس طرح نقل ہے: ابو حنیفہ کنیت، نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ۔۸۰ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ کوفہ حضرت عمر بن خطاب ؓ کے دورِ خلافت میں ۱۷ھ کو تعمیر کیا گیا اور حضرت عمر ؓ نے اہل کوفہ کو خط ارسال فرمایا کہ تمہاری تعلیم و تربیت کیلئے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو بھیج رہا ہوں اگر چہ مدینہ میں ان کی ضرورت زیادہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود ؓ نے خلافت عثمان ؓ کے آخری دور تک یہاں قرآن و حدیث اور دین کی تعلیمات سے لوگوں کو سیراب کیا اور چار ہزار علماء و محدثین اس دور میں پیدا ہوئے۔ حضرت علی ؓ جب کوفہ تشریف لائے تو یہ شان دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعود ؓ کا بھلا کرے انہوں نے اس بستی کو علم دین سے بھر دیا۔ ایک اندازہ کے مطابق تقریباً پندرہ سو سے زائد صحابہ کرام ؓ کوفہ میں قیام پزیر رہے۔ بہر حال یہ کوفہ کی مختصر شان کا ذکر ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ امام ابو حنیفہ ؒ کی جائے پیدائش ایک علمی مرکز رہا، اس علمی مرکز میں انہوں نے آنکھ کھولی اور علم و عمل میں کمال حاصل کیا۔

امام ابو حنیفہ ؒ نہایت خوش رو، خوش لباس، خوشبو پسند کرنے والے اپنے رفقاء کے ہمدرد تھے۔ آپ ریشم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ ؒ نے چار صحابہ کرام ؓ کی زیارت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت سہیل بن سعد الساعدی، ابو طفیل عامر بن واثلہ ؓ جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ تابعین میں سے ہیں۔

خلیفہ ابو جعفر[۱] نے امام صاحب سے سوال کیا کہ آپ نے کن حضرات کا علم حاصل کیا ہے تو امام صاحب نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور حضرت

۱: ابو جعفر المنصور متوفی ۱۶۹، الانتقاء، صفحہ ۸۰-۸۲

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں سے۔ ابو جعفر نے کہا کہ آپ نے بہت ہی صحیح اور پختہ علم حاصل کیا کیونکہ یہ نہایت ہی مقدس ہستیاں ہیں۔[1]

استنباط مسائل کے اصول

یحیٰی بن ضریس[2] فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری[3] کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحب پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اعتراض کیا ہوتا میں نے خود امام صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب میں کسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہوں تو سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر نہ ملے تو پھر سنت رسول ﷺ میں تلاش کرتا ہوں، اگر قرآن وسنت سے حل نہ ہو تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال تلاش کرتا ہوں ان میں جو بھی زیادہ پسند آجائے اسی کو اختیار کر لیتا ہوں۔ ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا ہوں، تابعین کی اتباع کو اس لئے لازم نہیں سمجھتا ہوں کہ جیسا اجتہاد وہ کرتے ہیں میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔[4]

امام صاحب اور علم حدیث

امام صاحب نے تقریباً ۲۲ سال یا زیادہ عرصہ علم الکلام اور علم مناظرہ کے ذریعہ دین اسلام کی خدمت کی لیکن اس فن میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ وہ علم حدیث کے حصول میں بھی مصروف رہے۔ حضرت حماد بن ابی مسلمہ[5] رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا طریقہ درس اس طرح کا تھا کہ فقط تین فقہی مسائل پر احادیث و آثار اور اسی طرح روایت و درایت کی روشنی میں بحث کی جاتی تھی جس میں بے شمار احادیث رسول ﷺ زیر بحث آتی تھیں۔ امام صاحب اس میں

1: حافظ ابن البر، الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، صفحہ ۱۸۳ تا ۳۲۸، شاہ معین الدین احمد ندوی، سیر الصحابہ، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، ۷/۵۸۹ تا ۶۰۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری سیرت ائمہ اربعہ، ادارہ اسلامیات لاہور، صفحہ ۳۱۔

2: یحیٰی بن ضریس، الانتقاء صفحہ ۲۶۵۔ 3: سفیان بن سعید الثوری، متوفی ۱۷۱ ہجری العبر ست ۳۲۳

4: ابوبکر بن احمد خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، مصر ۱۳/۳۶۸

5: حماد بن مسلمہ متوفی ۱۶۵ ہجری۔ العبر ست ۳۲۶

نہایت مصروف رہتے تھے اور اس فن میں بھی کمال مہارت حاصل کی۔ امام صاحب کے فن حدیث میں تقریباً ۲۸۰ سے زائد اساتذہ ہو گزرے ہیں جن میں شیخ الاساتذہ حضرت امام حماد بن ابی سلیمان اعلم فقہ میں ہیں تو امام عامر بن شرجیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ حدیث رسول میں شیخ اکبر ہیں۔

حضرت امام اعمش فرماتے ہیں کہ واقعی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث رسول کے موقع ومحل کو خوب پہچانتے ہیں اور اس فن میں بڑا شعور رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن داؤد خریبی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ تمام اہل اسلام پر یہ فرض ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ انہوں نے مسلمانوں کیلئے سنن اور فقہ کو ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا ہے۔ حدیث رسول کو کم روایت کرنے کی بنیادی وجہ امام صاحب کا اس بارے میں شدید احتیاط تھا۔ امام صاحب اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تابع تھے جن کا حال یہ تھا کہ پورا سال گزر جاتا لیکن زبان سے قال رسول اللہ ذکر نہ فرماتے اور یہ جملہ بوجہ ضرورت کہہ بھی دیا کرتے تو کانپ جایا کرتے اور چہرے کا رنگ تبدیل ہو جایا کرتا تھا۔

امام صاحب اور علم الفقہ

کوفہ کے فقہاء کرام میں حضرت علقمہ بن قیس (متوفی ۶۲ھ) کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ فقہ و حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا کرتے تھے بلکہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ تو عبداللہ بن

۱: حماد بن سلیمان، متوفی ۱۲۰ ہجری، الفہرست ۳۴۳

۲: امام عامر بن شرجیل شعبی، الانتقاء، صفحہ ۲۲۸

۳: امام ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، حیدرآباد انڈیا ۱۳۷۵ھ ۱/۷۵۔ محمد بن یوسف صالح، عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان، حیدرآباد دکن ۱۳۹۴ھ صفحہ ۶۳ تا ۷۰۔

۴: امام اعمش، الفہرست ۴۸ ۵: قاضی ابوعبداللہ صیمری، اخبار ابی حنیفہ، دکن ۱۳۹۴ھ صفحہ ۱۳

۶: عبداللہ بن داؤد الخریبی الامام القدوۃ، عابداً ناسکا متوفی ۲۱۳ ہجری، تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۳۷۔

۷: تاریخ بغداد ۸: تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۵

مسعودؓ کے علم کے حقیقی وارث تھے۔ حضرت علقمہ بن قیسؒ سے ابراہیم بن یزید نخعیؒ [1] (متوفی ۹۶ھ) نے فقہ کا علم حاصل کیا، حضرت ابراہیم بن یزید نخعیؒ سے حماد بن ابی سلیمان (متوفی ۱۲۰ھ) نے علم فقہ حاصل کیا پھر حضرت حماد سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کا علم حاصل کیا بلکہ ابن مسعود کے فقہی مسلک کی اشاعت و ترقی امام صاحب کے واسطے ہوئی پھر امام صاحب سے ایک بہت بڑی جماعت نے فقہ کی تعلیم حاصل کی مثلاً قاضی ابو یوسفؒ [2]، محمد بن حسن شیبانیؒ [3] وغیرہ۔

امام صاحب نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کے حلقہ درس کا انتخاب اس لئے کیا کہ وہاں ابن مسعودؓ کے فقہی مکاتب پر درس ہوا کرتا تھا جو تمام مکاتب فقہ میں اعلیٰ و افضل ہے اس کے ساتھ اس حلقہ درس میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابتؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علوم و معارف کی روشنی میں فقہ پر بحث و مباحثہ کیا جاتا تھا۔

امام صاحب کے فقہی اصول

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کتاب اللہ و سنت رسول و اجماع کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے اقوال حجت تھے۔ امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث اور مرسل کے ہوتے ہوئے قیاس کو اختیار نہ کیا جاتا تھا۔

امام صاحب اپنے فقہی اصول کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں ہر مسئلہ کے متعلق کتاب اللہ سے دلیل لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو میں سنت رسول ﷺ اور احادیث صحیح سے اخذ کرتا ہوں لیکن جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے دلیل نہ ملے تو پھر آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب بات ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ و دیگر حضرات مجتہدین

---

[1]: ابراہیم بن یزید النخعی، تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۷ تا ۲۹

[2]: قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۹۲ ہجری، الفہرست ۳۴۴

[3]: محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ ہجری، الفہرست ۳۴۵

تک پہنچتی ہے تو پھر میرے لئے اس میں گنجائش ہوتی ہے کہ ان کے اجتہاد کی طرح میں بھی اجتہاد کروں گا[1]

امام ابوحنیفہ فقہی مسائل یا فتویٰ دینے میں بے حد احتیاط کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب فقہی مسئلہ میں جب کوئی بات کہتے تو ایک سال تک نہایت اس مسئلہ پر غور وفکر کرتے اور اپنے کسی شاگرد کے سامنے ذکر نہ کرتے اور ایک سال کی سوچ وفکر کے بعد اس کو منظر عام پر لے آتے[2]

علم حدیث میں کمال اور فقہ کے میدان میں جو مقام امام صاحب کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے امام کو حاصل نہیں۔ اس مختصر تفصیل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ امام صاحب نے تدوینِ فقہ میں اپنی رائے کو قطعاً استعمال نہیں کیا بلکہ ایسے اصول وضع کئے جن کی روشنی میں فقہ کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر ائمہ وفقہاء امام صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ[3] فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ میں نے امام صاحب جیسا عالم نہیں دیکھا، واللہ اگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ کہتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اپنے قول سے اس کو ثابت کر سکتے تھے۔[4]

امام شافعی رحمہ اللہ[5] فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ کسی کو فقہ جاننے والا نہیں دیکھا جو شخص فقہ جاننا چاہتا ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی شاگردی اختیار کرے بلکہ تمام فقہائے علم فقہ میں امام صاحب کے عیال ومحتاج ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو بھی شخص فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہے وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی کرے۔[6]

امام احمد[7] بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں سبحان اللہ ابوحنیفہ علم وزہد، تقویٰ، طلب آخرت میں ایسے

---

[1]: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صفحہ ۱۰

[2]: خطیب بغدادی الفقیہ والمتفقہ ۱۲/۲، ۸۳، ۲۰۸، ۲۰۹ بحوالہ سیرت ائمہ اربعہ

[3]: مالک ابن انس متوفی ۱۲۹ ہجری، الفہرست ۳۳۸-۳۳۹۔

[4]: مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ صفحہ ۲۱

[5]: امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس، متوفی ۲۰۴ ہجری، الفہرست ۳۵۲-۳۵۳۔

[6]: تاریخ بغداد

[7]: ابوعبداللہ احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱، وفیات الاعیان ۱/۶۳-۶۵۔

بلند مقام پر ہیں جس کو کوئی دوسرا نہیں پا سکتا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ[۱] کا قول ہے کہ جو شخص علم مغازی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کیلئے مدینہ ہے اور جو شخص مناسکِ حج حاصل کرنا چاہے اس کیلئے مکہ ہے اور جو شخص فقہ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے کوفہ ہے، اس کو چاہئے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کی صحبت اختیار کرے۔[۲]

حضرت عبداللہ[۳] بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام صاحب فقہ یعنی علم فقہ کے زیادہ جاننے والے ہیں، وہ نہایت عرق ریزی کے ساتھ فقہ کی تہہ میں پہنچنے والے ہیں ان کی طرح کوئی اور اب نہیں ہے۔

ابن عبدالبر[۴] فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ کے امام، قیاس ورائے میں دوررس اور مسائل کے استنباط میں جید الذہن اور حاضر الفہم اور نہایت ذکی و متقی تھے۔

امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے نہایت خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان میں ایک معاملہ فہمی اور حاضر جوابی بھی تھی۔ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ یہودی کہا کرتا تھا۔ امام صاحب اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تمہاری بیٹی کیلئے نہایت شریف، مالدار، حافظ قرآن اور عبادت گزار شخص کا رشتہ لے کر آیا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا اتنی عمدہ صفات کا مالک! واللہ میں تو اس سے کم صفات والے کے حق میں بھی راضی ہوتا ہوں تو امام صاحب نے فرمایا مگر ایک بات یہ ہے کہ وہ شخص یہودی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص آگ بگولہ ہو گیا اور کہا کہ کیا آپ میری بیٹی کی شادی کسی یہودی سے کرنا چاہتے ہیں، امام صاحب نے فوراً جواب دیا کہ کیا تمہارے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی یہودی سے کی تھی۔ اس نے فوراً توبہ کی اور کہا کہ میں آئندہ اس طرح کی بات نہ کروں گا۔[۵]

۱: سفیان بن عیینہ الہلالی، متوفی ۱۹۸ ہجری، الفہرست ۲۷۲۔

۲: اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ صفحہ ۷۵۔

۳: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ ہجری، الفہرست ۲۷۷-۲۷۸۔

۴: ابی عمر یوسف بن عبدالبر اندلسی، متوفی ۴۶۳ ہجری، الانتقاء صفحہ ۵۔

۵: تاریخ بغداد ۱۳؍۳۶۴

اسی طرح ایک آدمی نے امام صاحب سے پوچھا کہ میں نے تھوڑا سا مال زمین میں دفن کیا تھا لیکن اب جگہ بھول چکا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ رات بھر نماز پڑھو، تمہارا مال مل جائے گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور تھوڑی سی دیر میں اس کو یاد آ گیا اور مال نکال لیا۔ اس شخص نے امام صاحب کو اطلاع دی تو امام صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ شیطان تم کو رات بھر نماز پڑھنے نہیں دے گا۔[۱]

امام ابوحنیفہ ؒ نے کوفہ میں فقہ کی تدوین کی ابتداء فرمائی۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر ''المجمع الفقہی'' کی بنیاد رکھی جس میں احادیث رسول ﷺ اور فقہ کو املا کروا کے محفوظ کیا گیا۔ امام صاحب کی چند کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً کتاب الفقہ الاکبر، کتاب رسالۃ الی البستی، کتاب العالم والمتعلم، کتاب الرد علی القدریۃ و کتاب الرہن۔[۲]

عبداللہ بن داؤد واسطی ؒ فرماتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ نابینا پن اور جہالت کی ذلت سے نکل کر فقہ کی حلاوت پائے وہ امام ابوحنیفہ ؒ کی کتابوں کو دیکھے۔[۳]

امام شافعی کہتے ہیں جو شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہیں دیکھے وہ شخص کبھی بھی فقہ میں متبحر نہیں ہو سکتا ہے۔[۴]

ان تعریفات کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصانیف کو دیگر ائمہ کرام نے سند کی حیثیت سے نوازا اور علم فقہ میں امام صاحب کی کتابوں کو وہ بلند مقام و مرتبہ حاصل ہوا جو کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔

وفات

اموی دور حکومت میں عراق کے امیر ابن ہبیرہ[۵] نے آپ کو عہدہ قضاء پیش کیا اور انکار پر ایک سو دس کوڑے مارے گئے لیکن امام صاحب انکار کرتے رہے۔ عباسی دور حکومت میں امام صاحب کو پھر عہدہ قضا پیش کیا گیا اور انکار کرنے کی وجہ سے جیل ہی میں زہر دے دیا گیا اور ۱۵۰ھ میں فوت

۱: اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ صفحہ ۲۵ تا ۲۷ ۲: الفہرست صفحہ ۲۸۵، اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ صفحہ ۶۵

۳: اخبار ابی حنیفہ صفحہ ۶۵ ۴: عقود الجمان صفحہ ۱۹۲ ۵: ابن ہبیرہ، الانتقاء صفحہ ۲۲۳ (باقی صفحہ ۱۳۶ پر)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی خدمات

ڈاکٹر شمس سلیمان
میڈیکل آفیسر لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور

آج کل انبیاء اور اولیاء کی سرزمین مملکتِ خداداد عراق ایک بار پھر تمام ملتِ اسلامیہ کی سوچ اور فکر کا محور بنی ہوئی ہے۔ اس بار ایک نیا ہٹلر، ایک نیا ہلاکو خان اور ایک نیا چنگیز خان اپنی بربریت کو ایک نئے انداز میں پیش کر رہا ہے۔ جس واقعہ نے تمام مسلمانوں کو اس دردبھری کہانی میں سب سے زیادہ دکھ اور صدمہ دیا وہ امامِ اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مزار مبارک کی بے حرمتی ہے جہاں ظالموں نے گولیاں برسائیں اور میناروں تک کو مسمار کر دیا۔

حق وصداقت، حلم وعفو اور ہمدردی کے پیکر، تہذیب یافتہ، گستاخی کے جواب میں متحمل اور ہمسائیگی کا لحاظ رکھنے والے رقیقِ قلب، حفظِ لسان، عالم، فقیہہ، تابعی، عابد، محقق، منکسر المزاج طبیعت والے یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی ۸۰ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔

امام صاحب کی مجاہدانہ اور عالمانہ صداقت کا کوئی بھی ذی علم انکار نہیں کر سکتا لیکن اس سلسلہ میں امام صاحب کے ساتھ جو زیادتی آپ کی سیاسی زندگی سے متعلق ہوئی وہ بہت ہی بہیمانہ، مجرمانہ اور ایک تاریخی المیہ ہے۔ جس کا سب سے بھیانک پہلو یہ ہے کہ یہ زیادتی خود حنفیوں نے ہی ان کے ساتھ کی۔ عہدِ حاضر میں اگر حضرت سید مناظر احسن گیلانی صاحب کی تصنیفِ لطیف "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" منظرِ عام پر نہ آتی تو اہلِ اسلام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حیاتِ طیبہ کے اس اہم ترین پہلو سے بے خبر رہتے۔

امامِ اعظم کے عہد کے سیاسی حالات

جس وقت امامِ اعظم نے کوفہ میں آنکھیں کھولیں تو یہ علم وادب کا گہوارا تھا۔ ایک ہزار پچاس

صحابہ کرام ﷺ کوفہ میں آ کر آباد ہوئے تھے جن میں سے چوبیس اصحاب بدر تھے۔ امام اعظم نے اپنی ستر سالہ زندگی (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) کے ۵۲ برس اموی حکومت اور ۱۸ برس عباسی دور میں گزرے۔ آپ امویہ عہدِ شباب اور تنزل وانحطاط کے عینی گواہ تھے، ساتھ ہی آپ عباسی عروج بھی اپنی دوراندیش آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور ایسے میں مولانا شبلی نعمانی، امام ابوزہرہ اور دیگر حنفی علماء کا یہ تاثر کہ امام اعظم کی کوئی سیاسی زندگی نہیں ہے، پُر تعجب نظر آتا ہے کیونکہ امام اعظم جیسے دل رکھنے والے کیلئے ان حالات وواقعات سے کنارہ کش رہنا ناممکن تھا۔ حضرت حامد حسن بلگرامی تو آپ کو شب وروز میں حضور سرورکائنات ﷺ کی سیرت طیبہ کا ترجمان سمجھتے ہیں تو ایسے شخص سے اس امت کے درد وغم اور تکلیف (چاہے سیاسی ہو یا زندگی کے کسی اور پہلو سے متعلق ہو) میں بے حسی کی کیونکر توقع کی جاسکتی ہے؟

آپ کی نوجوانی کا دور اگر ایک طرف حضرت عمر عبدالعزیز کی بہار افروز حکومت کا شاہد تھا تو دوسری طرف ان کے بعد آنے والے مطلق العنان امویوں کے اعمال کی بازگشت سے بھی گھائل تھا۔ آپ کے دور میں چھ اموی بادشاہوں میں سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سب نے نبوت کی راہ چھوڑ کر عجمی سلاطین کا راستہ اختیار کیا۔ لہو ولعب، عیاشی اور بیت المال کا بے دریغ استعمال روز کا معمول تھا۔ ذمیوں کو اس خوف سے مسلمان ہونے سے روک دیا گیا تھا کہ ان کے مسلمان ہونے سے ان سے حاصل ہونے والا جزیہ بند ہو جائے گا۔ اسی کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تھا ''اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک ﷺ کو داعی اور خدا کی طرف بلانے والا بنا کر مبعوث کیا ہے نہ کہ محصول وصول کرنے والا بنا کر بھیجا ہے''۔

صحابہ کرام ﷺ کا قتلِ عام خصوصاً واقعہ کربلا ہر مسلمان کی روح میں خنجر کی طرح پیوست تھا، ہر طرف باطل کا دور دورہ تھا، حرم شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کی نعش مبارک تمام مسلمانوں کیلئے ایک سوالیہ نشان تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ حجاج بن یوسف کا ظالمانہ طرزِ عمل تمام مسلمانوں کیلئے رہتی دنیا تک کلنک کا ٹیکہ بن گیا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان مولانا مناظر احسن گیلانی کی نظر میں پہلا منحوس بادشاہ تھا جس

نے منبر رسول پر بیٹھ کر یہ اعلان کیا کہ "خدا کی قسم آج کے بعد اگر کسی نے تقویٰ کی مجھ سے فرمائش کی یعنی اتق اللہ کہا اسی دن اس کی گردن اڑا دوں گا"۔ اس طرح اس ظالم نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اپنی تلوار کی نوک سے روک دیا۔ اس صورتحال میں جبکہ ظلم کے خلاف بڑے بڑے کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے، امام اعظم نے حضرت زید بن علی بن حسین ؒ کی امویوں کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیا۔

امامِ اعظم اور خلفائے راشدین

امام ابوزہرہ نے اپنی کتاب "حیاتِ حضرت امام ابوحنیفہ" میں لکھا ہے کہ آپ (امام ابوحنیفہ ؒ) کی نظر میں حضرت عمر ؓ کا درجہ حضرت ابوبکر ؓ سے بعد تھا البتہ آپ حضرت عثمان ؓ کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر درجہ کے اعتبار سے مقدم نہیں سمجھتے تھے۔ امام ابوزہرہ نے ابنِ عبدالبر کو ان کی کتاب "الانتقاء" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ابوحنیفہ ابوبکر ؓ وعمر ؓ کو افضل قرار دیتے تھے اور علی ؓ اور عثمان ؓ کی خلافت کے قائل تھے"۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے صاحبزادے حماد سے روایت ہے "علی ؓ ہمیں عثمان سے زیادہ عزیز ہیں"۔ آپ نے کوفہ میں کپڑے کی دکان سنت حضرت ابوبکر پر ہی کھولی اور آپ مجالس میں حضرت عثمان ؓ کیلئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ علامہ ابن البر "الانتقاء" میں ہی سعید بن ابی عروبہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان ؓ بن عفان کے ذکر پر حضرت امام ابوحنیفہ کو دعا فرماتے دیکھا اور انہوں ے کہا کہ "اس شہر میں صرف آپ ہی حضرت عثمان ؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرماتے ہیں کوئی اور شخص ایسا نہیں کرتا"۔

اس طرح شیعہ مرکز کوفہ میں رہتے ہوئے حریتِ فکر کو عوام اور خواص تک پہنچانے میں امام ابوحنیفہ کا کردار ثابت ہے اور آپ نے اس سلسلہ میں بغض ومحبت کو اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ آپ سے کبھی بھی اسلاف کو برا کہنے کی روایت منقول نہیں ہے۔ ایک صاحب سے اپنے فرقہ سے متعلق سوال کرنے پر آپ نے فرمایا "میں اس گروہ سے وابستہ ہوں جو نہ سلف کو گالی دیتا ہے نہ گناہ کی وجہ سے اہل

کی تکفیر کرتا ہے اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہے"۔

امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جو لڑائیاں لڑیں ان سب میں حق وصواب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی جانب تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مخالفین کی کوئی تاویل ان کی نگاہ میں قابلِ تسلیم نہ تھی۔ آپ ؒ کا قول ہے کہ حضرت علی ؓ جس کے خلاف بھی نبرد آزما ہوئے حق ہمیشہ آپ کی جانب رہا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حضرت طلحہ ؓ اور حضرت زبیر ؓ کے مابین جو کچھ وقوع میں آیا اس کے بارے میں آپ نے فرمایا "بلاشبہ امیر المومنین علی ؓ نے اس وقت ان دونوں سے لڑائی کی تھی جب کہ انہوں نے بیعت کے بعد ان کی مخالفت کی"۔

یومِ جمل سے متعلق امام اعظم نے فرمایا "حضرت علی ؓ کا رویہ اس میں مبنی بر انصاف تھا، وہ سب مسلمانوں سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اہلِ بغی وفساد سے حرب وپیکار کے بارے میں اسلامی لائحہ عمل کیا ہے؟"

علامہ مناظر احسن گیلانی نے موفق سے روایت کی ہے

سَارَ عَلِيٌّ فِيْهِ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَّمَ الْمُسْلِمِيْنَ السُّنَّةَ فِيْ قِتَالِ اَهْلِ الْبَغِي

ترجمہ: علی ؓ نے ان مواقع (جمل اور صفین) میں عدل کی روش اختیار کی اور مسلمان باغیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے اس کے قوانین حضرت علی ؓ نے ہی سکھائے اور بتائے۔

گیلانی صاحب اس ضمن میں قرآنِ کریم کی آیت کا حوالہ دیتے ہیں

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: ایمان والو! کے دو گروہ آپس میں اگر لڑ پڑیں تو ان میں سے جس نے سرکشی اختیار کی ہو اس گروہ سے مسلمانو جنگ کرو تا ایں کہ خدا کے فیصلے پر معاملہ ہو جائے۔

اگرچہ امام اعظم حق گوئی میں بے باک تھے لیکن مخالفین کی مذمت کرنا بھی ان کو مرغوب نہ تھا اور ان کی دور از کار تاویلات بھی ان کے نزدیک کوئی وزن نہ رکھتی تھیں۔

امام اعظم اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام

امام اعظم کا ائمہ کرام سے تعلق باہم محبت، اخوت اور انتہا درجہ کی تعظیم کا تھا۔ بحر العلوم حضرت امام باقر ؓ سے مدینہ منورہ میں آپ کی ملاقات آپ کی ذہانت اور اجتہاد پر دلیل ہے۔ حضرت امام جعفر صادق ؓ سے بھی آپ کا تعلق انتہائی ادب پر مبنی تھا۔ علامہ کرودی، علامہ موفق، حافظ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب) اور حضرت سید حامد حسن بلگرامی نے امام جعفر صادق کو امام اعظم کے شیوخ میں شمار کیا ہے۔

منصور حضرت امام جعفر صادق ؓ کا سخت دشمن تھا اور ان کو اپنی حکومت کیلئے خطرہ سمجھتا تھا۔ ایک بار اس کے دل میں آیا کہ امام جعفر صادق ؓ کو نیچا دکھائے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے اس نے حضرت امام ابوحنیفہ سے چالیس ادق سوالات مرتب کروائے۔ امام ابوحنیفہ خود امام جعفر صادق ؓ کے رتبہ اور مقام سے واقف تھے۔ جب امام اعظم ؓ کے مرتب کردہ سوالات حضرت امام جعفر صادق ؓ کی خدمت میں پیش ہوئے تو امام حنیفہ ؓ کی توقعات کے عین مطابق حضرت امام جعفر صادق ؓ نے ان کے انتہائی مدلل اور مسکت جوابات دیئے۔ اس طرح بجائے حزیمت، کے امام ابوحنیفہ اور حضرت امام جعفر صادق ؓ دونوں کی مقبولیت اور علمی قد کاٹھ میں عوام الناس کی نظر میں اضافہ ہوا۔

امام اعظم کا فرمان ہے مَا رَئَیْتُ اَفْقَہَ مِنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ الصَّادِقِ میں نے جعفر صادق سے زیادہ سمجھ والا فقیہہ آدمی نہیں دیکھا۔

آپ کے عہد جوانی میں کوفہ کا گورنر خالد بن عبداللہ القصری (۱۰۵ تا ۱۲۰ ہجری) تھا جو کہ عام طور پر ابن النصرانیہ کے نام سے مشہور تھا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شان میں گستاخی اس کا معمول تھا۔ ایک بار کسی کی شکایت پر کہنے لگا کہ اگر دل چاہے تو عثمان کو بھی کچھ سنادوں۔ یہ اس زمانہ کے حکمرانوں کی عام روش تھی جو کہ ان پاک ہستیوں کے ناموں کو صرف سیاسی مقاصد کیلئے استعمال

کرتے تھے اور ان کو دین اور مذہب سے کوئی رغبت نہ تھی۔ کوفہ کی مساجد کے میناروں کا انہدام اسی ابن النصرانیہ کی کارستانی تھی جس نے یہ دلیل دی کہ ان میناروں سے موذن لوگوں کے گھروں میں جھانکتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ کوفہ میں اپنی ماں جو کہ نصرانی مذہب سے تعلق رکھتی تھی کے ایماء پر گرجہ کی تعمیر نے مسلمانوں کے جذبات کو اور بھی مجروح کیا۔ در پردہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے حکم پر اس نے غلہ کی فروخت پر کھلی منڈی میں پابندی لگا دی تا کہ پہلے خلیفہ کا اپنا مال بک سکے۔ اس بات سے پورے علاقہ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور مہنگائی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا۔ اسی اثناء میں ابن النصرانیہ پچاس کروڑ درہم کا سرمایہ بنانے میں کامیاب ہو گیا اور آخر میں پورے عراق پر اپنا دعویٰ کر دیا جس پر ہشام نے اسے گرفتار کروا کے احتساب شروع کیا۔ دوران احتساب ابن النصرانیہ نے نے حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کا نام شرارتاً لے لیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اسی پاداش میں ہشام نے دربار میں طلب کر کے جواب طلبی کی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حضرت زید سے بہت عقیدت تھی اور آپ نے ان کو فقیہہ، حاضر جواب اور صاف گو باتیں کرنے والا ٹھہرایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب امویوں کے خلاف بغاوت کی تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا" زید کا جہاد کیلئے نکلنا آنحضرت ﷺ کے بدر کے دن نکلنے کے مشابہ ہے"۔

امام اعظم نے مزید فرمایا اگر میں جانتا کہ کوفہ کے لوگ حضرت کو نہ چھوڑ دیں گے اور یہ کہ حضرت کے ساتھ واقعی لوگ سچائی کے ساتھ کھڑے ہوں گے تو میں ضرور آپ کی ہمرکابی اختیار کرتا اور آپ کے مخالفین کے ساتھ جہاد کرتا کیونکہ آپ امام برحق ہیں۔ دراصل امام اعظم صاحب کوفہ والوں کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے خیالات اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے داؤد بن علی اور حضرت عبداللہ بن حسن بن الحسن علیہ السلام کے خیالات سے مطابقت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی حضرت زید کو معاملہ بینی اور موقع کی نزاکت سمجھانی چاہی۔ حضرت داؤد بن علی نے لکھا "میرے چچا کے بیٹے! یہ کوفہ والے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ شہید ہو گئے اور امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بھی انہوں

نے بھی کیا۔ پہلے بیعت کی پھر انہی پر چڑھ دوڑے، ان کی چادر چھین لی، ان کو زخمی کر دیا۔ آپ کے جد امجد امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے مقابلہ میں انہی لوگوں نے کھڑا کیا، بالآخر آپ کو بھی ان لوگوں نے قتل ہی کر دیا''۔

حضرت عبداللہ بن حسن نے فرمایا ''کوفہ والے بظاہر بھولے بھالے معلوم ہوتے ہیں لیکن اندر سے یہ بالکل کھوکھلے ہیں۔ جب امن اور ارزانی واطمینان کا زمانہ ہوتا ہے تو اس وقت شورش پسند ہیں لیکن جب مقابلہ کی گھڑی آتی ہے تو اس وقت یہ گھبرا اٹھتے ہیں، چیخنے چلانے لگتے ہیں، ان کی زبانیں آگے آگے چلتی ہیں لیکن ان کے قلوب زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے۔

امام اعظم نے لوگوں کی امانتوں کا عذر پیش کیا۔ دراصل آپ کے اس لوگوں کی امانتوں کی بہت کثیر تعداد تھی۔ علماء اور محققین اس سلسلہ میں امام اعظم کو اسلامی بینکاری کا بانیٔ اعظم قرار دیتے ہیں کیونکہ جب تیس سال بعد ۱۵۰ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی آپ کے پاس پانچ کروڑ درہم کی امانتیں تھیں۔ پس آپ کا حضرت زید بن علی کے سامنے عذر کرنا کوئی وقتی بات نہ تھی بلکہ حقائق پر مبنی ٹھوس شہادت تھی جس کے متعلق خود آپ نے فرمایا ''میں لوگوں کی امانتوں کے باعث نہ جا سکا، میں نے یہ امانتیں ابن ابی لیلیٰ کو سپرد کرنا چاہیں مگر وہ نہ مانے۔ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اس حالت میں کہیں میرا انتقال نہ ہو جائے''۔ البتہ آپ نے حضرت زید کے ایلچی فیصل بن زبیر کو دس ہزار کا ہدیہ امام اعظم کی اعانت کیلئے دیا۔

المختصر ۱۲۲ ہجری میں زید بن علی شہید ہوئے۔ ۱۲۵ ہجری میں یحییٰ بن زید بن علی خراسان میں شہید ہوئے اور ۱۳۰ ہجری اسی حسینی خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت عبداللہ بن یحییٰ بن زید بن علی یمن میں شہید ہوئے۔ کوفہ میں حضرت زید بن علی کی لاش مبارک چودہ ماہ تک لٹکائی رکھی گئی۔ خراسان میں یحییٰ بن زید بن علی کی لاش سے بھی یہی سلوک کیا گیا۔ ولید بن ہشام نے چودہ ماہ بعد لاش اتروا کر جلا کر دریا برد کر دی۔

یہ تمام باتیں جہاں ایک طرف امویوں کی شقاوت کا مظہر تھیں تو دوسری طرف عباسیوں کے

سیاسی عروج کا بھی باعث بنیں لیکن امویوں کی طرح وہ بھی حق سے دور ظاہری اغراض و مقاصد کیلئے ان اہل بیت اطہار کا نام استعمال کرنے لگے۔ امام اعظم کی معاملہ فہم آنکھیں یہ سب کچھ بھانپ چکی تھیں اور انہوں نے بظاہر سیاسی خاموشی اختیار کی اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے البتہ حضرت زید بن علی کی شہادت کا واقعہ جب بھی امام اعظم کے سامنے بیان ہوتا آپ رونے لگ جاتے۔

عہدِ خوارج

اسی دوران ۱۲۵ ہجری میں خارجیوں نے تھوڑے عرصہ کیلئے امویوں سے کوفہ چھین لیا۔ یہاں امام اعظم ایک اور آزمائش سے گزرے۔ ضحاک نامی خارجی نے امام ابوحنیفہ کی گرفتاری کا حکم دیا اور نہایت گستاخانہ لہجہ میں کہا تُبْ یَا شَیْخُ مِنَ الْکُفْرِ (بڑے میاں کفر سے توبہ کرو)۔ آپ نے بڑی متانت سے جواب دیا اَنَا تَائِبٌ مِنْ کُلِّ کُفْرٍ میں ہر قسم کے کفر سے تائب ہوا۔ ضحاک نے یہ سن کر امام اعظم کو چھوڑ دیا لیکن پھر کسی شریر نے ضحاک کو بہکایا کہ اصل میں انہوں نے آپ کے عقائد سے توبہ کی ہے۔ ضحاک نے پھر آپ کو بلایا اور وضاحت طلب کی تو آپ نے فرمایا یہ جو تم کہہ رہے ہو یہ صرف ظن اور گمان کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ ضحاک بولا ہاں صرف گمان اور ظن ہے۔ اس پر آپ نے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کی تلاوت کی اور فرمایا بدگمانی کر کے تم نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ پس آپ نے زور دے کر اسے کہا کہ پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجئے۔ اس نے کہا میں توبہ کرتا ہوں جواباً آپ نے بھی فرمایا ''میں ہر قسم کے کفر سے اللہ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔

اس شخصی آزمائش کے بعد امام اعظم کو ایک اجتماعی آزمائش سے بھی گزرنا پڑا۔ ہوا یوں کہ ضحاک نے کوفہ کی جامع مسجد میں کھلم کھلا لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور عورتوں کو لونڈی، مال کو ضبط کرنے اور بچوں کو غلام بنا لینے کا حکم دیا۔ امام اعظم جان کی پرواہ کئے بغیر ضحاک سے اس کی وجہ معلوم کرنے گئے۔ ضحاک نے کہا یہ لوگ مرتد ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا مطلب؟ مرتد ہونے کا کیا مطلب؟ کیا ان لوگوں کا پہلے کوئی اور دین تھا اور اس دین کو ترک کر کے مرتد ہونے کے بعد اب کوئی نیا دین قبول کیا

ہے یا جس دین پر وہ پہلے تھے وہی دین اس وقت بھی ان کا ہے؟ ضحاک چونک پڑا اور امام اعظم کے کہنے پر تلوار میان میں رکھ دی۔ یہ امام اعظم کی برکت سے اہلِ کوفہ کیلئے نئی زندگی کا پیغام تھا۔

جلد ہی خارجیوں کی شورش کو مروان نے دبا دیا۔ اب یزید بن عمرو بن ہبیرہ عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے امام اعظم سے براہِ راست جواب طلبی کا ارادہ کرلیا۔ ایک روز آپ کو دربار میں بلوایا، اس وقت وہ ایک شخص کو قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ بظاہر سچا بنتے ہوئے اس شخص نے امام اعظم کو اپنا گواہ بنایا۔ امام اعظم اس شخص کو پہچان گئے، آپ نے اس سے اذان دلوائی۔ اذان ختم ہونے پر فرمایا کہ یہ اچھا انسان ہے۔ اس طرح آپ نے اذان کے ذریعہ کلمہ شہادت پڑھوا کر اس شخص کو سچا ثابت کیا اور ظالم کے شکنجے سے بچایا۔ ایسی اور کئی باتیں امام اعظم کی ابنِ ہبیرہ کے سامنے صادق اور حق گوئی کی دلیلیں ہیں۔ یہ سب کچھ سیاست نہ تھی تو کیا تھا؟ امام ا. عظم از خود دربار جانے کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ ابو ہبیرہ کے اصرار پر ہی ایسا کرتے تا کہ بقول اس کے وہ آپ سے فیضیاب ہو سکے۔ امام اعظم اس کے در پردہ مقاصد سے بخوبی آگاہ تھے، آپ فرماتے ہیں

مَا اَصۡنَعُ اِنۡ قَرَّبۡتَنِیۡ فَتَنۡتَنِیۡ وَ اِنۡ اَقۡصَیۡتَنِیۡ اَخۡزَیۡتَنِیۡ

ترجمہ: تمہارے پاس آ کر میں کیا کروں گا اگر مجھے تم نزدیکی اور قرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے اور اگر ہمیں تم نے دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مبتلا کرو گے۔

پھر فرمایا وَ لَیۡسَ عِنۡدَکَ مَا اَرۡجُوۡہُ وَلَا عِنۡدِیۡ مَا اَخَافُکَ عَلَیۡہِ یعنی تمہارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کی مجھے آرزو ہے اور نہ میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس کی وجہ سے میں تم سے ڈروں۔ دراصل امام ابوحنیفہ حسینی سادات سے امویوں کے بہیمانہ سلوک پر بہت دلبرداشتہ ہو گئے تھے۔ جناب مناظر احسن گیلانی نے حضرت زید، حضرت یحیٰی اور حضرت عبداللہ حسینی ؓ کی شہادت کو مشیتِ ایزدی قرار دیا کہ ظاہری ناپاک سیاست والی حکومت سے اللہ تعالیٰ ساداتِ کرام کو بچانا چاہتے تھے جیسا کہ تینوں حضرات ایک ہی تیر سے شہید ہوئے وگرنہ اموی اس آسانی سے اس شورش کو نہ دبا سکتے۔

عراق میں امویوں کی گرفت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی۔ اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دینے کیلئے ابن ہبیرہ نے وہی پرانی چال چلی اور عراق کے فقہاء کے سامنے حکومت کے مختلف شعبے پیش کیے تاکہ اس طرح عوام کو اپنا ہم نوا بنا سکے۔ امام اعظم کسی طور پر بھی جابرانہ اموی سیاست کا حصہ بننا پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ کے سوا تمام فقہاء نے عذراً یہ عہدے قبول کئے۔ بار بار اصرار پر آخر امام اعظم کو کہنا پڑا ''اگر یہ شخص مجھ سے چاہے کہ واسط شہر کی مسجد کے دروازے گنا کروں تو میں یہ بھی نہ کروں گا''۔

پھر فرمایا'' خیال کرنا چاہئے کہ اس کی اس خدمت کو کیسے قبول کرسکتا ہوں جس میں وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مہر لگاؤں گا'' اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے فَوَاللّٰہِ لَا اَدْخُلُ فِیْ ذٰلِکَ اَبَدًا یعنی خدا کی قسم اس میں اپنے آپ کو کبھی شریک نہیں کرسکتا۔

نتیجتاً آپ کو قید کردیا گیا، جیل میں بھی آپ کو مختلف طریقوں سے منصب قبول کرنے کو کہا گیا مگر بے سود۔ ابن ہبیرہ نے جب سر پر کوڑے مارنے کا حکم دیا تو آپ نے اطمینان سے فرمایا

ضَرْبُهٗ لِیْ فِی الدُّنْیَا اَسْھَلُ عَلَیَّ مِنْ مَقَامِعِ الْحَدِیْدِ فِی الْاٰخِرَةِ

ترجمہ: دنیا میں اس کے مار لینے کو آخرت کے آہنی گرزوں کی مار سے آسان خیال کرتا ہوں۔

مزید دباؤ پر آپ نے فرمایا وَاللّٰہِ لَا فَعَلْتُ وَلَوْ قَتَلَنِیْ یعنی خدا کی قسم میں ہرگز نہیں کروں گا خواہ وہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کردے''۔ امام اعظم کو مغرور ہبیرہ کے سامنے پیش کیا گیا اور امام اعظم کے سر پر کوڑے مارے گئے۔ امام اعظم پھر بھی بے نیازی سے فرماتے رہے اِنَّمَا ھِیَ مِیْتَةٌ وَّاحِدَةٌ صرف ایک ہی موت تک (اس کا اقتدار ہے)۔

امام اعظم کے سر پر کوڑے کے نشان پڑے گئے اور منہ سوج گیا۔ آخر مایوس ہو کر ابن ابی ہبیرہ نے آپ کو دوستوں سے صلاح مشورہ اور سوچ بچار کرنے کیلئے رہا کردیا۔ آپ نے موقع سے فائدہ اٹھا کے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کی اور چھ سال تک وہیں مقیم رہے۔ آپ نے حرم شریف میں مجاور کے طور پر سکونت اختیار کی اور بالیقین عباسی تحریک سے لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔

عباسی دورِ حکومت

آپ کی دور رس نگاہیں عباسیوں کے روپ میں ایک اور جلاد کو دیکھ رہی تھیں۔ حیرت ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اور امام ابوزہرہ جیسے محققین نے ابو ہبیرہ جیسے شخص کو امام اعظم کے مقابلہ میں حق پر ٹھہرایا اور امام اعظم کے ان سے رویہ کو جذبات پر مبنی قرار دیا۔ امام اعظم مکہ مکرمہ میں امویوں کی حکومت کے خاتمہ تک اور اس کے بہت بعد ابو جعفر منصور کے زمانہ تک مکہ مکرمہ میں سکونت پزیر رہے (۱۳۶ ہجری تک) اور علمی اور تدریسی مشاغل کو اپنائے رکھا۔ اس دوران پہلے عباسی خلیفہ ابو السفاح کے دور میں آپ عارضی طور پر کوفہ تشریف لائے۔

اکثر محققین نے عباسیوں کے ساتھ امام اعظم کے تعلقات کو ہمدردانہ طور پر پیش کیا ہے جو کہ غلط ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے واضح طور پر امام اعظم کو عباسیوں سے متنفر پایا۔ یہ ضرور تھا کہ آپ اصلاح احوال کے حوالہ سے مسلسل تگ و دو میں مصروف رہے اور اس نازک وقت میں جبکہ کوفہ میں آپ کی قائم کردہ مقننہ دستور سازی کا کام کر رہی تھی، آپ نے عباسیوں کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ درحقیقت واقعہ کربلا کے بعد جس طرح سادات کرام سیاست سے کنارہ کش ہوئے اسی کی وجہ سے امامت وایفائی محمد بن حنیفہ کو منتقل ہوئی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ جانشین ہوئے۔ آپ شام میں مقیم تھے، آپ کی وفات کے وقت اہلِ بیت میں صرف جناب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ﷺ موجود تھے جو آپ کے جانشین قرار پائے اور اس طرح سلطنت عباسیہ کی داغ بیل پڑی۔ لیکن جیسا کہ آنے والے حالات نے ثابت کیا کہ عباسیوں نے چنداں اپنے آپ کو خلافت کے قابل ثابت نہ کیا اور ظلم و بربریت اور سفاکی میں کسی طور بھی امویوں سے پیچھے نہ رہے۔ انہی معروضی حالات کی روشنی میں امام ابو حنیفہ نے مشروط طور پر عباسیوں کا خیر مقدم کیا لیکن جونہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی خلاف ورزی ان سے سرزد ہوتی امام اعظم ببانگ دہل اس کی مخالفت اور تاویل فرماتے

۱۳۲ ہجری میں جب امویوں کی حکومت ختم ہوئی تو عباسیوں نے علی الاعلان اہل بیت رسول

کریم ﷺ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینے کا اعلان کیا۔ اسی سے زائد اموی شہزادوں پر دستر خوان بچھا کر پہلے کھانا کھایا اور انہیں قتل کر دیا۔ تمام اموی بادشاہوں ماسوائے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی قبروں سے ہڈیاں نکال کر جلائی گئیں (زید بن علیؓ کا حساب)۔ الغرض تمام تباہ سامانیوں کے ساتھ ابوالعباس السفاح مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ شروع کے اعلانات اور اسلامی اصولوں کی پاسداری کے وعدے وقتی طور پر بہت سارے علماء اور فقہاء کو عباسیوں کی جانب راغب کرنے کا باعث بنے۔

ابوالسفاح تاجپوشی کے بعد جب کوفہ آیا تو امام اعظم بھی عارضی طور پر اس وقت کوفہ میں موجود تھے۔ ابوالسفاح کی تقریر کے جواب میں تمام فقہاء نے امام ابوحنیفہ کو جواب دینے پر معمور کیا۔ آپ نے پہلے تو حکومت کو رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں تک پہنچنے کا خیر مقدم کیا اور پھر یہ تاریخ ساز فقرے ادا فرمائے۔

"قَدْ بَایَعْنَاکَ عَلٰی اَمْرِ اللہِ وَالْوَفَاءُ لَکَ بِذَالِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ"

ترجمہ: خدا کے حکم اور پر ہم نے تمہاری بیعت کی اور اس بیعت کے ساتھ ہم "قیام الساعۃ" تک وفادار رہیں گے۔

باہر نکل کر علماء نے آپ کو گھیر کر "قیام الساعۃ" کا مطلب پوچھا تو آپ نے سب کو تسلی دی کہ انہوں نے سب کیلئے ایک باعزت راہ نکال دی ہے اور ان کو مصیبت سے بچالیا ہے۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہ کی وکالت کی عمدہ مثال تھی۔ السفاح جیسے عیاش اور ظالم بادشاہ کے سامنے انکار کا مطلب تمام علماء کا قتل تھا۔ آپ نے "قیام الساعۃ" کی توجیہ اس مجلس کی گھڑی تک وفاداری کی اپنائی جیسا کہ آپ کا عباسیوں سے آنے والا رویہ شاہد ہے۔ السفاح یہ سمجھا کہ کوفہ کے علماء نے قیامت تک عباسیوں کی بیعت کر لی ہے چونکہ الفاظ میں دونوں کی گنجائش تھی اسی لئے ابوالعباس نے اپنے منشاء کے مطابق مطلب لیا اور امام اعظم نے اپنے مطلب کے موافق لیا۔

آپ سوا چھ سال تک (۱۳۰ تا ۱۳۶ ہجری) حجاز میں مقیم رہے اور مستقل کوفہ میں ابوجعفر منصور

کے دور میں واپس آئے۔

حضرت ابراہیم بن میمون کے ابومسلم خراسانی اور امام اعظم دونوں سے مراسم تھے۔ ابومسلم خراسانی نے اقتدار میں آنے کے بعد آپ کو انتہائی مایوس کیا۔ ان دگرگوں سیاسی حالات میں حضرت ابراہیم بن میمون کیلئے امام صاحب ہدایت اور رہنمائی کے مینارے کی حیثیت اختیار کر گئے۔ دردِ امت رسولِ کریم ﷺ نے ان ہر دو شخصیات کو ابومسلم خراسانی کے خلاف متحد کیا۔

ابراہیم ضائع خراسان سے کوفہ امام اعظم سے مشورہ کرنے کیلئے تشریف لائے۔ دونوں نے باہم مشورے کے بعد ابومسلم کو اسلام کیلئے خطرہ قرار دیا، امام اعظم کا ارشاد ہے

اِلٰی اَنْ اِتَّفَقْنَا عَلٰی اَنَّهٗ فَرِیْضَةٌ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

ترجمہ: ہم دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ (مقابلہ کیلئے) کھڑا ہونا خدا کی طرف سے فرض ہے۔

ابراہیم بن میمون نے فوراً ہاتھ بڑھایا اور کہا "مُدْ یَدَکَ اُبَایِعَکَ" یعنی بڑھایئے ہاتھ تا کہ میں بیعت کروں۔

امام اعظم کو اگرچہ حق وصداقت میں کوئی تردد نہ تھا مگر پہلے آپ نے اجتماعی اور تنظیمی قوت پر زور دیتے ہوئے اس وقت بیعت لینے سے انکار فرمایا۔

هٰذِهٖ فَرِیْضَةٌ لَیْسَتْ کَالْفَرَائِضِ یَقُوْمُ لَهَا الرَّجُلُ وَحْدَهٗ

ترجمہ: بلاشبہ یہ بھی فرض ہے لیکن ایسا فرض نہیں ہے جس کیلئے تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے۔

دراصل امام ابوحنیفہ صاحبِ بصیرت و بصارت تھے۔ آپ کی زیادہ توجہ فقہ اسلامی کی تدوین و ترویج کیلئے تھی۔ آپ کی قائم کردہ مقننہ نے یہ کام پچیس سال (۱۲۰ تا ۱۴۵ ہجری) میں تراسی ہزار قوانین مرتب کر کے دیا۔ ان میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات اور باقی پینتالیس ہزار کا تعلق دنیوی معاملات سے متعلق تھا۔ بعد میں یہ تعداد امام محمد جو کہ آپ کے شاگرد تھے کہ زمانہ میں ساڑھے بارہ لاکھ تک پہنچ گئی۔ امام اعظم کی معاملہ فہمی جناب ابراہیم بن میمون کے برے انجام کو دیکھ رہی تھی۔ آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے تنہا باطل سے نبرد آزما ہونے سے متعلق یہ فہمائش کی کہ "تنہا کسی کے بس

کی بات نہیں، پیغمبروں کیلئے بھی یہ صورتحال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کیلئے عہد باندھا گیا''۔

یہاں پر ہم امام اعظم کے فلسفہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر روشنی ڈالیں گے۔ علامہ مناظر احسن گیلانی نے اس کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنیاد صرف افادہ پر ہی نہیں بلکہ ابتلاء بھی ایک بڑا مقصد ہے۔ محض یہی غرض نہیں ہے کہ لوگوں کو حکم کر کے معروف اور اچھی باتوں کا پابند بنایا جائے اور منکر سے روکا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں پر یہ فرض عائد کیا ہے خود ان کا امتحان اور جانچ بھی مقصود ہے۔ چنانچہ جب قانون کی فرضیت ساقط ہو چکی ہو تو امام اعظم کے نزدیک فوری طور پر ابتلائی نصب العین کی تعمیل پر آمادہ ہونا ضروری نہیں ورنہ فرضیت کے سقوط کے کیا معنی ہوں گے؟ ایسی صورت میں اپنے آپ کو قتل کروانے یا نقصان پہنچانے سے یہ بہتر ہے کہ ان امکانات سے نفع اٹھانے کی حتیٰ الوسع کوشش کی جائے جن کی طرف عقل رہنمائی کرتی ہو۔ گو خود قتل (شہید) ہونے والے کا ذاتی فائدہ تو یقینی ہے کہ اس طرح سے اسے شہداء کی جماعت کی سیادت اور سرداری حاصل ہوتی ہے لیکن کچھ بھی ہو یہ فائدہ ذاتی ہی ہے۔ عام مسلمانوں کیلئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ امام اعظم اسے بعض مواقع پر دوسروں کی ہمت شکنی اور حوصلہ گسلی کا باعث گردانتے ہیں۔ اسی لئے ابتلائی نصیب العین پر آمادگی امام اعظم کے نزدیک آخری اقدام ہے۔

سبحان اللہ! امام اعظم کے یہ فرامین آج بھی کس طرح ملت مرحومہ کو جہاد کیلئے اجتماعی کوشش کی دعوت دے رہے ہیں۔ قصہ مختصر امام اعظم اور ابراہیم بن میمون کئی بار ملے لیکن امام اعظم نے وہی مؤقف رکھا۔ بالآخر ابراہیم بن میمون بذات خود ابو مسلم کے خلاف نبرد آزما ہوئے جنہیں اس ظالم نے سازش کر کے بے دردی سے شہید کر دیا۔ امام ابو حنیفہ ابراہیم کی شہادت کی خبر سن کر بہت رنجیدہ ہوئے۔

لَمَّا بَلَغَ اَبَا حَنِيْفَةَ قَتْلُ اِبْرَاهِيْمَ الصَّائِغِ بَكٰى حَتّٰى لَحِنَّا اَنَّهٗ يَمُوْتُ

ترجمہ: ابوحنیفہ کو جب ابراہیم صائغ کی شہادت کی خبر ملی تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ ہم لوگوں کو

خیال ہونے لگا کہ عنقریب مرجائیں گے۔

خلافت عباسیہ کے آغاز پر امام اعظم نے در پردہ کئی سو ایسے افراد تیار کر لئے تھے جو عالم باعمل بھی تھے اور ساتھ ہی فرائض و نظم و نسق کے پابند بھی تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے عوام کو اپنا ہم نوا بنایا تا کہ جاہل اور رشوت خور افسروں کو خدمت سے الگ کیا جائے اور استبداد پسند خلیفہ بھی روزمرہ کے نظم و نسق میں دخل نہ دے کر دستور و آئین کا پابند رہے۔

آج اسلامی فقہ کو کھوکھلا اور بے محل قرار دینے والے یہ بھول لیتے ہیں کہ عدلیہ کی حکومت سے آزادی جو شاید ہی کسی دور میں ہوئی ہو امام ابو حنیفہ کی زندگی میں نہ سہی ان کے ثمرات آپ کے سعادتمند شاگرد امام ابو یوسف کے ہارون الرشید کے دور میں قاضی القضاء بننے کی صورت میں سامنے آئے۔ آپ تمام مملکت اسلامیہ میں بغیر کسی حکومتی دباؤ کے حق و انصاف کے حصول کیلئے جید اور اہل قاضیوں کا تقرر فرماتے بلکہ یہ سلسلہ عباسیوں کے پانچ سو تیس سالہ دور اقتدار میں چند لغزشوں کے علاوہ انتہائی باقاعدگی سے حنفی قاضی القضاء کے تقرر کی صورت میں ہوتا رہا۔ حضرت امام ابو حنیفہ نے دراصل ایک منظم نظام کی داغ بیل ڈالی جس میں نہ صرف شریعت کی پاسداری کا خیال رکھا گیا بلکہ کاروبار، تجارت، معاہدات، صرافہ، بینکاری سب کے سب آپ کی قلمی دسترس میں آئے اور آپ نے ایک حقیقی اسلامی فلاحی مملکت کی داغ بیل ڈالی جو قرآن و سنت سے اپنے لئے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔

امت مرحومہ کی فلاح و صلاح کا بے پناہ ولولہ اور تڑپ امام اعظم کو ہر وقت متفکر رکھتا۔ بالآخر امام اعظم نے وہ اصول اور قواعد مرتب کئے جس سے انحراف کسی کے بس کی بات نہ رہی۔ امراء امام ابو حنیفہ کے محتاج بن کر رہ گئے اور بادشاہ و امراء کے درباروں میں آپ کا ذکر عام ہونے لگا۔ آپ نے امام ابو یوسف سے وصیت میں فرمایا "حکومت تمہارے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش کرے تو تم ہرگز اس کو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک اس کا اطمینان نہ ہو جائے کہ تمہارے علمی اجتہادات اور تمہارے فیصلوں پر وہ اتنا اعتماد کرتی ہے کہ وہ ان کے بعد ہو کسی دوسری کی طرف اس باب میں توجہ نہ کرے گی۔"

مولانا عبدالقیوم حقانی نے امام اعظم کی سیاسی حکمتِ عملی میں فقہ حنفی کی بالا دستی تلامذہ کے ایک بڑے حلقہ اور قاضیوں کی ایک بڑی جماعت کے مستقبل میں غلبہ اور فقہ حنفی کو آئینی حیثیت اور قانونی تحفظ دینے کا ذکر کیا ہے اور جب عملاً مکمل نفاذ کی راہ ہموار ہوگئی تو سلطانِ جائر کے سامنے امام اعظم نے کلمہ حق کا اظہار کر کے شہادت یا قریب قریب شہادت کے جام کو نوش فرمایا۔

ابوجعفر منصور عباسیوں کا دوسرا خلیفہ تھا جو ابوالسفاح کی موت کے بعد تخت نشین ہوا۔ امام اعظم کا جہاں ایک طرف وہ معترف تھا وہاں دوسری طرف ان سے بہت زیادہ خائف بھی تھا۔ حتیٰ الامکان وہ امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن جس نہج پر خود اقتدار کے اصول تھے امام اعظم اور منصور کے درمیان تصادم عین لازم تھا۔

اسی دوران موصل کے عباسی گورنر کے خلاف مقامی لوگوں نے بغاوت کی تو منصور نے اہلِ موصل کو سزا دینے کی ٹھانی۔ امام اعظم نے اس موقع پر فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا

''امیر المومنین موصل والوں نے اس قسم کا اگر کوئی وعدہ آپ سے کیا تھا یعنی بغاوت کی صورت میں ان کا خون خلیفہ کیلئے حلال ہو جائے گا تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ انہوں نے ایک ایسی چیز کا اختیار آپ کے سپرد کیا تھا جس کی سپرد کرنے کا انہیں شرعاً اختیار نہیں تھا (اسلام میں خودکشی حرام ہے) اس کے بعد بھی اگر آپ ان کی خونریزی پر آمادہ ہوں گے تو آپ ایک ایسی چیز میں ہاتھ ڈالیں گے جو آپ کیلئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔ امیر المومنین! خدا کا عہد زیادہ مستحق ہے کہ اس کا ایفاء کیا جائے''۔

امام ابوزہرہ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ مومن تین صورتوں میں مباح ادم ہوتا ہے لہٰذا آپ کا ان پر گرفت کرنا روا نہ ہوگا۔ اور آپ نے پوچھا فرمایئے اگر کوئی عورت منکوحہ یا لونڈی ہونے کے بغیر اپنے جسم کو کسی کیلئے مباح کردے تو کیا اس سے مجامعت کرنا درست ہوگا؟ امام اعظم کے سوال پر منصور حیران ہوگیا۔ ابن البزاری نے لکھا ہے کہ منصور نے باقی سب فقہاء کو جانے کو کہا اور آپ سے علیحدگی میں عرض کیا ''یا شیخ فتویٰ وہ درست ہوگا جو آپ کا ہوگا۔ آپ ایسا فتویٰ نہ دیجئے جس سے خلیفہ کی مذمت کا پہلو نکلتا ہو کیونکہ اس سے باغیوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں''۔

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ منصور نے قاضی ابنِ ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور قاضی شریک جیسے لوگوں کو قضا اور دوسرے اختیارات تفویض کر کے بدنظمی کا مظاہرہ کیا جبکہ امام اعظم نے اپنا دین بیچنے سے انکار کیا اور عملاً حکومت عباسیہ کی ظالمانہ سیاست سے خود کو ازبس دور رکھا۔ درحقیقت عباسی حکومت کی جابرانہ سیاست کا حصہ نہ بننا ہی آپ کی سب سے بڑی سیاسی کامیابی ہے۔

علامہ موفق نے امام کی منصور کے تحائف بار بار واپس لوٹانے پر لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین نے خود اپنے ذاتی مال سے مجھے کوئی چیز عطا نہیں فرمائی جسے میں نے واپس کیا ہو۔ آپ مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے لینے کا کوئی حق نہیں، میں فوجی نہیں ہوں اور بحمد اللہ محتاج وفقیر بھی نہیں ہوں۔

اس دور میں علماء اور قاضیوں کو دہن دوزی کے گُر سے رام کیا جاتا تھا۔ جہاں حضرت سفیان ثوری جیسے اصحاب، ہوتے تو پہلے تو یہ کہہ کر کہ اُحْکُمُ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَلَدِیْ (آپ میرے اور میری اولاد کے مقابلہ میں بھی فیصلہ کر سکتے ہیں) قضاء کی خدمت کیلئے راضی کیا جاتا لیکن جب امتحان کا وقت آتا تو انہی حضرت کو اپنی ایک لاڈلی لونڈی سے بڈھے تو احمق ہے! کہلوا کر سرِ عام تحقیر کروائی۔

اس صورتحال میں حق وانصاف کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ امام اعظم نے انہی وجوہ کی بناء پر عہدہ قضاء کی پیشکش کو رد کیا اور فرمایا "اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہو اور آپ مجھ سے چاہیں کہ میں قانون کے مطابق فیصلہ نہ کروں اور دھمکی دیں کہ ایسا نہ کرو گے تو تجھے دریا میں غرق کردوں گا تو یاد رکھئے میں دریا میں ڈوبنے کو پسند کروں گا لیکن خلاف انصاف فیصلہ کروں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا"۔

منصور نے امام اعظم سے کوایک دوسرے انداز سے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ آپ نے دارالسلام بغداد میں تعمیرات کی نگرانی کیلئے آپ سے درخواست کی۔ بظاہر تمام مسلمانوں کیلئے ایک مفید کام میں امام اعظم نے کوئی عار محسوس نہ کی۔ آپ نے اینٹوں کو بانس کے ذریعہ گننے کا سب سے پہلے طریقہ رائج کیا۔ طبری نے آپ کے مندرجہ ذیل فرائض بیان کئے

ا: شہر کی تعمیر کی عام نگرانی

۲: اینٹوں کی ڈھلائی کی نگرانی

۳: اینٹوں کا شمار

۴: کام کرنے والوں کے کام کا داروگیر

یہ سب فقہ حنفی کی علمیت اور جمعیت بندی کی دلیلیں ہیں جس میں ذات سے بڑھ کر معاشرے کو مقدم ٹھہرایا گیا ہے۔ آپ کو بار بار قضا کی پیشکش ہوتی رہی جس سے آپ مختلف حیلوں سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔ اسی دوران اہلِ موصل سے متعلق آپ کے فتوئی پر منصور آپ سے دلبر داشتہ ہو گیا اور آپ کو شاہی کیمپ سے واپس کوفہ جانے کا حکم دیا۔ جاتے وقت منصور نے بڑی لجاجت سے آپ سے حکومت مخالف بیانات اور فتاوئی نہ دینے کی استدعا کی جس سے کہ خوارج کو تقویت ملتی ہو۔ اس پر امامِ اعظم نے فرمایا "یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ آپ کی قرابت اور نزدیکی کا نتیجہ دیکھ چکا ہوں کہ آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مجھے آرزو ہو۔ بحمد للہ میں کسی ایسے جرم میں مبتلا نہیں ہوں جس پر مجھے حکومت کی پکڑ کا خوف ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے آپ کو دوسروں سے نیاز کر دیا۔ ہے، اسی ذات نے مجھے بھی اپنے سوا ہر چیز سے بے پروا اور بے نیاز بنا رکھا ہے۔ پس مجھے معاف فرمایا جائے کہ ان لوگوں کی طرح درباداری مجھ سے ممکن نہیں جن سے آپ کی بارگاہ بھری رہتی ہے"۔

منصور امام اعظم سے اب اور بھی خائف رہنے لگا۔ ایک دفعہ اس نے پھر امام اعظم، امام مالک رحمہ اللہ اور ابن ابی ذئب کو بغداد کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ حکومت پر میری اہلیت کا آپ کے پاس کیا جواز ہے؟ ابن ابی ذئب اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے تو اپنے اپنے مذاق کے مطابق جواب دیا امام ابو حنیفہ نے پہلے بطور تمہید نصیحت کی "اپنے دین کے بہی خواہوں کو چاہئے کہ غصہ سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھیں"۔ پھر فرمایا "ہم لوگوں کو جمع کرنے میں قطعاً خدا تمہارے ساتھ نہیں ہے بلکہ تم عوام پر یہ اثر قائم کرنا چاہتے ہو کہ ہم لوگ بھی تمہارے متعلق وہی خیال رکھتے ہیں جو خیال تم نے اپنے جی میں اپنے متعلق قائم کر لیا ہے یعنی تمہارے خوف سے ہم بھی تمہاری جیسی بات کہہ دیں گے۔ دیکھو! تم نے

خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں اس وقت سنبھالی جبکہ مسلمانوں میں فتویٰ دینے کی اہلیت جن لوگوں میں ہے ان میں دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ خلافت کا مسئلہ ایسا ہے جسے مسلمانوں کا اجتماع ہی طے کر سکتا ہے، ان ہی کے مشورہ سے خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔ ابوبکر صدیق ؓ کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ چھ مہینے تک انہوں نے حکومت کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھا جب تک کہ یمن کے مسلمانوں کی بیعت کی خبر ان تک نہ پہنچی''۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس تقریر کو اسلامی سیاست کی بنیاد اور بہت تاریخی واقعہ قرار دیا۔ آپ نے اسے ہی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر چھ ماہ بیعت کی تاخیر کی بنیادی وجہ قرار دیا۔ عباسی اگرچہ اہل بیت کی قرابت اور ان کے مطیع غمخوار بن کر اقتدار میں آئے تھے لیکن اب آہستہ آہستہ اپنے اصل رنگ میں آنے لگے اور سادات کرام کا ناطقہ بند کرنے لگے۔ امام ابوحنیفہ کا حضرت امام جعفر صادق سے تعلق تو منقول ہے۔ حسنی سادات میں حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن ؒ سے بھی آپ کی گہری عقیدت وانس تھا۔ بعض محققین نے حضرت عبداللہ کو حضرت امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں شمار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ کے دو بیٹے محمد بن عبداللہ (نفس ذکیہ) اور ابراہیم بن عبداللہ (نفس رضیہ) انتہائی رشد و آثار کے پیکر تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حسینی سادات حضرت زید بن علی کے واقعہ کے بعد سیاست سے مکمل طور پر کنارہ کش ہو چکے تھے اور حضرت امام جعفر صادق نے محض دین کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ حسنی سادات میں اب بھی اپنے نانا کے دینِ متین کی سربلندی اور اشاعت کیلئے سیاسی طور پر قوی جذبہ موجود تھا۔ منصور ان دنوں بغداد میں مقیم تھا کہ جب اس کے پاس خبر آئی کہ محمد بن عبداللہ بن حسن (نفس ذکیہ) نے منبر رسول پر بیٹھ کر عباسیوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے آپ نے ہر صوبے میں اپنے خاندان کا ایک فرد اس بغاوت کو اس کے انجام تک پہنچانے کیلئے مامور کر دیا۔ ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ بھیجا گیا۔

منصور حواس باختہ ہو کر بغداد کی تعمیر بھول گیا اور بھاگ کر کوفہ آٹھہرا۔ امام اعظم بھی کوفہ میں مقیم

تھے۔ منصور کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ دہ ماہ تک مصلیٰ سے نہ اٹھا اور نہ کپڑے بدلے اور ہر وقت یہی کر یہ کرتا رہتا کہ یا ابراہیم کا سر میرے سامنے ہو گا یا میرا سر ابراہیم کے سامنے۔ ایک لاکھ لوگ در پردہ کوفہ میں ابراہیم بن عبداللہ سے بیعت ہو چکے تھے۔ اب وقت آ چکا تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ جن کا فقہ اسلامی کی تدوین کا خواب بھی پورا ہو چکا تھا علی الاعلان ابراہیم کا ساتھ دیں۔ مدینہ میں حضرت امام مالک نے فتویٰ دے دیا تھا کہ عباسیوں نے مسلمانوں پر جبر کر کے بیعت لی ہے اور جبری قَسم واقعی قَسم نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں عہد نبوت کی خندق دوبارہ کھودی گئی اور ادھر کوفہ میں حضرت امام ابوحنیفہ بحوالہ الیافعی الشافعی ابراہیم بن عبداللہ کی اعانت میں علی الاعلان فرمانے لگے

كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يُجَاهِرُ فِيْ اَمْرِهٖ وَ يَاْمُرُ بِالْخُرُوْجِ مَعَه'

ترجمہ: امام ابوحنیفہ لوگوں کو اعلانیہ ابھارتے اور حکم دیتے کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کرو۔

حج کے موقع پر آپ سے اس ضمن میں سوال پوچھا گیا تو علامہ موفق نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ابراہیم کی حمایت میں شرکت کو ایسے پچاس حجوں سے زیادہ افضل قرار دیا۔ امام اعظم کے اصرار کا یہ حال تھا کہ آپ کے شاگرد ذفر بن ھذیل نے شہادت دی۔

كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَجْهَرُ بِالْكَلَامِ اَيَّامَ اِبْرَاهِيْمَ جِهَاراً شَدِيْدًا

ترجمہ: ابراہیم کے زمانہ میں امام ابوحنیفہ اعلانیہ بلند آواز سے گفتگو کرنے لگے اور بہت زیادہ بلند آواز سے۔

یہ جہار شدید اس وقت ہوا جبکہ منصور خود کوفہ میں مقیم تھا۔ ابراہیم کے ہر مشتبہ دوست کو قید یا قتل کرنے لگا۔ اس نے منادی کرادی تھی کہ جس کے بدن پر بھی سیاہ لباس نہیں دیکھا قتل کر دیا جائے گا۔ امام اعظم کی یہ روش ابراہیم بن میمون کے واقعہ کے برخلاف نظر آتی ہے لیکن یہ محل وقوع کا اقتضاء تھا۔ ابراہیم بن میمون کے حوالہ سے آپ کے دل میں جو حسرت تھی آپ اسے بھی پورا کرنا چاہتے تھے۔ یہ امام اعظم کا اعلیٰ مقام تھا جس کے باعث تمام شواہد کے باوجود منصور نے امام اعظم سے کوئی تعرض نہ کیا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے خیال میں اس لئے تشریف نہ لے گئے کیونکہ خود ابراہیم بن عبداللہ کا

کوفہ کی جانب بڑھنے کا خیال تھا۔ عین ممکن ہے کہ ایک لاکھ مخفی حامیوں کے ساتھ آپ کی کوفہ میں موجودگی اہلِ کوفہ کے مزاج کے موافق حالات کو قابو کرنے کیلئے ضروری سمجھی گئی۔ دوسرا کوفہ اور بصرہ کے درمیان منصور نے اتنے ناکے لگائے ہوئے تھے کہ کسی کا بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ اسی زمانہ میں آپ سے چند فتاویٰ منسوب کئے گئے جس کی روح یہ تھی کہ ابراہیم کی امداد کفار کے خلاف جہاد سے کہیں بہتر ہے۔ دراصل یہی بات آپ سے محدثین کی ناراضگی کا باعث بنی۔ ابوبکر الجصاص کے بقول ان محدثین جن کو الحشویہ کہا گیا یہ مسلک رکھتے تھے کہ حکومت کے ظلم وجور پر اعتراض نہ کرنا چاہئے حتیٰ کہ جن کے خون کو خدا نے حرام کیا ان کو بھی اگر حکومت قتل کرے تو نہ ٹوکا جائے۔ ان کے خیال میں حکومت کے مقابلہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی جرأت ثواب نہیں بلکہ فتنہ وفساد ہے۔

دراصل یہ نکتہ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کے عقائد کی روح ہے۔ اگر اسے قبول ہی کیا جائے تو پھر حضرت علی سے لڑنے والوں کو یہ چھوٹ کیوں ملی اور کیا پھر ہم واقعہ کربلا کو بھی بغاوت کے واقعہ سے موسوم کریں؟

ابراہیم بن عبداللہ جب کوفہ کی جانب بڑھنے لگے تو خود امام نے ابراہیم کیلئے کھلے بندوں لوگوں کو راغب کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کے شاگرد امام زفر کو کہنا پڑا

مَا اَنْتَ بِمُنْتَهٍ حَتّٰى تُوْضَعُ الْحِبَالُ فِيْ اَعْنَاقِنَا

ترجمہ: جب تک ہم لوگوں کی گردنوں میں پھانسی کی رسیاں نہ ڈالی جائیں گی آپ باز نہ آئیں گے۔

اس دور میں کوفہ میں منصور کا سپہ سالار حسن بن قحطبہ کئی بار امام اعظم سے ملا۔ کتابوں میں واقعات درج نہیں لیکن عین یقین ہے کہ امام اعظم نے حسن بن قحطبہ کو بھی راضی کر لیا تھا کہ وہ ان کی حمایت کرے۔ اس نے امام اعظم کے سامنے توبہ کی اور منصور کے سامنے برملا کہا "میں نے خدا سے عہد کر لیا ہے مسلمانوں کے قتل کا جو کام میں اب تک (حکومت کے اشارے سے) کرتا رہا ہوں اب اس کی طرف کبھی نہ پلٹوں گا"

اس طرح حسن بن قحطبہ نے ابراہیم بن عبداللہ کے خلاف لڑنے سے معذوری ظاہر کی۔ یہ ایک

اتنا بڑا واقعہ ہے کہ ایک سلطنت کے سپہ سالار کو امام اعظم کی توجہ اور رغبت سے ہدایت کی راہ ملی۔ لیکن اسلامی تاریخ شاید ان دونوں حضرات کی نیک دلی کا خون کرنے کیلئے نہایت ہی بہیمانہ اور مجرمانہ طور پر خاموش ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے تاریخ کی جامع کتب طبری، کامل اور ابن اثیر میں اس واقعہ کا ذکر نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ یہ تو قسمت کی یاوری نہ تھی ورنہ اگر کامیابی حاصل ہوجاتی تو یہ امام ابوحنیفہ کی تاریخ میں ایک عظیم جنگی چالوں میں شمار ہوتی۔ ادھر مدینہ میں محمد نفس ذکیہ عیسیٰ بن موسیٰ (منصور کا بھتیجا) کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ابراہیم بن عبداللہ کوفہ کے باہر کوفیوں کی روائتی بے وفائی کے باعث بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

تمام اسلامی صوبوں میں یہ بغاوت دبادی گئی سوائے مراکش میں جہاں ادریس بن عبداللہ ایک حسنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جو آج تک قائم ہے۔ باوجودیکہ منصور امام اعظم کے تمام حرکات وسکنات سے واقف تھا امام اعظم پر ہاتھ نہ ڈال سکا جبکہ مدینہ میں امام مالک کو محمد نفس ذکیہ کے حق میں فتویٰ دینے پر درے لگوائے گئے اور کاندھا اتروایا گیا۔ منصور نے اپنے غصہ کا زیادہ سے زیادہ اظہار اس صورت کیا کہ بغداد واپس جانے کے بعد اس نے کوفہ سے ایک اور عالم حجاج بن ارتاط کو اپنے مصاحب کے طور پر پیش کرنے کی کوشش جو اپنی کم عقلی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "ابوحنیفہ نے عقل سے کام نہیں لیا خدا ان کو عقل دے"۔

منصور لاکھ کوشش کے باوجود بھی حجاج بن ارتاط جیسے نااہل کو امام ابوحنیفہ کے مقابل کھڑا نہ کرسکا اور جلد ہی خود بھی جب حجاج بن ارتاط کی عقل کا بھانڈا پھوٹا تو منصور نے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی۔ حج کے موقع پر وہ مدینہ منورہ جاکر امام مالک سے معافی کا خواستگار ہوا اور ان سے کیے گئے سلوک کو گورنر مدینہ کا ذاتی فعل قرار دیا۔ امام مالک نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں معاف تو کیا ہی لیکن وہ بھی منصور کے ارادہ کو تاڑ گئے۔

منصور نے جب مالکی فقہ کی تدوین اور پوری امت اسلامیہ میں اس کے نفاذ کا لالچ کو امام مالک کے سامنے پیش کیا تو کوئی اور ہوتا تو ہزار بار پھسل چکا ہوتا۔ یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی نیت کی سچائی

اور دینِ محمدی کے فروغ کی تڑپ اور جذبہ ہی تھا کہ امام مالک نے اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ حنفی مذہب مملکتِ اسلامیہ کے قرب و جوار میں پھیل چکا تھا اور نہ صرف ایک واضح دستور کی صورت میں موجود تھا (اس وقت کوئی مالکی فقہ مدون نہیں ہوا تھا) بلکہ اس کے اکنافِ ارضی میں پہنچ کر وہاں کے رسم و رواج کو بھی اپنے اندر سمو لیا تھا اور اس وسیع تخریج اور مختلف خیالات کا منظم نمونہ تھا کہ اس سے انحراف کی صورت میں کل مملکتِ اسلامیہ تباہی اور خانہ جنگی سے دو چار ہو جاتی۔

ابو جعفر منصور ہر طرف سے مایوس ہو کر اب براہِ راست امام ابوحنیفہ کی سرکوبی کی طرف راغب ہو گیا۔ اس عداوت کی بنیادی وجہ امامِ اعظم کا اعلائے کلمۃ الحق اور خانوادۂ رسول ﷺ سے بے لوث محبت تھی۔ آپ کے دور میں سادات کرام کی طرف سے دونوں بغاوتوں میں آپ کی حمایت کو منصور اپنے لئے مستقبل میں خطرے کی گھنٹی سمجھتا تھا۔ اگر حقائق کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کوئی پوچھے کہ زید بن علی کی شہادت کا ماتم منانے والے کیونکر آج محمد نفس ذکیہ کے خون سے اپنا دامن آلودہ کئے ہوئے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ اقتدار اور دنیاوی عروج و زوال کی داستانیں تھیں جس میں ظالموں نے خانوادۂ رسول ﷺ کے دونوں پھولوں کے جگر گوشوں کو چن چن کر انتہائی بے دردی سے شہید کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کو مقامِ عبرت پر پہنچانے کیلئے ان کی نعشوں سے بھی حیا سوز سلوک کیا جو زندہ بچے وہ قید خانوں اور عقوبت خانوں میں انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے یہاں تک کہ ان کا نام لینا بھی غدر اور کفر کے مترادف قرار دیا جانے لگا۔ امام ابوحنیفہ کی زہد و تقویٰ کی زندگی ان خون آشامیوں سے آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اپنے شیخ عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کی ان کے بیٹوں کی شہادت کے بعد منصور کی قید میں شہادت نے آپ کو زندگی اور کاروبارِ زندگی سے بیزار کر دیا۔ اب آپ نے عباسی طاغوت کے خلاف صف آرائی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پس جب ذوانتقی عباسی نے اپنی اگلی چال چلی تو اس نے امامِ اعظم کو پہلے سے بھی زیادہ چوکس اور نڈر پایا بلکہ اس سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ ابو جعفر کی بدگمانیوں کو یقین کے درجہ تک خود امام ابوحنیفہ نے پہنچایا اور پھر اسے انتہائی اقدام کے باوجود

بھی اس کے مقصد کو نیچا دکھایا تو یہ بے جا نہ ہوگا۔

اس طرح آپ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اپنے نصب العین کو دوام بخشا اور امارت کو ٹھکرا کر علم اور دین کی راہوں میں مثال قائم کی۔آپ نے کیا خوب اس شعر کی توجیہہ پیش فرمائی ہے

جو ہیبت فقر دیکھنی ہو گزر کسی بوریا نشیں پر

کہ سر بسجدہ تجھے یہیں پہ جلالت خسروی ملے گی

یہی نہیں بلکہ آپ نے علم و فقہ میں اپنا ایک منفرد ترکہ چھوڑا ہے جو خود آپ کو اور آپ کے مقلدین دونوں کو تا قیامت منور فرماتا رہے گا۔۔۔ ان شاء اللہ!

۱۴۷ ہجری کے بعد منصور امام ابوحنیفہ کو بار با کوفہ سے بغداد طلب کر کے قضاء کے عہدہ کیلئے مجبور کرتا رہا لیکن ہر بار نا کام رہا۔موفق نے علی بن علی الحمیری کے حوالہ سے نقل کیا ہے

اَرَادَهُ عَلَى الْقَضَاءِ غَيْرَ مَرَّةٍ فَاعْتَذَرَ وَاسْتَعْفَى وَاحْتَالَ بِكُلِّ حِيْلَةٍ

ترجمہ: لیکن وہ عذر ہی کرتے رہے، معافی ہی مانگتے رہے اور جتنے حیلے حوالے ممکن تھے سب ہی سے کام لیتے رہے۔

۱۵۰ ہجری میں جب آپ کو بلا کر قضاء کی پیشکش کی گئی تو علامہ موفق نے لکھا کہ منصور اپنی مصنوعی متانت اور سنجیدگی پر قابو نہ پاسکا۔ یوں امام اعظم کے سامنے بار بار اپنے نفس کی تذلیل اس سے برداشت نہ ہوئی۔ گفتگو جب شدت اختیار کرگئی تو اس نے اپنی ذاتی رہائشگاہ پر اپنے حاجب سے امام اعظم کو تازیانے لگوائے۔ستر سالہ اس عالم اور فقیہہ کا حوصلہ تھا جو اس طرح طاغوت کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس واقعہ کو جس طرح اپنوں اور پرائیوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے وہ امام اعظم کے ساتھ انتہائی بددیانتی اور ظلم ہے۔ کسی کو آج تک یہ حقیقت بیان کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ اسلام کا یہ فقیہہ اپنے پیارے نبی پاک ﷺ کی امت کے غم میں اپنے ناتواں بدن پر اٹھا رہا تھا۔لوگ اس واقعہ کو رنگینی اور خوش گپی کی حد تک ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی اخلاقی اور ذہنی پستی کی آئینہ دار ہے۔ موفق کے راوی عبدالعزیز بن عصام نے امام کو دربار سے نکلتے وقت صرف پائجامہ میں نکلتے دیکھا۔

آپ کی پشت پر مار کے نشانات نمایاں تھے اور ایڑیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہو رہا تھا ابوجعفر کے چچا عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی وہ فوراً دوڑے آئے اور انہوں نے منصور کو سمجھایا ''امیر المومنین! آج آپ نے کیا کیا، ایک لاکھ تلواریں اپنے اوپر کھچوالیں، یہ عراق والوں کا امام ہے، مشرق کا فقیہ ہے''

منصور نے بہت معافیاں مانگیں لیکن امام اعظم اپنے موقف پر قائم رہے۔ آپ پھر کوفہ چلے گئے، اس بار امام بہت افسردہ تھے۔ انہوں نے کوفہ پہنچنے پر اپنے چالیس خاص تلامذہ جو اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکے تھے کو بلا کر ایک تاریخ ساز تقریر کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم شائد یہ جان چکے تھے کہ ان کی آزمائش کی اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے حضور میں قبولیت کا وقت آچکا ہے۔ دنیا سے پیٹھ پھیرنے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کا وقت آگیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا

''فقہ (اسلامی قانون) کی زین تم لوگوں کیلئے میں کس کر تیار کر چکا ہوں، اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقشِ قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو اب لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا ہے اور ہموار کر دیا ہے''

پھر فرمایا

''پس اب وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم (چالیس) میں سے ہر ایک عہدہ قضاء کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی اپنے اندر پوری صلاحیت پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی ترتیب وتادیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں''۔

''اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے اور علم کا جتنا حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے اس علم کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا اور تم میں سے کسی کو قضاء کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونے پر اگر مجبور ہی ہونا پڑے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسی

کمزوریاں جو مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر (اپنے فیصلوں میں) جو ان کا ارتکاب کرے گا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے آدمی کا فیصلہ جائز نہ ہوگا اور نہ قضا کی ملازمت اس کیلئے حلال ہوگی۔ جو تنخواہ اس سلسلہ میں اس کو ملے گی وہ پاک آمدنی نہ ہوگی۔ بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں مثلاً دربان حاجب وغیرہ کو حائل نے ہونے دینا۔ چاہئے کہ جماعت کے ساتھ وہ شہر کی جامع مسجد میں پانچ وقت کی نماز ادا کرے اور نماز کے اوقات میں سے ہر وقت میں اعلان کرائے کہ کوئی کسی قسم کا حاجت یا ضرورت پیش کرنا چاہتا ہو تو پیش کرے۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد خصوصیت سے تین بار بآواز بلند اس اعلان کا اعادہ کرایا جائے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد گھر چلا جائے اور چاہئے کہ بیماری کی وجہ سے جتنے دن تک قضا کے کام سے قاضی معذور رہا تو حساب کر کے اتنے دن کی تنخواہ کٹوا دیا کرے"

پھر فرمایا

"امام (مسلمانوں کا بادشاہ اور امیر) اگر مخلوق کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو امام کے قریب ترین قاضی کا فرض ہے کہ اس کی باز پرس کرے" (موفق صفحہ ۱۰۰ بحوالہ)

امام اعظم کی اس آخری تقریر کے بعد امام کو پھر بغداد طلب کیا گیا۔ امام کو اس بار پھر قضاء کے عہدے کی پیشکش کی گئی۔ آپ نے فرمایا اَعْلَمْتُہٗ اَنِّیْ لَا اَصْلُحُ میں نے مطلع کیا کہ قضاء کی مجھ میں صلاحیت نہیں۔ ابوجعفر بولا کَذَبْتَ اِنَّکَ لَتَصْلُحُ تم جھوٹے ہو قطعاً تم قضاء کی صلاحیت رکھتے ہو۔ امام نے فرمایا "لیجئے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا۔ آپ کیلئے کیا جائز ہے اس شخص کو قاضی بنائیں جو جھوٹا اور کذاب ہو"۔

تاریخ بغداد میں بشیر بن ولید الکندی سے روایت ہے تَحَلَّفَ الْمَنْصُوْرُ لَیَفْعَلَنَّ ترجمہ: قسم کھا بیٹھا (منصور) کہ تم کو یہ (قضاء) کا کام کرنا پڑے گا۔ امام اعظم نے بے پروائی سے جواب دیا "خدا کی قسم میں ہرگز نہ کروں گا"۔ ابوجعفر کے حاجب ربیع نے کہا "تم کیا کر رہے ہو امیر المومنین کے

مقابل قسم کھا رہے ہو؟'' اس پر امام اعظم نے برجستہ اسے جھڑکا اور جواب دیا ''امیر المومنین اپنی قسم کے کفارہ ادا کرنے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں''۔

اس پر امام کو پھر تازیانے دیئے گئے۔ سزا کے بعد آپ سے منصور نے کہا

''اچھا آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ قضاء نہ سہی دار الحکومت کے دروازے پر جا کر قیام کریں اور جس قسم کے احکام تمہارے پاس بھیجے جائیں ان کے متعلق فتویٰ دیا کریں''

ضمانت پر رہائی کے بعد آپ کو فصیل شہر کے اندر بٹھا دیا گیا لیکن ابو جعفر نے جب آپ کے پاس مسائل بھیجے تو آپ نے فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔ تب ابو جعفر نے امام کو قید و بند کی اذیتوں کا حکم دیا۔ وَ غَلَظَ وَضَیَّقَ عَلَیْہِ تَضْیِیْقًا شَدِیْدًا یعنی ان پر سختی کی جائے اور خوب تنگ کیا جائے۔ داؤد بن راشد واسطی سے موفق نے روایت کی ضَیِّقُوا الْاَمْرَ فِی الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَالْحَبْسِ یعنی کھانے پینے میں امام اعظم پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں بھی سختی اختیار کی گئی۔ چند دنوں میں آپ کو جیل سے نکال کر ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔

اس مکان میں منتقلی کا حکم دیتے ہوئے ابو جعفر نے یہ تاکید بھی کی کہ نہ تو امام اعظم کے پاس فتوے وغیرہ پوچھنے کیلئے لوگوں کو آنے دیا جائے اور نہ کسی کو ان کے اس بیٹھنے کی اجازت ہوگی اور یہ کہ وہ اس مکان سے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔ اس عرصہ میں وقفہ وقفہ سے آپ کے پاس یہ پیغام بھجوایا جاتا رہا اِنْ اَجَبْتَ لَاُخْرِجَنَّکَ مِنَ الْحَبْسِ وَلَاُکْرِمَنَّکَ ترجمہ: اگر میری بات تم اب بھی مان لو تو قید سے آزاد کر کے تمہیں سرفرازی بخشی جائے گی۔

امام ابو زہرہ نے اس موقع پر بحوالہ امام کا یہ جواب بھی نقل کیا ہے ''اگر آپ مجھے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیں کہ دریائے فرات میں ڈوب جاؤں یا قضاء کا عہدہ قبول کروں تو میں ڈوب مرنے کو ترجیح دوں گا۔ نیز آپ کے امراء اور خواص کو اکرام و احترام کی بڑی ضرورت ہے اور میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا''۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے روایت کی ہے کہ آخر امام اعظم دجلہ کے پار ایک چھوٹی سی بستی

میں رصافہ کی خدمت قضاء کو قبول کر لیتے ہیں۔ جہاں دو روز تک کوئی مقدمہ پیش نہ ہوا۔ تیسرے دن ایک ٹھہرا دو درم چار پیسوں کا ایک مقدمہ لایا۔ مدعی علیہ جب بلا جھجک اللہ تعالی کی قسمیں کھار ہا تو امام اعظم نے فوراً اسے روک کر اپنے پاس سے دو درم اس کو دیئے۔ یہ آپ کا خشیتِ الٰہی اور تکریمِ امت رسول اللہ ﷺ کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ کسی مسلمان کو جھوٹا اور برا کہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ تھا اس عظیم فقیہہ اور مقنن کا خود اپنی عدالت میں ساری زندگی میں واحد فیصلہ!

یہ بات بذات خود امام اعظم کے اس استدلال کو سچا ثابت کر رہی تھی جو آپ نے قضاء کی خدمت سے معذرت کر کے کی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی، ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی اور بہت سے دوسرے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو کھانے میں زہر دلوایا گیا تھا۔ علامہ موفق نے شافعیوں کی کتاب المستفجعین کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب امام اعظم کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو سجدے میں چلے گے اور اسی حال میں فوت ہوئے۔ یہ رجب، شعبان یا شوال ۱۵۰ ہجری کا واقعہ ہے۔

علامہ مناظر احسن گیلانی نے امام ابوحنیفہ کی موت کو عباسیوں کا کربلا قرار دیا اور خیال ظاہر کیا کہ اس نے ابوحنیفہ منصور کی قسمت پر شقاوت کی مہر لگا دی۔ یوں عباسیوں نے انگلی کے پیچھے سورج کو چھپانے کی جو کوشش کی وہ بڑی طرح ناکام ہوئی اور امام اعظم کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا۔ موفق کے راویوں عبداللہ بن یزید نے آپ سے متعلق "حدثنا شاہِ مرداں" لکھا یعنی مردوں کے بادشاہ نے مجھ سے یہ بیان کیا جبکہ عبدالرحمٰن المقری نے "حدثنا شہنشاہ" لکھا (مجھے بادشاہوں کے بادشاہ نے یہ بیان کیا) ہارون الرشید کے دور میں جب عدالتوں سے امام اعظم کے قوانین پر عملدرآمد کو رکوانے کی سازش ہوئی تو مجلسِ شوریٰ کو کہنا پڑا۔

"یہ بات قطعاً نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک آپ (عباسی حکمرانوں) پر ٹوٹ پڑے گا، حکومت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا"

حالات و واقعات نے ثابت کیا کہ امام اعظم نے اپنے خون سے چمن کی آبیاری کی اور آپ کے تلامذہ عباسیوں کی حکومت کے ہر فیصلے میں داخل ہو گئے اور ان کیلئے مطلق العنانی کا جو دور دورہ

امویوں نے شروع کیا تھا اسے ناممکن بنا دیا۔ امام اعظم کی خدمات کا عملی اعتراف مصری فاطمیوں کا امام اعظم کا نظام عدل اپنانا تھا، اگرچہ فقہ مالکی ہی رہا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ میں ہم پر رحم فرمائے اور اپنے اسلاف کی خدمات کو جاننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے --- آمین! کیونکہ امام اعظم کا قول ہے

"اے خدایا اگر کسی کا دل ہم سے تنگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہمارے دل اس کیلئے بڑے فراخ ہیں"

جبکہ ساتھ ہی امام اعظم نے خبردار بھی کیا ہے

"اگر جاہل غلطی سے مجھے کچھ کہہ دے تو اسے معاف کرتا ہوں اور اگر کوئی عالم اس فعل کا ارتکاب کرے تو وہ نقصان اٹھائے گا کیونکہ علماء کی غیبت کے اثرات ان کے بعد بھی باقی رہتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سچ بولنے اور سچ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے --

آمِینْ بِجَاہِ نَبِیِّ الرَّؤُفِ الرَّحِیمِ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیمُ

مآخذ و مراجع

۱: امام ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات، مولانا عبدالقیوم حقانی، ادارہ علم وتحقیق اکوڑہ خٹک ۱۹۹۲ء۔

۲: حضرت ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جوابات، مولوی حاجی نور بخش، مرتبہ سید مشتاق علی شاہ، نعمان اکیڈمی گجرانوالہ۔

۳: حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، مولانا مناظر احسن گیلانی طبع ۱۸۸۳ء۔

۴: حیات امام ابوحنیفہ، شیخ محمد ابوزہرہ، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، فیصل آباد ۱۹۸۳ء۔

۵: دفاع امام ابوحنیفہ، مولانا عبدالقیوم حقانی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۱۴۰۹ھ۔

۶: سیرت النعمان، علامہ شبلی نعمانی، ستار بک ڈپو لاہور ۱۹۸۳ء۔

۷: مناقب ابی حنیفہ، ابن البزاری۔

۸: نور مبین، ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی، مطبوعہ حسن اختر ایسوسی ایٹس کراچی۔

امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

ابوالاثر آفاق ظفر کیفی میروی قادری

امام اعظم ابو حنیفہ کی ذاتِ اقدس بڑی مقدس
ہوئی ولادت جنابِ والا کی جس گھڑی وہ گھڑی مقدس

ہے اسم نعمان ابنِ ثابت تو کنیت ہے ابو حنیفہ
جناب کی کنیت میں مضمر ہے آپ کی دخترِ شریفہ

امام اعظم ابو حنیفہ ہمارے مذہب کے پیشوا ہیں
امام اعظم ابو حنیفہ ہماری کشتی کے ناخدا ہیں

امام اعظم شریعتِ مطہرہ کے سرخیل و پاسباں ہیں
امام اعظم ابو حنیفہ حدیث قدسی کے ترجماں ہیں

امام اعظم کو اپنی آغوش میں لیا تھا میرے نبی نے
میری شریعت کو زندہ کر دے گا یہ کہا تھا میرے نبی نے

امام اعظم کلامِ ربانی کے معلم ہیں در حقیقت
امام اعظم کو فہمِ قرآں میرے خدا نے کیا ودیعت

امام اعظم کا رہتی دنیا تلک رہے گا یہ نام روشن
کروڑوں لوگوں نے تھام رکھا امام اعظم کا پاک دامن

امام کے چہرۂ مقدس سے تھی ہویدا خدا کی عظمت
دلیل اس بات کی یہ ہی ہے امام اعظم کی پاک سیرت

امام اعظم تھے صائم الدھر قائم اللیل مردِ مومن
امام اعظم ابو حنیفہ تو اہلِ اسلام کے ہیں محسن

ابو محمد امام جعفر امام اعظم کے تھے معلم
اسی لئے تو حدیث و فقہ میں آپ کی فکر ہے مسلّم

امام اعظم نے عترتِ مصطفیٰ کے زیر اثر ہے پایا
قرآن کا فہم بھی حدیث رسول اکرم کے زیر سایہ

امام المسلمیں کا جن کو نبی نے بخشا خطابِ اعلیٰ
وہ ہی تو ہیں یہ امام اعظم ابو حنیفہ جناب والا

حضور اکرم کے سب فرامین پر عمل عمر بھر رہا ہے
حدیث و قرآں میں جو لکھا ہے امام اعظم نے وہ کیا ہے

امام اعظم قبول فرمایئے گا ادنیٰ سلام میرا
قبولیت کا جو شرف بخشیں ہے پیش خدمت کلام میرا

امام اعظم عطائے خیر البشر ہیں کیفی برائے امت
امام اعظم ابو حنیفہ امام اعظم ہیں تا قیامت

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور اکابرین

سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات میں اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے متعدد اوصاف جمع فرما دیئے تھے۔ آپ کی شخصیت علم وحکمت، فضل وکمال، عبادت وریاضت، عدل و انصاف اور اخلاق وکردار کی تمام خوبیوں کی مظہر اتم تھی۔ آپ نے اپنے علم وفضل اور عقل وذہانت کو بروئے کار ہوتے ہوئے دینِ اسلام کی وہ عظیم الشان خدمت سرانجام دی جس کی بدولت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم رہتی دنیا تک آپ کی احسان مند اور رہینِ منت رہے گی۔

اس ضمن میں اکابرین نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جن تاثرات کا اظہار کیا اور جو ارشادات بیان فرمائے اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں پر ان کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی جارہی ہے تاکہ قارئین کرام امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کا اندازہ کر سکیں۔

بشارتِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انسانوں میں بڑھ کو فضیلت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے اور پھر انبیاء کرام میں ہمارے پیارے محبوب، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ افضل واکمل اور برتر واعلیٰ ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء کے مقام پر فائز ہوئے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث شریف بیان کی جاتی ہے جو الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ احادیث کی کتابوں بخاری شریف، مسلم شریف، ابونعیم، شیرازی اور طبرانی وغیرہ میں موجود ہے کہ ''علم ثریا کے پاس بھی ہو تو اہلِ فارس اسے ضرور حاصل کرلیں گے''۔

علماء کرام خصوصاً عالم اجل، محدث بے بدل، فقیہہ اَفْخم حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے

تصریح فرمائی کہ اس بشارت نبویہ ﷺ کی اولین مراد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات ہے۔

دعائے امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام نعمان تھا اور اسی نسبت سے آپ کا نام بھی نعمان رکھا گیا اور آپ کے دادا حضرت نعمان امام الاولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے انتہائی عقیدت مند تھے۔ جب ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے ثابت رکھا اور اسے اپنے مرشدِ اعلیٰ حیدرِ کرار امیر المومنین جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ نے بچے کو اپنی گود میں لیا اور اسے دم کیا اور اس کیلئے خیر و برکت کی دعا کرتے ہوئے فرمایا "اے اللہ اس نونہال اور اس کی اولاد کو برکت عطا فرمائے"۔

اسی ثابت کو اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا بیٹا عطا فرمایا اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد بن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں امید ہے کہ ہمارے حق میں یہ دعا قبول ہوئی۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی: آپ سید الشہداء امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کے پوتے تھے۔ آپ کا آستانہ عالیہ مدینہ منورہ میں علم و عرفان کا ایسا مرکز تھا جہاں تمام بلادِ اسلامیہ کے علماء و فضلاء استفادہ کرنے کیلئے آیا کرتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جب حج کیلئے جاتے تو آپ کی صحبت عالیہ سے ضرور مستفیض ہوتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فیوض و برکات حاصل کر کے واپس نکلے تو حضرت امام باقر علیہ السلام نے مریدین و تلامذہ کے سامنے ان الفاظ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی توصیف فرمائی "ابو حنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام: آپ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے صاحبزادے اور علومِ

نبویہ ومرتضویہ کے مظہر اتم تھے۔ آنجناب سے بھی امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے فیوض وبرکات حاصل کئے تھے۔ کوفہ ودیگر بلاد اسلامیہ کے علماء وفقہاء بھی آنجناب سے فیوض وبرکات حاصل کرنے کیلئے تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ نے امام اعظم ؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا "یہ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں"۔

حضرت امام مالک ؒ: آپ امام اعظم ؒ کے معاصر مدینہ منورہ کے جلیل القدر عالم اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔ آپ اور امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کافی عرصہ تک مدینہ منورہ میں اکیلے تشریف فرما رہے اور ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ کیا۔ آپ اکثر امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے فقہی اقوال کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور مسائل دینیہ میں انہیں معتبر سمجھتے تھے۔ آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے علم وحکمت اور فراست ودانائی کو تحسین پیش کرتے ہوئے ایک لکڑی کے ستون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اگر امام اعظم اس ستون کو سونے کا کہہ دیں تو دلائل سے اسے سونے کا ثابت کر سکتے ہیں"۔

حضرت امام شافعی ؒ: آپ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ نے امام اعظم ؒ کے شاگردوں سے استفادہ کیا۔ آپ فقہ شافعی کے بانی وامام ہیں۔ آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے علم وفضل اور فقاہت کو یوں خراج تحسین پیش کیا "جو شخص علم فقہ حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ امام ابوحنیفہ ؒ اور آپ کے شاگردوں سے فقہ سیکھے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ: آپ بہت بڑے فقیہ، عابد وزاہد اور متقی تھے۔ آپ کا امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے ساتھ رشتہ تلمذ بھی استوار تھا۔ آپ نے امام ابوحنیفہ ؒ کے متعلق فرمایا "امام ابوحنیفہ ؒ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں"۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی

زندگی میں بڑے بڑے عبادت گزار، اہل علم وفضل اور فقیہہ دیکھے ہیں لیکن میں نے امام ابوحنیفہ جیسا فقیہہ، عبادت گزار اور متقی کوئی دوسرا نہیں دیکھا''۔

امام اوزاعی: آپ امام اعظم کے معاصرین میں سے شام کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ ابتداء میں امام اعظم کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے جب یہ غلط فہمی دور ہوگئی تو فرمایا ''ابوحنیفہ جیسا عالم سارے عالم اسلام میں کوئی نہیں'' اور اسی طرح کا تاثر حضرت مسعر بن کدام نے بھی فرمایا تھا۔

قاضی ابو یوسف: جنہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا اور آپ عباسی دور میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ''میں نے تفسیر، احادیث اور فقہ کی وضاحت میں امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

قاضی حسن بن عمارہ: آپ امام اعظم کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ بہت بڑے فقیہہ اور قاضی بغداد تھے آپ نے ہی امام اعظم کو بعد از وصال غسل دیا اور پھر فرمایا ''اے امام ابوحنیفہ آپ پر اللہ کی رحمت نازل ہو، آپ ہمارے فقیہہ اعظم تھے، عبادت گزار اور زہد وتقویٰ میں بے مثال تھے، فضائل خیر کے جامع تھے۔ اے اللہ! ان کی قبر خیر و برکت سے بھر دے۔ آپ کے جانے کے بعد ہمیں مسائل کے حل کرنے میں بے پناہ مشکلات آئیں گی اور ہمارے علماء مسائل کے جواب میں شرمسار اور پریشان رہیں گے''۔

حضرت سفیان بن عیینہ: آپ ایک عظیم محدث اور فقیہہ تھے، فرمایا کرتے تھے ''کوفہ کی دو چیزوں سے سارا جہان مستفیض ہوا ہے قرأت میں حمزہ سے اور فقہ میں امام ابوحنیفہ سے''

حضرت یحییٰ بن سعید القطان: آپ تابعین میں سے علم وفضل کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ نے فرمایا ''میں عمر بھر فقہی مسائل میں تمام لوگوں پر چھایا رہا مگر جب امام ابوحنیفہ کو دیکھا تو یوں

محسوس ہوا کہ میں ان کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ دوسرا کوئی فقیہہ ان تک نہیں پہنچ سکا۔

حضرت شقیق بلخی ﷫: آپ ایک بہت بڑے عالم، فاضل اور صوفیاء کرام کے امام تھے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ایسا عالم بلخ نے دوسرا پیدا نہیں کیا۔ آپ اکثر امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے، فرمایا "یاد رکھو! امام ابوحنیفہ کا ذکر کرنا، ان کی تعریف کرنا افضل الاعمال ہیں"۔

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ﷫: آپ نے اپنی کتاب کشف المجوب" میں امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ کی بہت تعریف بیان کی ہے۔ یہاں آپ کا ایک خواب نقل کیا جاتا ہے جس کا آپ نے یوں ذکر کیا ہے

"میں علی بن عثمان شام میں حضرت بلال ﷜ صحابی رسول ﷺ کے روضہ مبارک پر سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایک عمر رسیدہ شخص کو بچوں کی طرح اپنی گود میں اٹھایا ہوا ہے اور حضرت ﷺ ان پر بھی شفقت فرما رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر پیارے محبوب ﷺ کی قدم بوسی کی اور تعجب سے سوچنے لگا کہ یہ بزرگ آدمی کون ہیں جن پر حضور ﷺ اس قدر شفقت فرما رہے ہیں تو اچانک حضور ﷺ میرے دل میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیتے ہیں، فرمایا "یہ تیرے امام اور تیرے ملک کے امام ابوحنیفہ ﷫ ہیں"۔

داتا گنج بخش ﷫ فرماتے ہیں کہ اس خواب سے مجھے اور میرے ملک والوں کو قوی امید پیدا ہوئی اور معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ﷫ اپنے اوصاف سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ قائم ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ کو اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے خود حضور ﷺ ہیں اس لئے امام ابوحنیفہ ﷫ فانی الصفت اور رسول کریم ﷺ کی صفت بقاء کے ساتھ باقی اور قائم ہیں۔ لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ سے غلطی نہیں ہو سکتی تو جو شخص حضور ﷺ کے ساتھ ہو اس سے بھی غلطی نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو امام اعظم در حقیقت رسول اللہ ﷺ نے بنایا۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

علاؤالدین عدیم

آپ کا اسمِ گرامی نعمان والد کا نام نامی ثابت تھا مگر اپنے نام نعمان بن ثابت کی بجائے کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم کی وجہ سے ایک عالم میں ایسی شہرت دوام پائی کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک امام اعظم ابوحنیفہ ہی کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔

یہ آپ کے علم وفضل کی عظمت ہی کی ایک ادنیٰ سی دلیل قرار دی جا سکتی ہے کہ جس طرح طریقت ومعرفت اور راہ سلوک میں محی الدین ابن عربی رئیس المکاشفین علیہ الرحمت کو شیخ اکبر کے نام سے آج تک یاد کیا جاتا ہے حضرت امام ابوحنیفہ کو امام اعظم کا لقب اس انداز سے ملا کہ آپ کے نام کا حصہ بن کر رہ گیا۔ ان ہر دو میں مماثلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جیسا کہ ہوتا آیا ہے ان ہر دو باعظمت شخصیات کے مخالفین ومعترضین بھی کچھ تعداد میں موجود رہے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے امام اعظم کہلانے اور ان کی وجہ فضیلت ایک یہ بھی ہے کہ بحیثیت تابعی بھی ان کو خاص مقام حاصل ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' میں ان کی تابعیت کے بارے میں کھل کر بات کی ہے، اپنی کتاب کے حصہ اول کے صفحہ ۳۰ پر رقمطراز ہیں

''اس وقت عبدالمالک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا، یہ وہ مبارک عہد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں ان میں سے چند بزرگ موجود تھے جن میں سے بعض امام ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے نے ۹۳ ہجری میں وفات پائی ۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ۹۱ ہجری میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ تو ۱۰۰ ہجری تک زندہ رہے''

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ امام موصوف جس دور میں ہوئے اس وقت کے حالات کیا تھے اوران حالات کے بارے میں آپ نے کیا رویہ اختیار کیا تواس سلسلہ میں ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے بنوامیہ کے دور میں جبر وسفا کی عام تھی۔ فقہاء ومحدثین بے اطمینانی کے حالات کے باوجود تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں یہ گھٹن ختم ہوئی تو ہر ایک کو مہمیز ملی۔ امام ابوحنیفہ کی توجہ شروع کے ایام میں حصول علم کی طرف نہیں ہوئی تھی۔ تجارت اور کارخانہ داری میں مشغول رہے مگر حسن اتفاق سے ایک روز کوفہ کے مشہور امام جناب امام شعبی سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے نصیحت فرمائی ”جوہرِ قابل دکھائی دیتے ہو علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو“ تو ان کی یہ بات دل میں ایسا گھر کرگئی کہ مصمم ارادہ سے تحصیل علم میں لگ گئے اور پھر اس میں اپنے آپ کو اس اوجِ کمال تک پہنچایا کہ ایک دنیا نے ان کو امام مان لیا۔

امام ابوحنیفہ کے علمی کام کی اہمیت یہ ہے کہ شروع میں جب انہوں نے حصول علم کی طرف توجہ دی تو لازمی امر تھا کہ وہ انتخاب کریں کہ علم کے کس شعبہ کو اپنایا جائے۔ ان دنوں علم کلام کا شہرہ تھا شروع میں اس طرف توجہ دی یہاں تک کہ کوئی بھی اس سلسلہ میں ان سے بحث نہیں کرسکتا تھا مگر بعد میں اسے خیر باد کہتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ فقہ پر مبذول کرلی اور اس سلسلہ میں کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت حضرت شیخ حماد کی شاگردی اختیار کرلی کیونکہ اس وقت انہیں کا مدرسہ شہرہ عام حاصل کرچکا تھا۔ اس کے بعد مختلف شیوخ حدیث سے بھی پورا پورا استفادہ کیا۔

امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے تمام عمر کوئی سرکاری عہدہ یا وظیفہ قبول نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دیانتدارانہ تجارت سے وافر دولت عطا کر رکھی تھی جس سے اہل حاجت خصوصاً اپنے غریب تلامذہ کی مدد بھی فرماتے رہا کرتے تھے۔ حکومت وقت کے کارندوں کے ساتھ تعلق کی نوعیت بے نیازی کی تھی۔

ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ نے آپ سے انکساری کے ساتھ کہا کہ ”آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا“ جواب میں آپ نے فرمایا ”میں تم سے مل کر کیا کروں گا، مہربانی سے

پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آ جاؤں، عتاب کرو گے تو بڑی ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے، مجھ کو اس کی حاجت نہیں، میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا"۔

دوسری طرف روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت امام باقرؒ اور بعد میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے تعلق رہا، ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ ان کے ہمعصر تھے اور ان کے ساتھ علم کلام پر بھی گفتگو رہی مگر بیشتر عمر شرعی مسائل اور تدوین فقہ پر توجہ رہی۔

عام معروف معنوں میں طریقت اختیار نہیں کی مگر زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ حماد بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ تمام رات عبادت میں صرف کرتے تھے۔ روایت ہے کہ اول نصف شب جاگتے تھے، ایک روز راستہ میں تشریف لئے جاتے تھے ایک آدمی نے کہا کہ یہ شخص تمام رات عبادت کرتا ہے۔ اس کے بعد تمام رات عبادت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہوں کہ لوگ میری وہ توصیف نہ کریں جو مجھ میں نہ ہو۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے روبرو کسی نے ابوحنیفہؒ کو برائی سے یاد کیا تو ابن مبارک نے کہا تم ذکر کرتے ہو ایسے شخص کا کہ تمام دنیا اس کی طرف متوجہ ہے اور وہ دنیا سے بھاگتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ کہا جواب سے مشرف ہوئے وَ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْنَ عہدہ قضاء کیلئے خلیفہ نے بلایا تو اپنے مدلل جواب سے اسے قائل کر لیا کہ وہ کیوں اس عہدہ کو قبول کرنے کے لائق نہیں۔ شریک نخعیؒ سے روایت ہے کہ ابوحنیفہ بہت کم سخن تھے اور دائم الشکر تھے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور تقلید

محمد شاہد وود ایڈووکیٹ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبارک ہے

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ | کَمِسْکٍ اِذَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

ترجمہ: ہمارے لئے نعمان کے ذکر کا اعادہ کئے جاؤ کیونکہ ان کا ذکر کستوری کی طرح ہے جس کی خوشبو گھسنے کے تکرار سے مہکتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور فرمان عالیشان ہے کہ اِنَّ النَّاسَ کُلُّھُمْ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ یعنی لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچے ہیں۔ امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے موخر الذکر فرمان سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقہ سیکھنا چاہے تو اس کو امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں کا دامن گوہر بار تھامنا چاہئے اس لئے کہ سارے انسان فقہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے محتاج ہیں۔

آسمان علم وہدایت کا یہ درخشاں ستارہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی برس بعد ہستی رنگ وبو پر ہویدا ہوا۔ آپ مبشر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائے مرتضیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شجرہ نسب جا ملتا ہے۔ تابعی تھے تاہم کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شرف نیاز حاصل کیا اس میں مؤرخین ومحدثین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ حمزہ سہمی نے تو اس حد تک کہا ہے کہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے یہ سنا ہے کہ "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابہ سے ملاقات نہیں کی ہے البتہ جناب سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے وجود مسعود دیکھا مگر ان سے کوئی روایت نہ سنی" لیکن امام دارقطنی کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کے حوالے سے مذکورہ متعصبانہ قول دیگر لاتعداد مورخین، محدثین اور فقہاء کے اقوال کے آگے بالکل ہیچ دکھائی دیتا ہے۔

امام اعظم کو رب کائنات نے قوت استدلال کی بے پناہ صلاحیت سے نوازا تھا۔ حاضر جوابی اور

حاضر دماغی میں آپ کا جواب نہ تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بہت سے لوگ ایک وفد کی صورت میں امام صاحب کے پاس اس بحث کیلئے آئے کہ کیا نماز باجماعت کے اندر مقتدیوں کو بھی امام کے ساتھ تلاوت کرنی چاہئے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ اپنی جانب سے ایک نمائندہ مقرر کر لو تا کہ اس سے بات چیت ہو سکے۔ جب ان لوگوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس تجویز سے اتفاق کر لیا تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ آپ نے تو خود ہی اپنا مسئلہ حل کر لیا ہے، اسی طرح امامِ جماعت بھی جملہ مقتدیوں کی جانب سے قرأت کا مختار ہوتا ہے۔

امام صاحب کی ذہانت و فطانت اور بصیرت و حکمت کے ایسے بے شمار واقعات مشہور ہیں۔ آپ کو عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیشکش کی جو آپ نے ٹھکرا دی۔ چنانچہ وہ اس بات پر مشتعل ہو گیا اور آپ کو زندان میں زہر پلوا دی اور یوں علم و عرفان اور عمل و ایقان کا یہ سورج ستر برس کی عمر میں یعنی ۱۵۰ ہجری میں غروب تو ہو گیا لیکن اس کی سرمدی کرنیں تا ابد ضیاء پاشی کرتی رہیں گی۔ آپ کے مناقب اور مدح میں لاتعداد کتب تصنیف کی گئیں جن میں ''تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ'' از امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ''الخیرات الحسان فی ترجمۃ النعمان'' از علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی شافعی رحمت اللہ علیہ شامل ہیں۔

فضائل و محاسن کے اعتبار سے تاریخ انسانیت کی دو عظیم شخصیات (حضور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) میں کئی اقدار مشترکہ پائی جاتی ہیں مثلاً دونوں ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولادِ باصفا سے ہیں، حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے نورِ نظر جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی سلب مبارک سے ہیں۔ حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہی کا مولد عراق ہے۔ دونوں ہی نے احیائے دین اور بیداری ملت کیلئے بڑی جدوجہد فرمائی۔ ایک اور حسنِ اتفاق کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اپنی مقدس و مطہر زندگیوں میں چالیس چالیس برس عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ علاوہ ازیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نعمان اور حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ غوثیہ تحریر فرمایا۔ الغرض ایک سرتاج شریعت تو دوسرا سرخیل طریقت

ہے۔ایک علمبردارِ شریعت ہونے کی وجہ سے امام اعظم تو دوسرے مقتدائے طریقت ہونے کے ناطے غوث اعظم کہا جاتا ہے۔ایک کی مہربانی سے ہم حنفی اور دوسرے کی شفقت سے قادری کہلاتے ہیں گویا

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

قوانین اسلامی کے مآخذ میں سب سے زیادہ فضیلت والا ماخذ قرآن مجید فرقان حمید ہے جسے انگریزی میں supreme source of law کہا جاتا ہے۔فقہائے دین مبین اسے نص قطعی گردانتے ہیں۔قرآنی احکام کی بعض جگہ قرآن پاک ہی میں تاویل موجود ہے جبکہ بعض احکام کی تشریح وتوضیح کیلئے احادیث نبوی ﷺ کا سہارا لیا جاتا ہے جو اسلامی قوانین کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔

مذکورہ نصوص کے علاوہ جن مآخذِ قوانینِ اسلامی پر ائمہ مجتہدین نے تکیہ فرماتے ہوئے احکامات قرآنی واحادیث نبوی ﷺ کی وضاحت فرمائی ہے وہ انہی کے طرار امتیاز ہیں اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان ممتاز ومميز شخصیات کی صف اولیٰ میں دکھائی دیتے ہیں۔آپ امام کوفہ اور حنفی مذہب کے بانی کہلاتے ہیں۔خانوادہ رسالت مآب ﷺ کی دو نابغہ روزگار شخصیات حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب علم کیا۔امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ آپ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔آپ کی امامت کا اقرار اپنوں کو ہی نہیں غیروں کو بھی ہے۔چنانچہ معروف اہلحدیث مولوی نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں "وہ عالم باعمل تھے، عابد وزاہد تھے، متقی و پرہیزگار تھے، ان میں خشوع وخضوع بہت تھا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی میں لگے رہتے تھے"۔

غیر مقلد مولوی سید نذیر حسین دہلوی نے آپ کی مدحت یوں بیان کی "ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ ان پر عفو ومغفرت کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے" (معیار الحق، صفحہ ۲)۔اسی طرح ایک اور جگہ یوں گویا ہوئے "ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے۔ان کے فضائل میں اور آیہ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ زینت بخش مراتب کیلئے ہے" (معیار الحق صفحہ ۱۳)۔مغرب کے مشہور اہل علم ہالینڈ، سالمنڈ اور ون فیلڈ نے آپ کی بے مثل وبے نظیر فقاہت، ذہانت وفطانت کے پیش نظر آپ کو حلال وحرام کے معاملہ میں انسانیت کا

سب سے بڑا محسن قرار دیا ہے اور آپ کی قوت فیصلہ کی بے پناہ تعریف کی ہے۔

تقلید کی اہمیت پر بلا وجہ زور نہیں دیا گیا ہے بلکہ فقہائے عظام اور ائمہ مجتہدین کی جستجوئے بسیار کے اعتراف میں تقلید کی نہ صرف اہمیت بلکہ وجوبیت کو صمیم قلب سے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ معترضین تقلید کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ آفتابِ رسالت ﷺ سے جو ستارے ضو پا کر صحابیت کے رتبہ اعلیٰ پر متمکن ہوئے وہ بھی تو تقلید مصطفیٰ ﷺ کو جانِ ایمان سمجھتے تھے۔ ان صحابہ کرام ؓ میں خلفائے راشدین سے لے کر اعرابی حضرات تک شامل تھے، حضور ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد اکثر صحابہ جید صحابہ کرام ؓ سے دینی امور سے متعلق استفسارات کیا کرتے تھے چنانچہ ان عظیم المرتبت شخصیات کو تاریخ اسلام میں رؤس المفسرین یا مفسرینِ قرآن کے سردار کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مذکورہ شخصیات میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ وہ ہستی ہیں جو امام اعظم ؒ کے دادا استاد ہیں مطلب یہ کہ امام اعظم ؒ کے اکثر اساتذہ کے اساتذہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اکتساب علم کیا تھا۔ آپ ؓ حضور سید دو عالم ﷺ کے بعد فقہ کے مرجع کل ہیں۔

غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے صحابہ کرام کو رؤس المفسرین جاننا ہی اس بات کی علامت ہے کہ صحابہ کرام تقلید کے قائل تھے۔ جو شخص تقلید سے انکار کرتا ہے چاہے وہ اپنے تئیں عالم ہے کہ جاہل وہ تقلید کا انکار کرتے ہوئے بھی اقرار کرتا ہے کیونکہ ہر غیر مقلد قرآنی تفسیر کیلئے اپنے مولوی کا محتاج ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ائمہ اربع کی تقلید تو ان کے ہاں ناجائز بلکہ حرام ہے مگر ابنِ تیمیہ، ابن قیم، قاضی سوکانی اور نواب صدیق حسن خان وغیرہ کی تقلید جائز ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ ؒ ائمہ مجتہدین میں درجہ اتم کی حامل شخصیت ہیں۔ آپ خیر القرون یعنی زمانہ صحابہ کرام ؓ میں پیدا ہوئے اور ان کی مجالس پائیں، اجتہاد کیا اور فتویٰ دیا۔ چنانچہ مشہور محدث امام اعمش حج کیلئے روانہ ہوئے تو مسائل حج امام صاحب سے لکھوا کر لے گئے حالانکہ موصوف حدیث میں امام صاحب کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرو بن دینار ؒ بھی آپ کے اساتذہ میں ہونے کے باوجود آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کے مقلدین میں قاضی ابویوسف،

زفر اور محمد بن حسن الشیبانی جیسے عالی مرتبت مجتہدین اور امام ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائی اور فضیل بن عیاض رحمہم اللہ جیسے پائے کے عربی دان شامل ہیں۔ حضرت ملا علی قاری حنفی ؒ نے خطیب خوارزمی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "امام ابوحنیفہ ؒ نے تراسی ہزار مسائل بیان فرمائے ہیں جن میں سے اڑتیس ہزار مسائل عبادات اور باقی معاملات سے متعلق ہیں۔ اگر ابوحنیفہ ؒ نہ ہوتے تو لوگ گمراہی اور جہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوتے"۔

اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ امام شافعی ؒ جو کہ خود مذہب کے امام فرمایا کرتے تھے کہ "میں امام محمد ؒ کی کتابوں کی بدولت فقیہ ہوا ہوں" جبکہ امام محمد کا شمار حضرت امام اعظم ؒ کے قابلِ فخر تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ چونکہ امام اعظم ؒ خود بھی تابعی تھے، صحابہ کرام ؓ کی مجالس بھی نصیب ہوئیں، اچھے حافظہ کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ الحدیث بھی تھے۔ لہٰذا آپ کی تقلید میں فلاح اس لئے بھی ہے کہ آپ کے مذہب میں قرآن وسنت کی مہک اور آثار صحابہ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کم وبیش چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی ربع مسکون میں احناف کی اکثریت ہے۔ مذاہب حقہ میں سب سے زیادہ غلبہ مذہب حنفی کو ابتداء سے آج تک حاصل رہا ہے۔ شیخ طاہر پٹنی کا قول ہے کہ "اگر مذہب وفقہ حنفی میں اللہ تعالیٰ کا سرِ خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب اسلام اس کے جھنڈے تلے جمع نہ ہو جاتا"۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فقہ حنفی نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں پر حکومت کی۔ امام اعظم ؒ کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف عباسی خلفائے ہادی اور ہارون الرشید کے ادوار میں قاضی القضاۃ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ آلِ سلجوق، آلِ عثمان اور آلِ بابر (مغل) سب ہی احناف تھے بلکہ تقلید امام اعظم پر بڑے بڑے فتاویٰ کی تدوین ان حکمرانوں کی تاریخ کا حصہ ہے۔

تقلید سے مراد بے چون وچرا پیروی کرنا ہے۔ پیروی کرنے میں اگرچہ عقیدہ کا حریص بننا پڑتا ہے لیکن اس میں غلو اور دوسرے مذاہب میں تنقیص غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہے۔ ایسا کرنے والے یقیناً کسی مجتہد کے پیروکار نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ کسی بھی امام کی تعلیمات میں شامل نہیں۔ ائمہ مجتہدین

نے اجتہاد و استنباط اپنی ذاتی نمود و نمائش اور شہرت کیلئے نہیں بلکہ عین حکم خداوندی اور سنت صحابہ کرام ﷢ سمجھ کر کیا۔ جہاں تک امام اعظم امام ابوحنیفہ ﷫ کے قیاس کا تعلق ہے تو آپ نے ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور سے فرمایا تھا کہ ''میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر اور پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ﷢ کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہ کرام ﷢ کے فیصلوں پر البتہ جب صحابہ ﷢ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں''

(کتاب المیزان، جلد۱، صفحہ ۶۲)

علامہ ابن حزم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ''تمام اصحاب ابی حنیفہ ﷫ اس بات پر متفق ہیں کہ ابوحنیفہ ﷫ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے'' (کتاب المیزان جلد۱، صفحہ ۶۲)۔ حضرت امام اعظم ﷫ کے استنباط و قیاس کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے بعد کے ادوار میں آنے والے مجتہدین نے دین مبین کی مزید وضاحتیں فرمائیں لیکن ایک بات جو ان فقہاء و مجتہدین میں مثالی اور لاجواب تھی وہ یہ کہ وہ کبھی شان امام اعظم ﷫ میں دشنام طرازی کے مرتکب نہ ہوئے جیسا کہ غیر مقلدین عموماً ایسا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ امام شافعی کا یہ قول کہ امام اعظم ﷫ کے روضہ انور پر دو رکعت نماز نفل تریاق کا درجہ رکھتے ہیں اور وہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے، امام شافعی ﷫ کی امام اعظم ﷫ کے ساتھ والہانہ عقیدت کا غماز ہے۔ امام شافعی ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں قبر امام اعظم ﷫ پر حاضر ہوتا ہوں یہی نہیں بلکہ اپنے مذہب کے برعکس امام شافعی ﷫ زیارت امام اعظم ﷫ پر حاضری دیتے تو حنفی طریقہ پر نماز پڑھتے اور قنوت نازلہ بھی پڑھتے۔ یقیناً یہ امام شافعی ﷫ کی وسیع النظری اور وسیع القلبی کا مظہر اور غیر مقلدین کیلئے درس عبرت ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ ﷫ پر بعض کج فہم اور عاقبت نا اندیش دو اعتراض مزید کرتے ہیں کہ اولاً امام صاحب کو فقط سترہ حدیثیں یاد تھیں اور ثانیاً امام صاحب ﷫ قیاس کو قرآن و حدیث سے مقدم سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم ﷫ پر یہ دونوں الزامات عقل کے اندھوں کے لگائے ہوئے ہیں۔

پہلے الزام کا جواب یہ ہے کہ فقط سترہ احادیث کا سامع یا حافظ وقت کا امام اور دلوں کا حکمران کیسے بن سکتا ہے؟ ایک ایسا عالم دین جسے محض سترہ احادیث یاد ہوں اسے عباسی خلیفہ قاضی القضاۃ کے پرکشش اور ذمہ دار عہدہ کی پیشکش کیوں کرتا ہے؟ اگر امام صاحب اتنے ہی قلیل العلم تھے تو قاضی ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ جیسے مجتہدین کے استاد کیونکر کہلائے۔ اگر ان کا علم اتنا ہی مختصر تھا تو علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ جیسے شوافع اور جار اللہ زمخشری جیسے سخت ترین معتزلہ ان کی اولوالعلمی پر کتابیں کیوں تحریر کرتے۔

دوسرے الزام کے جواب میں عرض ہے کہ امام صاحب قیاس کو قرآن وحدیث سے قطعاً مقدم نہ سمجھتے تھے۔ اتنی گھٹیا بات تو کسی چھوٹے موٹے عالم دین سے متعلق بھی نہیں کی جاسکتی تو کجا ذات حضرت امام اعظم ﷺ کہ آیا وہ نصوص سے اپنی رائے کو برتر وارفع جانتے۔

قرآن وحدیث کے بعد اسلامی قوانین کے تمام مآخذ چاہے وہ اجماع ہو کہ قیاس، استدلال ہو کہ استحسان علی ہذا القیاس سب کی بنیاد نصوص پر ہوتی ہے۔ جہاں تک امام صاحب پر قیاس کو اولیت دینے کا الزام ہے تو یہ تو بادی النظری ہی میں قابلِ تردید ہے کیونکہ فقہاء ومجتہدین ملت کے قیاس کی اساس ہمیشہ قال اللہ اور قال الرسول رہی ہے۔ اس موقع پر امام صاحب کا دفاع علامہ شبلی نعمانی ''سیرت النعمان'' میں کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

''حدیثِ بیع مصراۃ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ ان سے ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے اس لئے ہم کو نہایت غور وتحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصولِ موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ﷺ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور وغل کی اصل کچھ نہیں۔ بخلاف اس کے نہایت قوی ذریعہ

سے امام ابو حنیفہؒ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضاء لازم نہیں آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں پھر امام ابو حنیفہؒ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لَوْلَا مَا جَآءَ فِیْ هٰذَا مِنَ الْاٰثَارِ لَاَمَرْتُ بِالْقَضَا یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا''

(سیرت النعمان حصہ اول، از علامہ شبلی نعمانی، صفحہ ۹۴ مطبوعہ رنگین پریس دہلی ۱۹۲۲ء)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کو بعض محدثین، مؤرخین اور فقہاء نے استنباط و قیاس کی وجہ سے امام الرائے، صاحب الرائے اور امیر المومنین فی الرائے کے القابات سے یاد کیا ہے لیکن جیسا کہ گزشتہ سطور میں مذکور ہے کہ امام صاحبؒ نے کبھی بھی اپنی رائے کو حدیث پر فوقیت نہیں دی بلکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہ ''جب کسی جزئی میں آپ کو حدیث مل جاتی تو پھر رائے کو درخورِ اعتنا بھی نہیں سمجھتے تھے'' (جزئیات و مسائل)

امام زفرؒ جو کہ امام اعظمؒ کے شاگرد رشید تھے ان سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نقل فرماتے ہیں کہ ''میں نے امام زفرؒ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں'' (بذیل الجواہر جلد ۲ صفحہ ۵۳۴)

امام اعظمؒ اور ان کے تلامذہ بلکہ دیگر مذاہب کے مجتہدین نے بھی رائے کا وہاں استعمال فرمایا جب کسی مسئلہ پر ایک سے زیادہ احادیث یا اعمال صحابہ کرامؓ موجود ہوتے جبکہ غیر مقلدین کا طریقہ واردات یہ ہے کہ کسی ایک حدیث مبارکہ سے بات آگے بڑھا کے اس جیسی دیگر احادیث پر ضعیف کی مہر ثبت کر دیتے ہیں چاہے وہ حدیث شریف کتنی ہی مستند کیوں نہ ہو۔ امام اعظمؒ سے متعلق ابو حمزہ السکری کا بیان ہے کہ ''میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس

حضور ﷺ کی حدیث پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہمارے پاس حضرات صحابہ کرام ؓ کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعین کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں"۔

امام صاحب کے زمانہ میں بھی بعض کجروؤں نے امام صاحب پر اعتراض کیا تھا جس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا تھا "لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں"۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے امام صاحب کی مجلس میں نقطہ اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ امام صاحب نے جواباً فرمایا تمہارا یہ کلام بے موقع ہے، ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کا حکم رد کرنے کیلئے قیاس کیا تھا۔ رب کائنات نے اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ بجالانے کا فرمایا تو اس نے کہا اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا یعنی کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے اور ہم اس لئے قیاس کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کو دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل، کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماع صحابہ کی طرف راجع کریں۔ ہم اجتہاد کرتے ہیں اور اتباع خداوندی کے گرد گردش کرتے ہیں، ہمارے قیاس کا اس قیاس سے کیا تعلق" اس شخص نے کھلے عام توبہ کی اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو منور کرے جس طرح آپ نے میرا دل منور کیا ہے۔

(الجواہر المضیہ فی الطبقات الحنفیہ جلد ۲، صفحہ ۴۷۳)۔

"کیا نفیس بات فرمائی حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہ "تم یہ نہ کہا کرو کہ ابوحنیفہ ؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے"۔

حقیقت سے بے خبر مورخین کا یہ خیال ہے کہ قواعد فقہ کو سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کیا حالانکہ تدوین فقہ کا پہلا قدم امام اعظم ؒ نے اٹھایا تھا۔ حقیقت سے بے بہرہ مورخین یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ جس دن امام اعظم ؒ کی شہادت ہوئی عین اسی روز امام شافعی ؒ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ گویا امام شافعی ؒ سے بہت قبل سنت صحابہ ؓ موسوم بہ تقلید کے علمبردار امام اعظم امام ابوحنیفہ ؒ نے ایک جید مفسر قرآن، ایک عظیم شارح حدیث، ایک ذہین قانون دان

اور ایک فطین فرقان کی جنبیوں سے اپنا لوہا منوالیا تھا۔ امام اعظم ﷫ نہ صرف یہ کہ فقہ دین مبین کے پہلے مدون ہیں بلکہ آپ نے اسے باقاعدہ فن کا درجہ عطا فرمایا۔ فقہ حنفی کو امام صاحب نے دراصل فرمانِ خدا "دین میں جبر نہیں" اور ارشاد رسول نبی کریم ﷺ "میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں" کے مصداق مدون فرما کے اس مذہب کو قرآن وحدیث سے متصادم کہنے والوں کی لایعنی باتوں کا جواب دیا ہے۔ اس بات سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ خدانخواستہ دیگر تین مذاہب برحق نہیں ہیں بلکہ یہ جملہ تو ان غیر مقلدوں اور دیگر مذاہب کے انتہا پسندوں کیلئے ہے جو دین میں دھڑے بندیوں کے شوقین ہیں ورنہ گزشتہ سطور میں یہ مذکور ہے کہ ائمہ اربعہ کا حلیم اور وسیع النظر ہونا جملہ امت کیلئے درس عبرت بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔

امام ربانی حضرت سیدنا شیخ مجدد الف ثانی سرہندی ﷫ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

"کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہلِ اسلام کی بڑی اکثریت امام اعظم ﷫ کی پیروی کرتی ہے، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو" (دفتر دوم، حصہ ہشتم، مکتوب ۵۵)

کچھ لوگ امام صاحب کے لقب "امام اعظم" پر بھی اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام اعظم تو حضور ﷺ ہیں۔ بات یہ ہے کہ حضور سید الکونین ﷺ انبیاء ورسل کے امام ہیں جب کہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ﷫ اپنے خداداد تفقہ کی وجہ سے اس دین ازلی کے فقہاء و مجتہدین کے ہاں امام اعظم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جس دین کی ابتداء آدم اور تکمیل حضور سید عالم ﷺ پر ہوئی امام اعظم سے مراد مابعد صحابہ کرام تا قیامت فقہاء دین مبین کے سردار جیسا کہ عم رسول کریم حضرت حمزہ ﷜ کو سید الشہداء (شہیدوں کا سردار) اور حضرت پیران پیر دستگیر ﷫ کو غوث اعظم کہا جاتا ہے۔ آپ کو امام اعظم ﷫ اس لئے بھی کہا جاتا اور مانا جاتا ہے کہ فقہائے عظام اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کم وبیش بائیس احادیث رسالت مآب ﷺ کے مشارٌ الیہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے جو آپ کی ولادت سے لے کر شہادت

تک کا احاطہ کرتے ہیں۔ آپ کے قیاس واستنباط پر فقہاء، مؤرخین، محدثین اور اولیاء سب ہی فاخر ہیں چنانچہ حضرت داتا گنج بخش سیدنا علی بن عثمان ہجویری ؒ ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں'' کہ جیسے پیغمبر ﷺ سے خطا صادر نہیں ہو سکتی ویسے ہی ان سے خطا صادر نہیں ہو سکتی''۔

ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا ولی امام اعظم ؒ سے متعلق کیا فرما رہا ہے اور یار لوگ امام صاحب پر قیاس کرنے کی بناء پر طعن و تشنیع کر رہے ہیں حالانکہ امام صاحب نے تو صحابہ کرام سے چلے ہوئے ایک سلسلہ کو تواتر بخشا اور آنے والے ادوار کے فقہاء کیلئے اجتہاد کا راستہ ہموار کیا۔ یحییٰ بن معین محدث نے صحیح کہا کہ ''علم و اجتہاد میں مقام ابوحنیفہ ؒ تک رسائی حاصل نہ کرنے والے آپ سے حسد کرنے لگے اور دشمن ہو گئے'' قیاس و استنباط کی فضیلت و اہمیت کو وہ کیا جانے جنہیں ایسے نابغہ محدثین کے اقوال پر بھی اعتراض ہو۔

امام اعظم ؒ کی ہشت پہلو شخصیت کو الفاظ کی مالا میں پرونا یقیناً جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آپ کی تقلید کی صورت میں آپ کے تفقہ اور ادراک و شعور کی خداداد دولت سے تا قیامت امت محمدیہ فیضیاب ہوتی رہے گی۔ علامہ مجد بن اثیر الشافعی کا قول ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص لطف اور بھید اس میں مضمر نہ ہوتا تو امت محمدیہ کا تقریباً نصف حصہ کبھی بھی امام ابوحنیفہ کی پیروی نہ کرتا اور اس جلیل القدر امام کے مسلک پر عامل ہو کر اور ان کی تقلید اختیار کر کے کبھی تقرب خداوندی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا''۔ (محصلہ جامع الاصول، بحوالہ تقدمہ نصب الرایہ صفحہ ۳۹)

آپ کی حیات مقدسہ تو ہے ہی تقلید صحابہ ؓ کا بہترین نمونہ۔ آپ کی شہادت نے بھی تقلید امام حسین کی جانب اشارہ دے دیا کہ جان تو دے دینا مگر حق بات سے قطعاً دستبردار نہ ہونا۔ امام صاحب کے گراں قدر احسانات کا حق تو یقیناً ادا نہیں کر سکتے مگر حضرت عبداللہ بن داؤد الخریبی کے اس حکم کو تو اپنی عادت بنا سکتے ہیں کہ ''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ سے امام ابوحنیفہ کیلئے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ یہ اس لئے کہ انہوں نے سنت و حدیث اور فقہ کو مسلمانوں کیلئے محفوظ کیا ہے''

(تاریخ بغداد، جلد ۱۳، صفحہ ۳۴۲۔ ---البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۷)

سپاسِ عقیدت

بخدمت جناب مولانا سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

''مولوی جی''

پروفیسر مرتضیٰ سید

آپ ہیں مہر برجِ سعادت | آپ ہیں ماہِ نورِ ہدایت
آپ ہیں محرمِ رمز حقیقت | آپ سے جاری فیضِ ولایت

آپ سراپا زہد و ریاضت | آپ مجسم رشد و ہدایت
آپ ہیں راہبرِ راہِ طریقت | قائم آپ کے دم سے شریعت

آپ کی فطرت میں ہے لطافت | آپ کی طینت میں ہے عطوفت
ہر دم لطف و کرم کی بارش | بندہ نوازی آپ کی عادت

آپ مجسم مہر و محبت | آپ ہی پیکرِ لطف و عنایت
آپ سراسر رافت و شفقت | آپ ہیں سچ مچ سایۂ رحمت

دیتے ہیں تسکین دلوں کو | بانٹتے ہیں یہ راحت و فرحت
جو بھی آئے غم کا مارا | لے کر جائے دل کی مسرت

گرچہ فقیر گوشہ نشیں ہیں | پر ہے دلوں پر ان کی حکومت
آپ کا سایہ سر پہ ہمارے | اللہ تعالیٰ رکھے سلامت

آپ کی ہم تعریف کریں کیا
احسن و اکمل آپ کی سیرت
مرتضیٰ سید، مولوی جی ہیں
بے شک نازش انسانیت

جناب پروفیسر مرتضیٰ سید صاحب پشاور کے سادات خانوادہ بخاریہ کے ایک عظیم المرتبت فاضل، ادیب، شاعر اور دانشور ہیں۔ عرصہ دراز سے ہزارہ میں مقیم ہو کر تعلیم وتدریس میں زندگی بسر کرتے ہوئے ریٹائرڈ ہوئے۔ قارئین الحسن آپ کے منظوم کلام سے اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ سید صاحب نے اس فقیر کے بارے میں از راہ محبت جو اظہار خیال کیا اس اشاعت کا بھی مطالبہ کیا۔ اگر چہ یہ فقیر قطعاً اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا لیکن بخاری صاحب کے خلوص اور حسن نیت کے پیش نظر اسے شائع کیا جا رہا ہے۔ جزاک اللہ احسن الجزاء (مدیر اعلیٰ)

روضۂ انور حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

منبر و محراب مسجد حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ